مافیا

PDFBOOKSFREE.PK

5

اقبال کاظمی

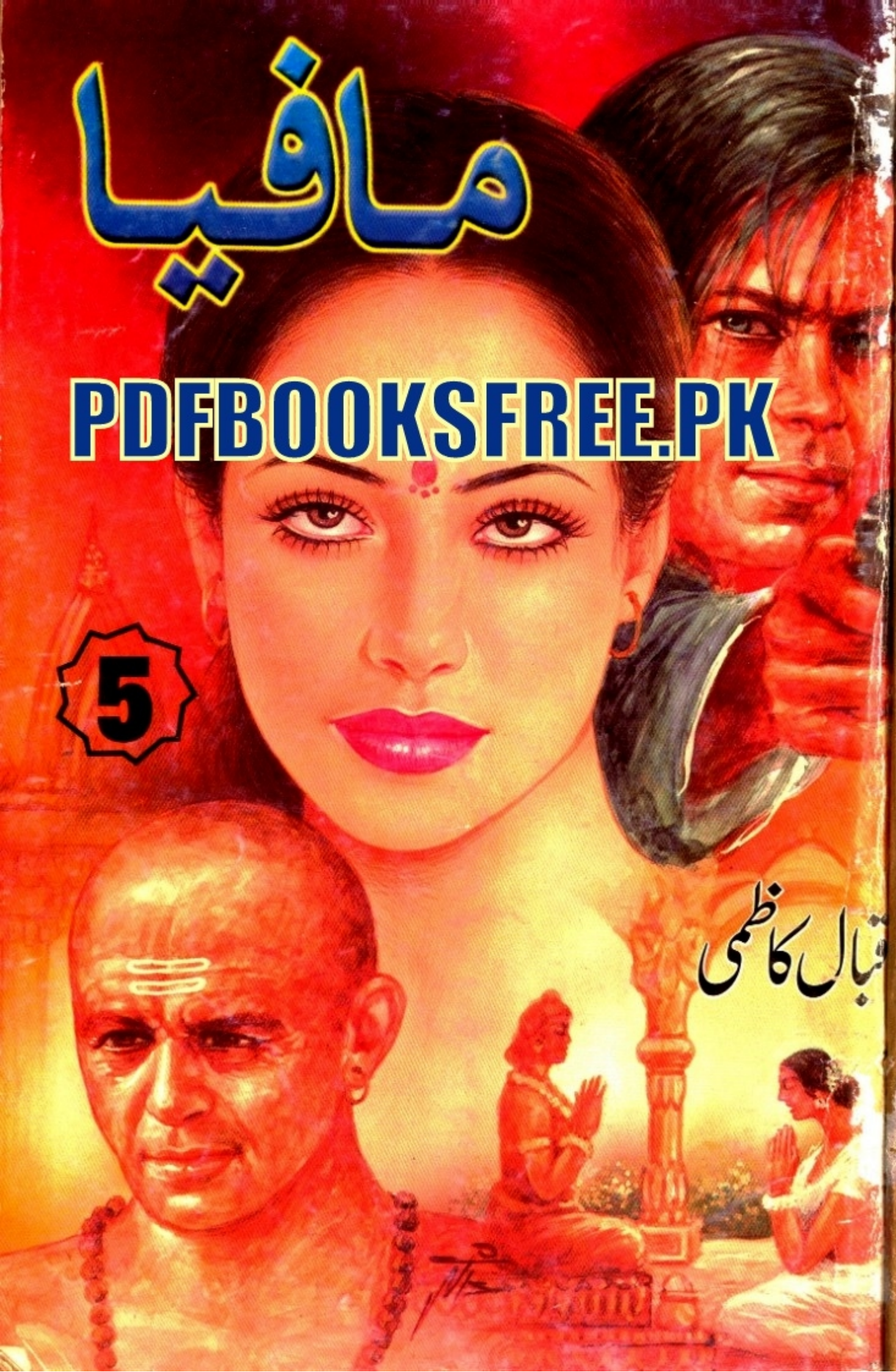

پتھر کی طرح سخت، موت کی طرح بے رحم ایک شعلہ جوالا شخص کی داستان
جو لطیف جذبوں سے آشنا تھا، لیکن معاف کرنا اس کی فطرت میں شامل نہیں تھا

3267/5

مافیا

5

تحریر: اقبال کاظمی —— راوی: نظیر محمد ناجی

مکتبہ القریش © سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

326715
SHAHEEN LIBRARY
SAHIWAL

میرے ایک ہاتھ میں تھیلا تھا اور دوسرے ہاتھ سے میں نے دھوتی سنبھال رکھی تھی۔ جس کی وجہ
سے مجھے دوڑنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ دھوتی بھی سفید تھی اور کرتا بھی اور مجھے اندیشہ تھا کہ تاریکی
ں چلائی جانے والی کوئی گولی مجھے تلاش نہ کر لے۔

میں بے تحاشہ دوڑتا چلا گیا۔ میرے جسم کی تمام تر قوت ٹانگوں میں سمٹ آئی تھی۔ موت کے
رشتے جب تعاقب میں لگے ہوں تو بدن کے ہر حصے کی قوت ٹانگوں ہی میں سمٹ آتی ہے۔

بے کی ڈھلان ختم ہو گئی۔ آگے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ دونوں بھی فائرنگ کرتے
وئے ڈھلان پر پہنچ چکے تھے۔ میں ایک کھیت میں گھس گیا اور پگڈنڈی پر دوڑتا چلا گیا۔

فائرنگ اب نہیں ہو رہی تھی۔ پانچ چھ کھیتوں کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں رک گیا اور مڑ کر
پیچھے دیکھنے لگا۔ صرف ایک ہیولہ دوڑتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میرے خیال میں وہ بوٹا تھا۔ وہی اتنے لمبے قد کا
الک تھا کہ گیہوں کی فصل میں بھی تین فٹ اوپر کو نکلا ہوا نظر آ رہا تھا۔

میرے سامنے ایک چھوٹی سی ندی تھی جس کا پاٹ تین فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ میں چھلانگ لگا
کر دوسری طرف پہنچ گیا اور ایک بار پھر پگڈنڈی پر دوڑنا شروع کر دیا۔

وہ لوگ اب بہت پیچھے رہ گئے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں
گے۔

رات اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ تاریکی دم توڑنے لگی اور فضا میں بہت ہلکا سا اجالا پھیلنے لگا۔
میں اب اس بے سے بہت دور نکل آیا تھا۔ بالآخر ایک جگہ ٹاہلی کے درختوں کے نیچے رک گیا۔ کچھ دیر تک
ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ میرا سانس بری طرح پھول گیا تھا اور منہ
سے کف بہہ رہا تھا۔

اپنی حالت کو سنبھالنے میں تین چار منٹ لگ گئے۔ میں نے کرتے کی آستین سے ہونٹ پونچھے
اور اپنی پنڈلی کے زخم کا جائزہ لینے لگا۔ زخم اگرچہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اس طرح بے تحاشہ دوڑنے سے خون
رسنے لگا تھا۔ میں نے دھوتی کا ایک کنارہ پھاڑ کر زخم پر پٹی باندھ لی اور پیروں کو دیکھنے لگا۔ ننگے پیر دوڑتے
ہوئے میرے پیر بھی کیچڑ میں لتھڑ گئے تھے۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ دن کی روشنی اب پھیلنے لگی تھی۔ میں نے اٹھ کر اطراف میں ادھر ادھر

Azam & Ali

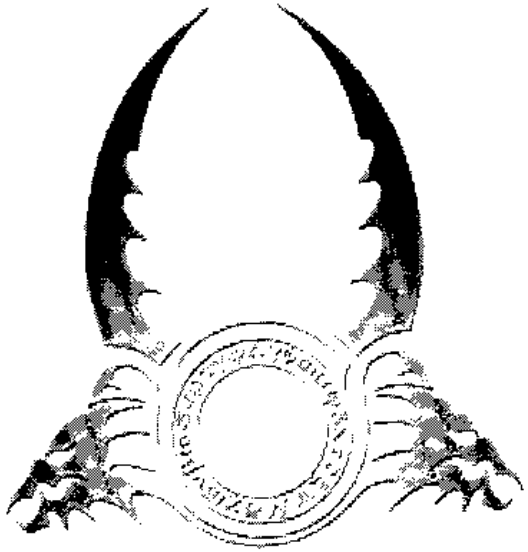

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/60 روپے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دیکھا۔ سامنے بہت دور کوئی چھوٹی سی بستی نظر آ رہی تھی اور ظاہر ہے میں اس بستی کا رخ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ بوٹا اور جگت سب سے پہلے مجھے کسی بستی ہی میں تلاش کریں گے۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ بستی کونسی ہے اور میں اس وقت کہاں ہوں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ مجھے کس طرف جانا چاہئے۔

میں ایک بار پھر درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس بھاگ دوڑ نے مجھے بری طرح تھکا دیا تھا۔ نیند سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ پچھلے کچھ عرصے کے دوران میں جن حالات کا شکار رہا تھا ان میں سختیاں اٹھانے کا عادی ہو چکا تھا۔ میں کئی کئی راتیں جاگ کر گزار دیتا تھا لیکن آج نجانے کیا بات تھی کہ نیند مجھ پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہی تھی اور میں زیر ہوا جا رہا تھا۔

دفعتاً ایک آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت دھوپ پھیل چکی تھی۔ میں سر جھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔

''وہ کسی ٹریکٹر کی آواز تھی۔ میں نے بڑی احتیاط سے اٹھ کر اطراف میں دیکھا۔ وہ ایک ٹریکٹر ٹرالی تھی جو دائیں طرف سے آ رہی تھی۔ ٹرالی پر پٹھے (مویشیوں کا چارہ) لدا ہوا تھا۔ اس ٹریکٹر ٹرالی کا رخ میری طرف ہی تھا لیکن ظاہر ہے وہ سیدھی میری طرف ہی نہیں آ رہی تھی۔ مجھ سے تقریباً پچاس گز آگے کھیتوں میں ایک کشادہ راستہ تھا اور ٹریکٹر ٹرالی اس راستے پر جا رہی تھی۔

ٹریکٹر پر صرف ایک ہی آدمی تھا جو ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ٹرالی پر اوپر تک پٹھے لدے ہوئے تھے۔ ڈرائیور کے علاوہ ٹرالی پر کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ یہ ٹرالی یقیناً کسی منڈی ہی میں جا رہی تھی اور مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ میں اس وقت کہاں ہوں لیکن یہ ٹرالی مجھے کسی ایسی جگہ پہنچا سکتی تھی جہاں سے میں اپنی منزل کا تعین کر سکوں۔

ٹرالی ابھی کافی دور تھی۔ میں جھک کر کھیتوں میں چلتا ہوا اس راستے کے قریب پہنچ گیا جہاں سے ٹرالی کو گزرنا تھا۔ میں پودوں میں چھپا بیٹھا رہا اور ٹرالی جیسے ہی میرے سامنے سے گزری میں کھیت سے نکل کر دوڑتا ہوا ٹرالی کے پیچھے پہنچ گیا۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ نیچے اوپر رکھے ہوئے گٹے رسے سے بندھے ہوئے تھے۔ میں نے دوڑتے ہوئے رسے کو پکڑا اور اچھل کر اوپر چڑھ گیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی میں گٹھوں کے اوپر لیٹا ہوا تھا۔ ڈرائیور کو پتہ نہیں چل سکا تھا کہ کوئی اور بھی اس کی ٹرالی پر سوار ہو چکا ہے۔

دھوپ ابھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ ویسے بھی آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ سورج کبھی بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا اور کبھی سنہری کرنیں چمکنے لگتیں۔

راستہ ناہموار تھا۔ ٹرالی کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ مجھ پر ایک بار پھر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور میں سو گیا۔

ایک زوردار جھٹکا لگنے سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سنبھل کر ادھر ادھر دیکھا ٹرالی نہر کے پل کے پاس رک گئی تھی۔ یہ ایک کچی سڑک تھی اور پل کے ایک طرف درختوں کے نیچے چار چھوٹی چھوٹی دکانیں نظر آ رہی تھیں۔ ٹریکٹر کا انجن بند ہو چکا تھا۔

میں بڑی احتیاط سے دوسری طرف سے ٹرالی سے اتر گیا اور پیچھے کی طرف ہٹتا ہوا نہر کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ یہ ایک بڑی نہر تھی۔ اس کا پاٹ تیس چالیس فٹ سے کم نہیں تھا۔

پانی گدلا تھا۔ میں نے منہ ہاتھ دھوئے اور پھر پانی میں پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔ نہر کے پل کے دوسری طرف بھی ایک ٹرالی کھڑی تھی اور اس پر بھی پٹھے لدے ہوئے تھے۔ چائے کی دکان کے سامنے بان کی چارپائیوں پر تین چار آدمی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ان میں وہ ڈرائیور بھی تھا جس کی ٹرالی پر میں نے سفر کیا تھا۔

میں نہر میں پیر لٹکائے بیٹھا رہا۔ بیس پچیس منٹ بعد دونوں ٹرالیاں وہاں سے چلی گئیں۔ اب چائے کی دکان پر صرف دو آدمی رہ گئے تھے۔ وہ دونوں دیہاتی ہی تھے۔

میں اٹھ کر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا پل پر آ گیا۔ کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر چائے کی دکان کی طرف چلنے لگا۔ مجھے اس وقت چائے کی بڑی شدید طلب ہو رہی تھی لیکن میرے پاس پیسے نہیں تھے اور ظاہر ہے ایک کپ چائے پینے کیلئے میں تھیلے میں سے کوئی زیور نہیں نکال سکتا تھا۔

میرا حلیہ اس وقت بڑا عجیب سا تھا۔ بکھرے ہوئے لمبے بال، سکھوں کی طرح بڑھی ہوئی داڑھی، میلا سا کرتا اور دھوتی اور برہنہ پا مجھے بڑی آسانی سے بھکاری سمجھا جا سکتا تھا اور میں نے اپنے اس حلئے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں چائے کی دکان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر دکان دار چیخ اٹھا۔

''اوئے، چل بھاگ یہاں سے آ گیا سویرے سویرے۔ دن چڑھتے ہی نکل کھڑے ہوتے ہیں۔''

''اوئے فیقے کیوں ڈانٹ رہا ہے بیچارے کو۔ چارپائی پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔ ''دعائیں لیا کر غریبوں کی۔ ایک گلاس چائے پلا دے اس کو۔ کوئی گھاٹا نہیں پڑ جائے گا تجھے۔ چل پیسے میں دے دوں گا۔''

''گھاٹے والی گل نہیں ہے چوہدری۔'' دکان والے نے کہا۔ ''اس کو ایک گلاس چائے دیدوں گا تو دو اور کہیں سے نکل آئیں گے۔''

''اللہ کے نام پر دے دیا کر یار۔'' چوہدری نے کہا۔ ''پیسے مجھ سے لے لینا اور اس کو ایک بی پی کا بند بھی دے دے۔ بھوکا ہو گا بیچارہ۔''

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ میں بھوکا تو ضرور تھا مگر بیچارہ ہرگز نہیں تھا۔ اگر چوہدری جی کو پتہ چل جاتا کہ اس بیچارے کے تھیلے میں لاکھوں روپے مالیت کے طلائی زیورات بھرے ہوئے ہیں تو شاید وہ اپنے بال نوچنے پر مجبور ہو جاتا۔

دکان والے نے چائے کا گلاس اور بی پی کا ایک بند مجھے دے دیا۔ میں چارپائیوں سے ذرا ہٹ کر درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور چائے کے گھونٹ لے لے کر بند کھانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نہر کے ساتھ والی سڑک سے ایک ریڑھا بھی وہاں آ گیا۔ اس پر سبزی لدی ہوئی تھی۔ چارپائی پر بیٹھے ہوئے دونوں چوہدری اس ریڑھے پر بیٹھ کر چلے گئے۔ میرے چائے کے پیسے اس

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

چوہدری نے دے دیئے تھے۔

میں چائے پینے کے بعد کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر اس درخت کے نیچے آ گیا جہاں ایک موچی بیٹھا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی ایک حجام نے بھی ٹوٹی پھوٹی میز پر اپنا سامان سجا رکھا تھا۔ میں نے اس سے قینچی مانگی۔ میرا خیال تھا کہ داڑھی کے بال کچھ چھوٹے کر لوں گا۔

”حجامت بنوانی ہے؟“ حجام نے میری طرف دیکھا۔

”میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔“ میں نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

”بیٹھ یار۔ تو بھی کیا یاد کرے گا۔“ حجام نے کہا۔

میں لکڑی کی جھولتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ حجام نے پہلے قینچی سے میرے بال کاٹے اور پھر سر پر مشین پھیرنے لگا۔ میں سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔

آدھے گھنٹے بعد جب میں نے آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو بھونچکا سا رہ گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک لمحہ کو میں خود بھی اپنے آپ کو نہیں پہچان سکا تھا۔ داڑھی مونچھیں صاف اور گنجا سر۔ عجیب ہیئت ہو گئی تھی میری۔ لیکن بہرحال اس کا فائدہ مجھے ہی تھا۔ کم از کم بوٹا اور جگت تو مجھے نہیں پہچان سکتے تھے۔

میں نے حجام کا شکریہ ادا کیا کہ بقول اس کے اس نے مجھے بندے دا پتر بنا دیا تھا۔

”یہ کونسی جگہ ہے میرے بھائی؟“ میں نے پوچھا۔

اس نے جو نام بتایا میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ یہ جگہ میرے آبائی گاؤں سے صرف دو کوس کے فاصلے پر تھی۔ اب بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں جگت سنگھ اور بوٹے سے جان چھڑا کر اس ڈیرے سے بھاگا تھا تو میرا خیال تھا کہ میں للیانی کی طرف کسی جگہ نکلوں گا لیکن اب پتہ چلا کہ میں مخالف سمت میں بھاگتا رہا تھا اور جس ٹریکٹر ٹرالی پر سوار ہوا تھا وہ کسی اور گاؤں سے قصور کی طرف جا رہی تھی اور یہ بی آر بی لنک کینال تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اپنے گاؤں کی طرف سے ہوتا ہوا قصور جا سکتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں گھاس سے لدا ہوا ایک اور ریڑھا اس طرف آ گیا۔ اس ریڑھے پر مجھے لفٹ مل گئی اور اس طرح پندرہ بیس منٹ بعد میں اپنے گاؤں پہنچ گیا۔

سڑک پر چند دکانیں تھیں اصل گاؤں ذرا ہٹ کر تھا۔ میں ریڑھے سے اتر کر ان دکانوں سے تقریباً نصف فرلانگ آگے جا کر گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر مڑ گیا اور پھر گاؤں میں داخل ہونے کے بجائے ایک ٹیلے کی طرف مڑ گیا۔ میں اس ٹیلے پر درختوں کے نیچے بیٹھ گیا اور گاؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

گاؤں کی مسجد تو یہاں سے نظر آ رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی ہمارا وہ مکان تھا جہاں میرا بچپن گزرا تھا۔

مجھے اس مکان کا دروازہ بھی صاف نظر آ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اب وہاں کون رہتا ہوگا؟

مجھے اس گاؤں سے نکلے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔ میرے ماں باپ تو اس زمانے میں مر کھپ گئے تھے جب میں قصور میں رہا کرتا تھا۔ البتہ جب میں قصور سے بھاگا تھا تو اس سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے رائیونڈ سے میری ایک خالہ اور کزن بیاہ کر اس گاؤں میں آ گئی تھی۔ قصور سے فرار ہونے سے کچھ عرصہ پہلے میں ایک مرتبہ گاؤں میں آیا تھا تو نرگس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت نرگس کو میرے کرتوتوں کا پتہ نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ میں فیکٹری میں نوکری کے سلسلے میں قصور میں شجاع کے گھر پر رہ رہا ہوں۔

میرے کرتوتوں کا تو اسے بعد میں پتہ چلا ہوگا جب میں شجاع کو قتل کر کے قصور سے بھاگا تھا۔

نرگس کا شوہر محمد رمضان چوہدری کے پاس کام کرتا تھا۔ اسے میں پہلے سے بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ لالچی قسم کا آدمی تھا اور اس کے ذریعے میں اپنا کچھ کام نکلوا سکتا تھا۔ اور میرا گاؤں آنے کا مقصد بھی یہی تھا لیکن میں نے شاید یہاں آنے کیلئے غلط وقت کا انتخاب کیا تھا۔ میں دن کی روشنی میں سارے گاؤں والوں کے سامنے ان کے گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ لیکن مجبوری یہ تھی کہ میں وقت سے پہلے یہاں پہنچ گیا تھا۔ میرے سامنے پورا دن تھا اور مجھے یہ دن کسی نہ کسی طرح گاؤں والوں کی نظروں میں آئے بغیر گزارنا تھا۔

دفعتاً مجھے ایک اور خیال آیا۔ گاؤں کے دوسری طرف ایک ندی تھی جہاں میں دوستوں کے ساتھ کھیلنے کیلئے جایا کرتا تھا۔ دراصل ندی کے دوسری طرف کیکر، شیشم اور پیپل وغیرہ کے درختوں کا ایک مختصر سا جنگل تھا جس کے اندر کچھ کھنڈرات تھے۔ وہ کھنڈرات دس بارہ گھروں پر مشتمل ہوں گے۔ ان میں ایک تو بہت بڑی حویلی لگتی تھی۔ اس حویلی اور دوسرے مکانوں کے کچھ ٹوٹے ہوئے حصے اب بھی باقی تھے۔ بس یوں سمجھئے کہ دیواریں رہ گئی تھیں۔ دروازے کھڑکیاں اور دوسرا کارآمد سامان تو شاید سو ڈیڑھ سو سال پہلے ہی غائب ہو چکا تھا۔ دیواریں گارے کی بنی ہوئی تھیں۔ اگر ان کی تعمیر میں بھی پختہ اینٹیں استعمال ہوئی ہوتیں تو شاید یہ دیواریں بھی عرصہ پہلے غائب ہو چکی ہوتیں۔ ہم بچپن میں ان کھنڈروں میں آ کر کھیلا کرتے تھے یا کبھی گاؤں کا کوئی آدمی جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کیلئے اس طرف آ جایا کرتا تھا۔

اس وقت مجھے اچانک ہی ان کھنڈروں کا خیال آ گیا تھا۔ میں دن بھر وہاں گاؤں والوں کی نظروں سے چھپا رہ سکتا تھا۔ میں یہ خیال آتے ہی اٹھ کر گاؤں کے باہر ہی باہر کھیتوں میں چلنے لگا۔

میرے لئے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ کچھ پاکستانی کرنسی کا حصول تھا۔ اگر میرے پاس کچھ نقد رقم ہوتی تو میں اپنے اس گاؤں کا رخ کرنے کے بجائے سیدھا قصور پہنچتا اور وہاں سے بس پکڑ کر لاہور کی طرف نکل جاتا۔ میرے تھیلے میں لاکھوں روپے مالیت کے طلائی زیورات موجود تھے لیکن میں اس حلیے میں ایک معمولی سی انگوٹھی فروخت کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میری مشتبہ حالت دیکھ کر مجھے فوراً دھر لیا جاتا۔ میں اسی لئے نرگس سے ملنا چاہتا تھا تا کہ وہ یا اس کا شوہر میرے لئے کچھ رقم کا بندوبست کر سکیں۔

گاؤں کے دوسری طرف تھوڑا ہی آگے ندی پر ایک پلیا سی تھی۔ جس کے ساتھ ہی ندی کے کنارے پر چند بڑے بڑے پتھر رکھے ہوئے تھے۔ یہاں عام طور پر گاؤں کی عورتیں کپڑے دھونے کیلئے آیا کرتی تھیں۔ لیکن ندی میں پانی کم تھا اس لئے آج یہاں کوئی عورت بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

میں ندی کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ پانی گدلا تھا لیکن مجھے پیاس لگی ہوئی تھی۔ میں نے جی بھر کر پانی پیا اور پلیا پار کر کے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جنگل میں داخل ہو گیا لیکن مجھے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ ننگے پیر کسی جنگل میں جہاں کیکر کے درخت بھی ہوں سفر کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جہاں جہاں کیکر کے درخت تھے وہاں پر کیکر کے سوئیوں کی طرح لمبے کانٹے بکھرے ہوئے تھے۔ کم از کم دو مرتبہ میرے پیروں میں کانٹے چبھ چکے تھے۔ اس کے بعد میں محتاط ہو گیا اور سنبھل کر چلنے لگا۔

ان کھنڈروں میں مجھے سائے کی جگہ مل گئی۔ میں ایک دیوار سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ مجھے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دوسروں کی نظروں سے چھپنے کیلئے جگہ تو مل گئی تھی لیکن یہ نہیں سوچا تھا کہ دن بھر بھوکا رہنا پڑے گا۔

میرے دماغ پر ایک بار پھر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ میں نے تھیلے کو سرہانے کی طرح سر کے نیچے رکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔

میں شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ میں دوڑتے دوڑتے گر پڑا تھا اور دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ ایک عجیب سا شور تھا میں نیند میں کسمسایا اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میرا جسم واقعی پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میں جس جگہ لیٹا تھا وہاں دھوپ آ گئی تھی۔ میں نے اوپر دیکھا سورج سر پر چمک رہا تھا اور میرے دماغ میں وہ دھماکے اب بھی ہو رہے تھے۔ میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ تھیلا اٹھا کر سائے میں آ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

دھماکوں کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں کو سہلایا لیکن وہ آوازیں ختم نہیں ہوئیں اور تب مجھے احساس ہوا کہ وہ دھماکے میرے دماغ میں نہیں جنگل میں کسی جگہ ہو رہے تھے۔

کوئی آدمی جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا اور وہ آوازیں موٹی شاخوں پر کلہاڑا چلانے کی تھیں۔

میں نے تھیلا کندھے پر لٹکا لیا اور اس آواز کی طرف چلنے لگا۔

مجھے مایوسی نہیں ہوئی وہ ایک ادھیڑ عمر دبلا پتلا سا آدمی تھا جو کیکر کے ایک سوکھے ہوئے درخت پر کلہاڑا چلا رہا تھا۔ میں درختوں کی آڑ میں چھپا اس طرف دیکھتا رہا اور جب اس ایک شخص کے علاوہ آس پاس کوئی اور دکھائی نہیں دیا تو میں درختوں کی آڑ سے نکل کر اس طرف چل پڑا۔

''میں ابھی چند گز دور ہی تھا کہ اس شخص نے مجھے دیکھ لیا۔ اس کا ہاتھ رک گیا۔ شاید میرے حلیے نے اسے کچھ پریشان کر دیا تھا۔ اس نے کلہاڑا دونوں ہاتھوں میں اس طرح پکڑ رکھا تھا جیسے کسی بھی لمحہ مجھ پر حملہ کر دے گا۔

''ڈرو نہیں۔'' میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''میں کوئی چور ڈاکو نہیں ہوں۔ تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔''

اس نے مجھے نہتا دیکھ کر کلہاڑا تو نیچے کر لیا لیکن اس کی آنکھوں میں شدید قسم کی الجھن بدستور تھی۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا بائیں طرف ٹاہلی کے درخت کے تنے کے قریب ایک چھوٹی سی مشکی رکھی ہوئی تھی اور درخت کی شاخ پر ایک پوٹلی ٹنگی ہوئی تھی۔ میں غیر ارادی طور پر اس طرف بڑھ گیا۔

جھک کر مشکی اٹھائی اس میں چار پانچ گیلن کے قریب پانی موجود تھا۔ میں نے مشکی منہ سے لگا لیا اور اسے ہونٹوں سے اس وقت الگ کیا تھا جب تک میری پیاس نہیں بجھ گئی تھی۔

میں نے مشکی نیچے رکھ دی اور اس شخص کی طرف دیکھنے لگا جو میرے قریب آ گیا تھا۔

''معاف کرنا یار۔'' میں نے کہا۔ ''بڑے زور کی پیاس لگی ہوئی تھی۔ تم سے پوچھے بغیر پانی پی لیا۔''

''کوئی گل نہیں جی۔ پانی کی کیا بات ہے۔'' وہ شخص بولا۔ ''ویسے تم کون ہو بھائی یہاں کیا کر

رہے ہو۔ تم ادھر کے رہنے والے تو نہیں لگتے۔''

''رہنے والا تو میں ادھر کا ہی ہوں پر اجنبی بن گیا ہوں۔'' میں نے کہا۔ وہ میری بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن بڑھ گئی تھی۔ ''ویسے تم کون ہو کہاں سے آئے ہو؟''

وہ مصلی تھا مجھے یاد آ گیا کہ گاؤں کے دوسری طرف تین چار سو گز کے فاصلے پر مصلیوں کے چند جھونپڑے تھے۔ یہ لوگ برسوں سے وہاں رہ رہے تھے۔ شاید ہمارے پرکھوں کے وقت سے وہاں آباد تھے مگر ان کے جھونپڑوں کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کے ہاں کوئی لڑکا جوان ہوتا تو نوکری کی تلاش میں شہر چلا جاتا۔ قصور شہر اور اس کے نواح میں واقع ٹیکسٹائل ملز میں کام کرنے والوں کی زیادہ مصلیوں پر ہی مشتمل تھی۔ جو مصلی گاؤں کے قریب جھونپڑوں میں رہائش پذیر تھے وہ گاؤں میں کمی کمار کا کام کرتے تھے۔ فصل کی کٹائی کے وقت بھی یہی لوگ کام کرتے تھے۔ کالو نامی اس مصلی کا تعلق بھی اسی بستی سے تھا۔

''میرا ایک کام کر یار کالو۔'' میں نے تقریباً ایک گھنٹے کی گفتگو کے بعد اسے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔ ''محمد رمضان کو جانتے ہو نا؟''

''رمضان وہی نا جس کے سامنے کا ایک دانت ٹوٹا ہوا ہے۔'' کالو بولا۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ اس کا دانت ٹوٹا ہے اور یہ دانت کب اور کیسے ٹوٹا تھا لیکن .....''

''اس کی بیوی نرگس نے مکا مار کر دانت توڑا تھا اس کا۔'' کالو نے میری بات کاٹ دی۔

''تو پھر وہی ہو گا۔ اس کی بیوی کا نام نرگس ہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تو نے نرگس کو میرا ایک پیغام دینا ہے مگر اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔''

''بات تم رمضان کی کر رہے تھے اور پیغام اس کی بیوی کو دینا چاہتے ہو کیا چکر ہے۔'' وہ مجھے گھورنے لگا۔

''کوئی چکر نہیں یار۔ وہ میرے گاؤں کی رہنے والی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اچھا۔ یہ بات ہے۔'' کالو کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ''اس لئے تو میں کہتا تھا کہ وہ ہر دوسرے تیسرے مہینے رائیونڈ کیوں بھاگی جاتی ہے۔ تم بھی رائیونڈ سے ہی آئے ہو نا؟''

''آیا تو میں رائیونڈ سے ہی ہوں لیکن وہ بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔'' میں نے جواب دیا اور پھر کالو کو سمجھانے لگا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

کالو کی باتوں سے یہ دلچسپ انکشاف بھی ہوا کہ رائیونڈ میں نرگس کا کوئی معاشقہ چل رہا ہے۔ شادی کو اگرچہ کئی سال ہو چکے تھے لیکن یہ بات ختم نہیں ہوئی تھی اور اب بھی اپنے عاشق سے ملنے رائیونڈ جاتی رہتی تھی۔

اس وقت چار بجنے والے تھے۔ دھوپ اگرچہ اب بھی بہت تیز تھی لیکن درختوں کے سائے میں گرمی کی شدت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

''ٹھیک ہے نا جی بھائی۔'' کالو نے میری حقیقت جان کر گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد اسے لے کر آؤں گا اور تم یہیں رہنا کہیں ادھر ادھر مت ہو جانا۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

”میں ادھر کھنڈروں میں ہوں گا۔“ میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ”اور تم پانی کی یہ مٹکی یہیں چھوڑ جاؤ۔ نرگس سے کہنا کہ میرے لئے کچھ کھانے کو بھی لے آئے۔“

”یار تم نے پہلے نہیں بتایا۔ مجھے بھی باتوں میں خیال نہیں رہا۔“ اس نے کہتے ہوئے اٹھ کر درخت کی شاخ پر لٹکی ہوئی پوٹلی اتار لی۔ ”میں اپنے لئے روٹی لے کر آیا تھا۔ لو یہ تم کھا لو اور اب میں چلتا ہوں۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد آؤں گا۔ نرگس کو ساتھ لے کر۔“

اس نے پوٹلی میرے سامنے رکھ دی۔ اپنا کلہاڑا اٹھایا اور میری طرف دیکھتا ہوا ندی کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر چلنے لگا۔

مجھے اس وقت بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے پوٹلی کھول لی۔ اس میں دو روٹیاں تھیں اور آم کا اچار تھا۔ مصلیوں کو نیچ ذات سمجھا جاتا ہے۔ گاؤں دیہاتوں میں تو پھر بھی ان سے اوپر کے کام کروا لئے جاتے ہیں لیکن عام طور پر انہیں بھنگیوں کی طرح دور ہی رکھا جاتا ہے۔ میرے والد تو ان لوگوں کو گھر میں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے اور میں ایک مصلی کے گھر کی پکی ہوئی روٹی کھا رہا تھا۔

روٹی کھا کر میں نے پانی پیا' کپڑا وہیں درخت کی ایک شاخ پر ٹانگ دیا اور مٹکی اٹھا کر کھنڈروں میں آ گیا۔

کالو مصلی کو میں نے اپنے بارے میں بتا دیا تھا کہ بچپن میں سکول نہ جانے پر باپ کی مار کھا کر ایک روز میں گھر سے بھاگ گیا تھا اور اب میں کئی سال بعد آیا ہوں مگر فی الحال گاؤں والوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔

کالو مصلی نے اس طرح سر ہلا دیا تھا جیسے اس نے میری کہانی پر یقین کر لیا ہو لیکن میرے خیال میں وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا۔ میں نے اپنا نام بتا دیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ میں گاؤں کی مسجد کے پیش امام کا بیٹا ہوں۔ لیکن میرے خیال میں یہ نہ بتانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ یقیناً سمجھ گیا ہو گا کہ میں درحقیقت کون ہوں۔

مجھے بہرحال رسک تو لینا ہی تھا۔ کالو مصلی کو میں نے ایک معقول رقم کا لالچ دیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ فی الحال مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

سورج ڈھل جانے کے بعد گرمی کی شدت میں بڑی حد تک کمی آ گئی تھی۔ میں کھنڈروں میں زمین پر لیٹا وقت گزرنے کا انتظار کرتا رہا۔ بالآخر سورج غروب ہو گیا اور شام کا اندھیرا پھیلنے لگا۔

اندھیرا بتدریج گہرا ہوتا گیا۔ میرے کان کسی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ ہوا سے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز بھی سنائی دیتی تو میں چونک کر اس طرف دیکھنے لگتا۔

وقت گزرتا رہا اور میری بے چینی بڑھتی رہی۔ گاؤں کی طرف سے عشاء کی اذان کی آواز سنائی دی تو میری پریشانی کچھ اور بڑھ گئی۔ دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ نرگس نے کالو مصلی کی بات پر یقین کیا تھا یا نہیں؟ یا کالو ہی تو مجھے کسی جال میں پھانسنے کی کوشش نہیں کر رہا۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا اور پھر جنگل میں پتوں اور جھاڑیوں کے چٹخنے کی آواز سن کر میں چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ درختوں میں مدھم سی روشنی بھی حرکت کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ غالباً پنسل ٹارچ

تھی جس کا ہالا ادھر ادھر گردش کر رہا تھا۔

روشنی کے اس مدھم سے ہالے کے پس منظر میں دو انسانی ہیولے حرکت کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں بڑی آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک شکستہ دیوار کی آڑ میں چھپ گیا تا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو اپنے بچاؤ کا کوئی بندوبست کر سکوں۔

وہ دونوں سائے مجھ سے چند گز کے فاصلے پر رک گئے۔ روشنی کا ہالہ ادھر ادھر حرکت کر رہا تھا اور پھر ایک سرگوشیانہ آواز سنائی دی۔ وہ کالو مصلی کی آواز تھی۔ میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ ان دونوں کے ساتھ تیسرا کوئی اور نہیں ہے تو میں آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔

وہ نرگس تھی۔ پنسل ٹارچ کی مدھم روشنی میں اس کے چہرے کے نقوش صاف دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے اگرچہ اسے طویل عرصے کے بعد دیکھا تھا لیکن اسے پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ ذرا بھی نہیں بدلی تھی لیکن مجھے دیکھ کر وہ چیخے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

”یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی؟“ وہ بولی۔ ”کہاں غائب رہے تم اتنا عرصہ؟“

”یہاں میں تفصیل سے بات نہیں کر سکتا۔“ میں نے کہتے ہوئے کن انکھیوں سے کالو کی طرف دیکھا۔ ”میں فی الحال گاؤں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا۔ کوئی ایسی جگہ جہاں ایک دو دن.....“

”ہاں..... ایسی جگہ ہے چلو میرے ساتھ۔“ اس نے میری بات کاٹ دی۔

ہم تینوں ٹارچ کی روشنی میں جنگل سے باہر نکل آئے۔ ندی کی پلیا پار کر کے نرگس رک گئی۔

”کالو تم اپنے گھر جاؤ۔ میں کل تم سے ملوں گی اور کسی کو پتہ نہ چلے کہ.....“

”فکر ہی نہ کرو نرگس بی بی۔“ کالو نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ تم سے کوئی ملنے آیا تھا۔“

کالو مصلی دوسری طرف مڑ گیا اور میں نرگس کے ساتھ دوسری طرف چلنے لگا۔ ہم گاؤں کے اوپر سے ہوتے ہوئے کھیتوں کی طرف نکل گئے اور آخرکار مویشیوں کے ایک باڑے کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

”تمہیں یاد ہے پہلے یہاں چوہدری شریف کا ڈیرہ ہوا کرتا تھا۔“ نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس نے آگے ایک جگہ ٹیوب ویل لگوا لیا ہے ڈیرہ بھی اس کے قریب ہی بنا لیا ہے۔ یہ جگہ اب ویران ہو گئی ہے۔ یہاں رمضان کبھی کبھی مویشی باندھ لیا کرتا ہے۔ اتفاق سے پچھلے چار پانچ دن سے وہ یہیں مویشی باندھ رہا ہے۔“

”یہاں کون ہو گا؟“ میں نے پوچھا۔

”رمضان اکیلا ہی ہوتا ہے۔“ نرگس نے جواب دیا۔

ہم باڑے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ چار دیواری کے اندر کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ کتا زور سے دوڑتا ہوا لکڑی کے گیٹ کے قریب آ کر رک گیا تھا۔ نرگس نے اسے ڈانٹا تو وہ خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بھی لالٹین اٹھائے ہوئے اس طرف آتا دکھائی دیا۔

”کون ہے بھئی؟“ اس کی مریل سی آواز سنائی دی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"میں ہوں گیٹ کھول۔" نرگس نے جواب دیا۔

گیٹ زیادہ اونچا نہیں تھا۔ رمضان نے قریب آ کر لالٹین اوپر اٹھائی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ اس نے لالٹین نیچے کر لی اور اندر سے گیٹ کا کنڈا کھول دیا۔

"کس کو ساتھ لے آئی تو..... کون ہے یہ؟" اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے پوچھا۔ اس کے قریب کھڑا ہوا کتا میری طرف منہ اٹھائے غرانے لگا۔ نرگس نے اسے ایک لات مار دی۔ کتا چیاؤں چیاؤں کرتا ہوا ایک طرف بھاگ گیا۔

"اندر چلو۔ بتاتی ہوں یہ کون ہے؟" نرگس نے جواب دیا۔

باڑے میں دو تین بیل اور پانچ چھ بھینسیں بندھی ہوئی تھیں ہم ان کے قریب سے گزرتے ہوئے پچھلی طرف ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ باڑے میں یہ پکی عمارت غالباً تین کمروں پر مشتمل تھی اور یہ ایک کمرہ رہائش کیلئے استعمال ہو رہا تھا۔ کمرے میں دو جھلنگا سی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک پر تو میلا سا کھیس بچھا ہوا تھا جبکہ دوسری چارپائی پر کچھ نہیں تھا۔

"تم یہاں بیٹھو میں گھر سے روٹی اور تمہارے لئے کچھ چیزیں لے کر آتی ہوں۔" نرگس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ایک چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔ پھر رمضان کی طرف دیکھ کر بولی۔ "تو نے اسے پہچانا نہیں جانے۔ یہ ناجی ہے خالہ کلثوم کا بیٹا جو....."

"اوہ۔" رمضان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم اسے یہاں کیوں لے آئی ہو اگر پولیس کو پتہ چل گیا تو....."

"اگر تم نے گاؤں کے کسی شخص کو اس کے بارے میں بتایا تو اس کا تو شاید کچھ نہ بگڑے لیکن تمہیں میں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔" نرگس نے غراتے ہوئے کہا۔

رمضان سہم سا گیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ اس کا سامنے کا ایک دانت ٹوٹا ہوا تھا۔

"میں آدھے گھنٹے میں واپس آتی ہوں۔" نرگس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو اس کا منہ ہاتھ دھلا اور اپنا کھسہ اسے دے دے۔"

اس مرتبہ رمضان نے زبان نہیں کھولی۔ نرگس میری طرف دیکھ کر مسکرا دی اور پھر مزید کچھ کہے بغیر باہر چلی گئی۔

میں بھی رمضان کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔ دائیں طرف ذرا آگے دیوار کے ساتھ ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا۔ نل کے نیچے پختہ کھرا بھی بنا ہوا تھا۔ رمضان پمپ کا ہینڈل چلاتا رہا میں نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے میں آلودہ پیر بھی دھوئے اور رمضان کا کھسہ پہن لیا اور کمرے میں آ گیا۔

"میری بات کا برا مت ماننا ناجی۔" وہ میرے سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔ "تم نے یہاں واپس آ کر بڑی غلطی کی ہے۔ جب تم شجاع کو قتل کر کے قصور سے بھاگ گئے تھے تو پولیس کئی بار یہاں آئی تھی۔ ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں تھا' لیکن پولیس والوں کو پتہ چل گیا تھا کہ تم ہمارے رشتے دار ہو۔ ہماری بلاوجہ کھینچ تان ہوتی رہی۔ اب تم پھر یہاں آ گئے ہو۔ اگر پنڈ کے کسی بندے کو پتہ چل گیا تو پولیس کو بھی معلوم ہو نے

میں دیر نہیں لگے گی۔ ہم ایک بار پھر مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

"اس مرتبہ تم لوگ کسی مصیبت میں نہیں پھنسو گے۔" میں نے جواب دیا۔ "صرف ایک آدمی جانتا ہے کہ میں یہاں آیا ہوں۔ وہ اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ ویسے میں صرف کل کا دن یہاں رہوں گا۔ کل شام سے پہلے پہلے یہاں چلا جاؤں گا۔"

"وہ کون ہے' کس کو پتہ ہے تیرے بارے میں؟" رمضان نے پوچھا۔

"کالو مصلی۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ تم اپنی زبان بند رکھنا۔"

"کالو مصلی۔" اس نے زیر لب یہ نام دہرایا۔ "اس کے پیٹ میں تو کوئی بات نہیں رہتی۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ اپنی زبان بند رکھے گا؟"

"ہاں۔" میں نے سر ہلا دیا۔ "اس کی فکر مت کرو۔ تم اپنا خیال رکھنا۔"

رمضان جواب دینے کے بجائے خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد نرگس بھی واپس آ گئی۔ اس نے دو پوٹلیاں اٹھا رکھی تھیں۔ ایک میں کھانا بندھا ہوا تھا اور دوسری میں میرے لئے کپڑے تھے۔ اس نے دوسری پوٹلی کھول کر کپڑے میرے سامنے رکھ دیئے۔ شلوار اور کرتا تھا اور یہ غالباً رمضان کے کپڑوں میں سب سے بہترین جوڑا تھا جو وہ میرے لئے ساتھ لے کر آئی تھی۔ ان کپڑوں کے ساتھ ایک کھسہ بھی تھا جو قدرے نیا تھا۔

"پہلے روٹی کھا لے پھر کپڑے بدل لینا۔" نرگس کہتے ہوئے دوسری پوٹلی کھولنے لگی۔

گاؤں دیہاتوں میں عام طور پر شام ہوتے ہی کھانا وغیرہ کھا لیا جاتا ہے۔ نرگس اور رمضان بھی کھانا کھا چکے تھے۔ رمضان تو روٹی کھا کر یہاں باڑے میں آ گیا تھا اور اس کے تھوڑی دیر بعد نرگس کو میرا پیغام ملا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق کالو اگر اسے میرا نام نہ بتاتا تو وہ اس کے ساتھ کبھی بھی رات کے وقت جنگل کی طرف نہ جاتی۔ کالو کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ نرگس پہلے تو میرے نام سے کچھ نہیں سمجھ سکی تھی لیکن کالو نے سے یہاں تک بتا دیا تھا کہ میں کس کا بیٹا ہوں اور اس سے (نرگس سے) میرا کیا رشتہ ہے۔ یہ جاننے کے بعد ہی وہ کالو کے ساتھ جنگل کی طرف گئی تھی۔

میں کھانا کھاتا رہا اور وہ دونوں دوسری چارپائی پر بیٹھے میری طرف دیکھتے رہے۔ رمضان کے بارے میں تو میں پہلے بھی جانتا تھا کہ وہ بیوی سے دبتا تھا لیکن اب تو صورتحال دبنے کی حد سے بھی بہت آگے کی تھی۔ وہ اس طرح سہما ہوا تھا جیسے چوہا بلی کو دیکھ کر سہم جاتا ہے۔

میں نے کھانا کھا لیا تو نرگس نے برتن سمیٹ کر پوٹلی باندھ دی اور اسے رمضان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ برتن گھر چھوڑ آ۔ چابی میں نے بکریوں کے شیڈ والے طاقچے میں رکھ دی تھی اور سن تیری زبان پر تالا لگا رہنا چاہئے۔ پنڈ کا کوئی بندہ مل جائے تو اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کہاں ہوں اور تم سے ملنے کون آیا ہے؟"

رمضان الجھی ہوئی نظروں سے کبھی نرگس اور کبھی میری طرف دیکھتا رہا۔

"سنا نہیں۔ میں نے کیا کہا ہے؟" نرگس غرائی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رمضان نے جلدی سے آگے بڑھ کر پوٹلی اٹھالی اور سہمی ہوئی نظروں سے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مگر کالو مصلی اس کے بارے میں جانتا ہے۔ وہ....."

"اس کی تو فکر مت کر۔" نرگس نے کہا۔ "اور دیکھ..... واپس آنے میں جلدی مت کرنا۔ آرام سے آنا مگر غلام کی ہٹی پر جا کر مت بیٹھ جانا۔ کوئی بات تمہارے منہ سے نکل جائے گی۔"

رمضان گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ نرگس بھی اس کے پیچھے ہی گئی تھی۔ وہ باہر والا لکڑی کا گیٹ بند کر کے واپس آ گئی اور میری ہی چارپائی پر میرے سامنے بیٹھ گئی۔

میں نے پہلی مرتبہ غور سے اس کی طرف دیکھا۔ یہاں سے جا کر اس نے اپنے کپڑے بھی تبدیل کر لئے تھے۔

چند سال پہلے جب وہ بیاہ کر اس گاؤں میں آئی تھی تو اس کی عمر تیئس چوبیس سال کی ہو گی۔ عمر میں پانچ چھ سال کے اضافے نے اس پر کوئی منفی اثر نہیں ڈالا تھا بلکہ وہ پہلے سے زیادہ جوان اور بھرپور عورت لگ رہی تھی۔

"ہاں..... اب بتا تو اتنا عرصہ کہاں غائب رہا۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سنا تھا لاہور میں بھی پولیس تیرے پیچھے لگی رہی تھی اور شجاع کی بیوی رضیہ تمہیں وہاں بھی مل گئی تھی جس کے ساتھ تو عیش کرتا رہا اور پھر اسے ملتان کے ایک ہوٹل میں چھوڑ کے غائب ہو گیا تھا۔"

"اوہ۔" میں چونک گیا۔ شہر سے میلوں دور اس چھوٹی سی بستی میں رہنے والی عورت کی معلومات اتنی وسیع ہو سکتی ہیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ "تجھے یہ سب کچھ کیسے پتہ چلا؟"

"میں قصور تو جاتی رہتی ہوں اور تم غلام علی کو تو جانتے ہو۔ ہمارا رشتے دار ہی ہوتا ہے۔ وہاں اس کی عیاری کی دکان ہے۔ اس سے مجھے تیرے بارے میں معلوم ہو جاتا تھا۔ ویسے میں رضیہ کو بھی جانتی ہوں۔ دو مہینے پہلے اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بھی مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"لاہور میں۔" نرگس نے جواب دیا۔ "آج کل اچھرے میں رہ رہی ہے اور عیش کر رہی ہے؟"

"کس کے ساتھ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"رہتی تو اکیلی ہی ہے لیکن پتہ نہیں کن کن لوگوں سے اس کا ملنا جلنا ہے۔ شاندار کوٹھی ہے۔ کار ہے اور دولت کی بھی اس کے پاس کمی نہیں لگتی۔" نرگس نے جواب دیا۔

یہ میرے لئے سنسنی خیز اطلاع تھی۔ میں نے رضیہ کو جب ملتان کے ہوٹل چھوڑا تھا تو اس کے پرس میں سے بھی پیسے نکال کر لے گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ ہوٹل والوں کے ہتھے چڑھ گئی ہو گی مگر نرگس تو ایک نئی کہانی سنا رہی تھی۔

"تم اسے کیسے جانتی ہو؟" میں نے نرگس کو گھورا۔

"جب تم قصور سے بھاگے تھے تو شہر کا بچہ بچہ اس سے واقف ہو گیا تھا۔ ان دنوں پولیس نے

بھی اسے بڑا تنگ کیا تھا اور وہ اپنا مکان بیچنے کی کوشش کر رہی تھی اور اتفاق سے یہ مکان غلام علی نے ہی خریدا تھا۔ جس دن مکان کا سودا ہوا تھا میں بھی وہیں تھی اور اس طرح رضیہ کو پتا چل گیا تھا کہ میں تمہاری خالہ زاد ہوں۔ اس کے بعد بھی وہ ایک مرتبہ قصور آئی تھی اس وقت بھی میری اس سے ملاقات ہوئی تھی اور دو مہینے پہلے میں لاہور گئی تھی۔ وہاں انارکلی میں اس سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے مجھے پہچان لیا اور مجھے کار میں بیٹھا کر اپنے گھر لے گئی تھی۔ میں دو دن اس کے پاس رہی تھی۔ اس وقت تیرے بارے میں اس نے سب کچھ بتایا تھا کہ تم کس طرح اسے ملتان کے ہوٹل میں چھوڑ کر غائب ہو گئے تھے۔"

"اور وہیں سے میری بربادی شروع ہوئی تھی۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "اس کے دو تین روز بعد مجھے اغوا کر کے ہندوستان پہنچا دیا گیا اور وہاں جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ بیان کرنے کیلئے کئی روز درکار ہیں۔ پچھلی رات میں نجانے کس طرح سرحد پار کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ میری ٹانگ میں گولی بھی لگی تھی۔ وہ تکلیف اب تک برداشت کر رہا ہوں۔" میں نے اسے اپنی پنڈلی کا زخم بھی دکھایا۔

"تو نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ زخم پر پٹی باندھ دیتی۔" نرگس بولی۔

"میں نے تو بڑے زخم کھائے ہیں۔ یہ تو بڑی معمولی سی خراش ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔" میں نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "میں نے سنا ہے کہ میرے جانے کے بعد پولیس تم لوگوں کو بھی پریشان کرتی رہی ہے لیکن آج میرا پیغام ملتے ہی تم فوراً ہی مجھ سے ملنے کیوں چلی آئیں۔ پچھلے حالات کو دیکھتے ہوئے تمہیں تو ملنے سے انکار کر دینا چاہئے تھا۔"

"میں تو اس زمانے میں بھی تجھ سے ملنا چاہتی تھی۔" نرگس نے جواب دیا۔ "اس کے بعد ایک دو مرتبہ رضیہ سے ملاقات ہوئی اور پھر دو مہینے پہلے رضیہ نے تیرے بارے میں بتایا تو دل میں کچھ اور شوق پیدا ہوا لیکن پھر سوچا کہ شاید میرا یہ خواب کبھی پورا نہ ہو۔ آج کالو مصلی نے تیرے بارے میں بتایا تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں تو سمجھی تھی کہ شاید وہ مجھے دھوکے سے جنگل میں لے جانا چاہتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے لباس میں چھری بھی چھپا لی تھی۔" بات کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ویسے یہ کالو مصلی کیسا بندہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بڑا حرامی ہے۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن وہ تمہارے بارے میں کسی کے سامنے زبان نہیں کھولے گا کہ چند روز پہلے میں نے کالو مصلی اور جانے کو مولوی جی کے گھر میں چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔"

"رمضان یعنی تمہارا شوہر؟" میرے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔" نرگس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "یہ جانا بھی ان مصلیوں کے ساتھ مل کر چوریاں کرتا رہتا ہے۔ یہ تو اتفاق ہے کہ اس رات میں نے انہیں پکڑ لیا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "مولوی صاحب کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہے۔ اس روز گھر کے سب لوگ کپڑا لتا خریدنے لاہور گئے ہوئے تھے۔ گاؤں میں ایک اور شادی کی تیاریاں بھی ہو رہی تھیں اور میں آدھی رات کے وقت اس گھر سے واپس آ رہی تھی کہ مولوی جی کے گھر میں ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔" اس نے خاموش ہو کر گہرا سانس لیا پھر بولی۔ "الگ بات ہے کہ میں نے کسی طرح ہمت سے کام لے کر انہیں للکارا اور کالو مصلی میرے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہتھ آ گیا۔ میں نے اس کے چہرے سے ڈھاٹا اتار دیا تھا۔ دوسرا آدمی بھاگ گیا تھا مگر کالو مصلی نے بتایا کہ وہ جانا ہے۔ اگر میں نے اسے (کالو کو) لوگوں کے حوالے کیا تو رمضان بھی نہیں بچ سکے گا۔ میں نے اسے بھی چھوڑ دیا اور جو چیزیں وہ چوری کر کے لے جا رہے تھے وہ واپس رکھوا دیں۔ بہر حال اس طرح یہ دونوں میرے قابو میں ہیں۔"

"اس لئے رمضان تم سے دبا ہوا ہے۔" میں نے کہا۔

"صرف یہی وجہ نہیں ہے اس کے دبنے کی۔" نرگس نے کہا۔ "میری شادی کو پانچ چھ سال ہو چکے ہیں لیکن میں آج بھی اس طرح پیاسی ہوں جس طرح اس کے گھر میں آئی تھی۔"

"اوہ۔" میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس نے یہ بات بڑی بیباکی سے کہہ دی تھی لیکن پھر نظریں جھکا لیں۔ "تو پھر تم اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ کہیں اور بیاہ کر لو اس سے طلاق لے کر۔"

"میرے ماں باپ سب کچھ جانتے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ اگر میں طلاق کا لفظ بھی زبان پر لائی تو وہ مجھ پر اپنے گھر کے دروازے بند کر دیں گے۔"

"تمہارے لئے تو کئی دروازے کھل سکتے ہیں۔" میں نے ایک بار پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس مرتبہ اس کی نظریں نہیں جھکیں بلکہ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"کوئی میرا ساتھ دینے والا تو ہو۔" وہ بولی۔ "چوہدرانی کو بھی یہ بات معلوم ہے وہ تو کہتی ہے کہ سسرال میں لڑکی کی ڈولی آتی ہے اور جنازہ نکلتا ہے۔ مگر....."

"اگر میں ساتھ دوں تو؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اسی لئے تو میں تیرا سندیسہ ملتے ہی دوڑ آئی تھی۔" نرگس نے جواب دیا۔ "جانے سے مایوس ہونے کے بعد میں اگر چاہتی تو پنڈ کے کسی بھی مرد کو اپنے پیر چاٹنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ یا کسی کے ساتھ بھاگ سکتی تھی۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ لیکن اب میری نیت ڈانواں ڈول ہونے لگی ہے۔ تم میرے اپنے ہو۔ تم سے ایک رشتہ تو ہے خون کا رشتہ۔ میں تو آج بھی اسی طرح کنواری ہوں جس طرح اس گھر میں آئی تھی میں تو....."

میری نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہولے ہولے دبا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیرنے لگے۔ میں نے آہستگی سے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں گر گئی اور پھر مجھے بھی ہوش نہیں رہا کہ میں کس قسم کے سنگین حالات سے دو چار ہوں۔

نرگس بے سدھ سی پڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس کی پیاس شاید بجھ گئی تھی مگر میرا حلق خشک ہو گیا تھا۔ میں نے باہر جا کر ہینڈ پمپ سے پانی پیا۔ کچھ دیر تازہ ہوا میں کھڑا گہرے گہرے سانس لیتا رہا اور پھر کمرے میں آ گیا۔ نرگس اب بھی چارپائی پر پڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

اس کے پندرہ بیس منٹ بعد ہم دونوں ایک بار پھر آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"اب تیرا کیا پروگرام ہے؟" نرگس نے پوچھا۔ "تو زیادہ دن تو یہاں نہیں رہ سکتا۔ کسی نہ کسی کی

نظروں میں آ جائے گا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ دو مہینے پہلے رضیہ سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔" میں نے کہا۔ "میرے بارے میں اس کے خیالات کیا تھے۔ کیا وہ مجھے دھوکے باز سمجھتی ہے۔"

"دھوکے باز تو سمجھتی ہے کیونکہ تو اسے دھوکا دے کر ہی بھاگا تھا لیکن اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اگر تو اب بھی اسے مل جائے تو وہ تجھے دل میں بٹھا کر رکھے گی لیکن میں تجھے اس کے بارے میں ایسا کوئی مشورہ نہیں دوں گی۔ اس سے دور ہی رہنے کی کوشش کر تو اچھا ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ رضیہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے اب اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم چند روز اس کے پاس رہیں گے اور پھر اپنا کوئی بندوبست کر لیں گے۔ میرے پاس....." میں نے کہتے ہوئے تھیلا اس کے سامنے پلٹ دیا۔ "میرے پاس یہ زیورات ہیں۔ انہیں بیچنے کے بعد ہمیں کسی کی محتاجی نہیں رہے گی۔"

اتنے ڈھیر سارے زیورات دیکھ کر نرگس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

"ہائے اللہ۔" اس نے ایک ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے گہرا سانس لیا۔ "کیا یہ سب اصلی ہیں۔" وہ زیورات اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"خالص سونے کے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ان میں جڑے ہوئے ہیرے بھی اصلی ہیں۔ ایک ایک زیور لاکھوں روپے کا ہے۔"

اس نے ایک لاکٹ اٹھا لیا۔ اس میں ایک انگوٹھے کے ناخن کے برابر بڑا اور چھوٹے چھوٹے لاتعداد ہیرے جڑے ہوئے تھے جو لالٹین کی روشنی میں بھی جگمگا رہے تھے۔ اس نے لاکٹ اپنے گلے سے لگا کر دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹ تھی۔

"ان کیلئے شوہر اور گاؤں تو کیا میں دنیا بھی چھوڑ سکتی ہوں۔" نرگس نے کہتے ہوئے ایک بھاری کنگن اٹھا لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"دنیا چھوڑ دینے کے بعد یہ سب کچھ تیرے کسی کام کے نہیں رہے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے ڈرانا نہیں۔" نرگس نے میری طرف دیکھا اور پھر بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ "تم کتنے اچھے ہو۔ میں نے تو کبھی خواب میں بھی ایسی چیزیں نہیں دیکھی تھیں۔ اماں ابا نے شادی پر جو چار چوڑیاں اور کانٹے ٹکا دیا تھا وہ تو شادی کے بعد ایک سال کے اندر ہی اندر بک گئے تھے اور یہ..... یہ سب۔"

"یہ سب تم ابھی نہیں پہن سکتیں۔" میں نے کہا۔ "لاہور جا کر ہم ان میں سے کچھ چیزیں بیچ دیں گے اور باقی۔"

"باقی میں پہنوں گی۔" وہ جلدی سے بولی۔ "اور یہ لاکٹ تو میں کسی صورت نہیں بیچوں گی۔" اس نے کہتے ہوئے وہ لاکٹ دوبارہ اٹھا لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور گلے میں پہن لیا۔ "کیسی لگ رہی ہوں۔" اس نے مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''بہت حسین۔'' میں نے جواب دیا۔

اور پھر ٹھیک اس وقت باہر لکڑی کے گیٹ پر کسی کے کودنے بہت ہلکی سی آواز سنائی دی۔

''یہ چھپالو۔ جلدی کرو۔'' وہ اپنے گلے سے لاکٹ اتارتے ہوئے بولی۔ ''وہ حرامی چوری چھپے اندر آنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

میں نے کھیس پر پھیلے ہوئے تمام زیورات سمیٹ کر تھیلے میں ڈال لئے۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوگئی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ رمضان ہی ہو۔ کوئی اور بھی ہوسکتا تھا۔ میں نے تھیلا تکیے کے نیچے رکھ دیا اور اٹھ کر دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہوگیا۔ نرگس بھی اٹھ کر جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔

اور پھر باہر سے زور زور سے بولنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ رمضان ہی تھا جسے اس طرح دیوار کودنے پر نرگس ڈانٹ رہی تھی۔ اس وقت کسی بھینس کے ڈکرانے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

وہ دونوں اندر آ گئے۔ میں بھی دروازے کے پیچھے سے نکل آیا۔ رمضان شک آمیز نظروں سے مجھے اور نرگس کو دیکھ رہا تھا۔

''اس طرح کیا دیکھ رہے ہو مجھے۔'' نرگس کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔ ''کوئی شک ہے میرے پر۔''

''مم ... میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔'' رمضان ہکلا گیا۔

''خاموش رہنے میں ہی تیری بھلائی ہے۔'' نرگس نے کہا۔ ''میں اب جا رہی ہوں۔ صبح آؤں گی اور کل دن میں تمہیں یہاں کا خیال رکھنا ہوگا۔ کوئی اس طرف نہ آئے۔''

''صبح سویرے گجر دودھ لینے یہاں آتے ہیں۔ میں انہیں کیسے روک سکوں گا۔'' رمضان نے تیسوں جیسی صورت بنا کر کہا۔

''اس وقت تو تا جی کمرے میں سویا ہوگا تم اس بات کا خیال رکھنا کہ ان گجروں میں سے کوئی اس کمرے کا رخ نہ کرے۔ ٹھیک ہے اب میں چلتی ہوں۔'' نرگس نے کہا اور میری طرف دیکھتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ہم دونوں بھی اس کے ساتھ ہی باہر آ گئے۔ باہر والے گیٹ کے قریب نرگس نے موقع پا کر میرے کان میں سرگوشی کی۔

''اس کا خیال رکھنا۔ تھیلے پر اس کی نظر نہ پڑے۔''

وہ باہر جا کر اندھیرے میں غائب ہوگئی۔ میں کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر کمرے میں آ گیا۔ رمضان بھی گیٹ بند کر کے اندر آ گیا تھا۔

''بڑی ڈھیڈی عورت ہے بھئی تمہاری یہ خالہ زاد بہن۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بڑی مشکل سے زندگی گزار رہا ہوں اس کے ساتھ پر کیا کروں۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔ ''اگر اپنے ہی اندر کمزوری نہ ہوتی تو اس کے چودہ طبق روشن کر دیتا۔''

''یہ بات تو ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''مرد میں کمزوری ہو تو وہ اپنی عورت پر

بھی قابو نہیں پا سکتا۔ ویسے تمہارا یہ دانت کیسے ٹوٹا تھا؟''

''پنڈ میں ایک بندے سے لڑائی ہوگئی تھی۔ اس نے مکا مار دیا' دانت پہلے ہی ہل رہا تھا' نکل گیا۔'' اس نے جواب دیا۔

میں مسکرا کر رہ گیا۔

رمضان نے کہا۔ ''سویرے بانگ دیلے گجر بھینسوں کا دودھ نکالنے آ جاتے ہیں۔ میں باہر ہوں گا تو انہیں اندر آنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

وہ اپنی چارپائی اٹھا کر باہر لے گیا۔ میں نے دروازہ بھیڑ دیا اور اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ تھیلا میں نے سرہانے کے نیچے دبا لیا تھا ویسے مجھے رمضان سے کوئی گڑبڑ کی توقع نہیں تھی۔

میں کچھ دیر تک مچھروں سے برسرپیکار رہا اور پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز شام کا اندھیرا پھیلنے کے فوراً ہی بعد گاؤں سے روانہ ہو گئے۔ نرگس نے میرے ساتھ قصور شہر تک جانے کے لئے رمضان سے کیا بہانہ کیا تھا؟ مجھے اس کا علم نہیں لیکن یہ بات ضرور تھی کہ وہ کچھ چیں بچیں ضرور ہوا تھا۔

قصور شہر وہاں سے چار پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ اس وقت شہر کی طرف سے تو ریڑھے' ٹریکٹر ٹرالیاں وغیرہ آ رہی تھیں لیکن شہر کی طرف جانے والی کوئی سواری نظر نہیں آئی تھی۔ ہم سڑک سے کافی ہٹ کر کھیتوں کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

جب ہم شہر پہنچے تو ایک مسجد سے عشاء کی اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بازار کھلے ہوئے تھے۔ خاصی چہل پہل تھی۔

میرا دل اس وقت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں کئی سال اس شہر میں رہا تھا بہت سے لوگ مجھے جانتے تھے۔ مجھے یہی دھڑکا لگا ہوا تھا اگر کسی نے مجھے پہچان لیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔

نرگس ایک جنرل سٹور میں داخل ہوگئی۔ خاصی بڑی دکان تھی۔ مالک کے علاوہ دو ملازم بھی تھے۔ دو تین دکانوں میں تین چار گاہک بھی موجود تھے۔ ان میں ایک مرد اور دو عورتیں تھیں۔ میں نے دکان کے مالک غلام علی کو فوراً پہچان لیا۔ وہ ہمارا دور کا رشتے دار بھی تھا مگر ماضی میں اس سے میری بہت کم ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے تو اسے پہچان لیا تھا لیکن وہ مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ جب میں قصور میں رہتا تھا تو اس وقت میری عمر سولہ سال کے لگ بھگ تھی اس کے بعد کئی سال لاہور میں رہا تھا۔ پھر فیصل آباد اور سیالکوٹ وغیرہ میں بھی رہا اور چند مہینے ہندوستان میں گزار کر آیا تھا۔ عمر میں تقریباً سات سال اضافے سے میرے اندر بہت سی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ اب میں ہٹا کٹا اور تنومند جوان تھا۔ بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ ساتھ چہرے میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی ضرور آ جاتی ہے اور سر پر بال نہ ہونے کی وجہ سے بھی میری ہیئت بدل گئی تھی۔

نرگس کچھ دیر غلام علی سے باتیں کرتی رہی پھر مجھے اشارہ کرتی ہوئی دکان سے باہر آ گئی۔ چند گلیاں گھومنے کے بعد ہم غلام علی کے مکان پر پہنچ گئے۔ اس مکان میں داخل ہوتے ہوئے میرا دل یکبارگی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دھڑک اٹھا۔ یہ شجاع والا مکان تھا۔ یہاں میری زندگی کا کچھ بہترین عرصہ گزرا تھا۔ اس مکان میں رضیہ نے مجھے پہلی مرتبہ جوانی کی لذتوں سے روشناس کرایا تھا۔

غلام علی کی بیوی زینب بڑے خلوص سے ملی۔ نرگس پہلے بھی یہاں آتی رہتی تھی۔ بچے بھی اس سے بے تکلف تھے۔ دس بجے کے قریب غلام علی بھی دکان بند کر کے آ گیا۔ نرگس نے اسے دکان پر ہی میرے بارے میں یہ فرضی کہانی سنا دی تھی کہ میں رائیونڈ میں دور کے کسی رشتے دار کا بیٹا ہوں اور یہ کہ میرا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔ میں آج صبح جانے کیسے گاؤں پہنچ گیا تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر آئی ہے تاکہ صبح سویرے رائیونڈ جانے والی ٹرین پر بٹھا دیا جائے۔

وہ رات میں نے اکیلے ہی گزاری۔ صبح سویرے ناشتہ کرتے ہی ہم گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ گلیوں سے نکل کر چوک پر پہنچتے ہی ہم ریلوے سٹیشن کے بجائے لاری اڈے کی طرف جانے والے تانگے پر بیٹھ گئے۔ نرگس نے غلام علی کو بتایا تھا کہ مجھے ٹرین میں رائیونڈ جانے والے کسی مسافر کے حوالے کر کے واپس آ جائے گی۔

لاہور جانے والی بس فوراً ہی مل گئی۔ بس میں پہلے سے بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔ میں نے بھی اسے چوکنا ہوتے دیکھا تھا۔ چونکا میں بھی تھا مگر میں نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔ میں نے اس آدمی کو پہچان لیا تھا۔ قصور میں رہتے ہوئے آخری دنوں میں جس فیکٹری میں ملازم تھا یہ شخص وہاں لیبر سپروائزر تھا۔ میرا دل اگرچہ تیزی سے دھڑک رہا تھا لیکن میں نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا تک نہیں اور نرگس سے اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے ہم کسی گھریلو مسئلے پر بحث کر رہے ہوں۔ وہ شخص بھی اپنے ساتھی سے باتیں کرنے لگا لیکن وہ بار بار میری طرف دیکھ رہا تھا اور آخر کار جب اس سے نہیں رہا گیا تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر ہماری طرف آ گیا۔

''معاف کرنا بھائی تمہارا نام محمد نظیر ہے!'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں جی' میرا نام عارف حسین ہے۔'' میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''کیوں..... کیا بات ہے جی؟''

''کوئی بات نہیں' مجھے وہم ہو گیا تھا۔'' وہ شخص کہتے ہوئے دوبارہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا لیکن راستے میں بھی وہ بار بار میری طرف دیکھتا رہا تھا۔

بس بڑی کشادہ سی تھی۔ دو گھنٹوں کا یہ سفر بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ ہم سمن آباد موڑ پر بس سے اتر گئے۔ وہ آدمی بھی اپنے ساتھی کے ساتھ وہیں اترا تھا اور اب بھی الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ نرگس فوراً ہی ایک رکشے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے رکشے والے سے بات کی اور مجھے اشارہ کر دیا۔ میں فوراً ہی اس کے ساتھ رکشے میں بیٹھ گیا اور دوسرے ہی لمحہ رکشہ سڑک پار کر کے سمن آباد کی مین روڈ پر دوڑنے لگا۔

شمع روڈ سے ہوتے ہوئے ہم شاہراہ جلال الدین پر پہنچ گئے۔ یہ سڑک آگے کینال بینک روڈ کو قطع کرتی ہوئی قذافی سٹیڈیم اور گلبرگ وغیرہ کی طرف چلی گئی تھی لیکن ہمیں اتنا زیادہ آگے نہیں جانا تھا۔ بڑے چوک پر پہنچنے سے پہلے ہی نرگس نے رکشہ دائیں طرف ایک کشادہ گلی میں مڑوا لیا۔

یہ اچھرے کا رہائشی علاقہ تھا جو کوٹھیوں پر مشتمل تھا۔ کسی زمانے میں یہ کوٹھیاں ضرور رہی ہوں گی مگر بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ ساتھ ان کوٹھیوں کی ہیئت بھی بدل گئی تھی۔ کوٹھیوں میں لان برائے نام ہی رہ گئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ جگہ تعمیرات کی زد میں آ چکی تھی۔ اس طرح یہ کوٹھیاں بھی دو دو تین تین منزلہ مکان بن گئے تھے لیکن اس سے ذرا آگے ایسا علاقہ بھی تھا جہاں واقعی کوٹھیاں تھیں۔

دو تین کشادہ گلیاں گھومنے کے بعد نرگس نے ایک جگہ رکشہ رکوا لیا۔ نرگس ہی نے کرایہ ادا کیا۔ ہم نیچے اتر آئے۔ اس علاقے کی کوٹھیاں دو دو کنال پر مشتمل تھیں۔ بعض کوٹھیاں اس سے بھی بڑی اور زیادہ وسیع و عریض تھیں۔

نرگس بائیں طرف والی کوٹھی کے گیٹ کے پاس رک گئی اور کال بیل کا بٹن دبانا ہی چاہتی تھی کہ گیٹ کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا جس نے گہرے نیلے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ کمر میں لگے ہوئے ہولسٹر میں پستول بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی شکل و صورت سے بھی خاصا خوفناک نظر آ رہا تھا۔

''کس سے ملنا ہے بی بی آپ کو؟'' اس نے نرگس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ مجھے ایک سرسری نظر دیکھنے کے بعد اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

''ہم رضیہ بی بی کے پاس آئے ہیں۔ تم تو پاس سے ہٹو۔'' نرگس اسے راستے سے ہٹا کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''میڈم سو رہی ہیں۔ آپ ادھر بیٹھ جاؤ میں نوکرانی کو بتاتا ہوں۔'' چوکیدار نے کہا۔

''وے پرے ہٹ۔'' نرگس نے تنگ کر کہا۔ ''تو بیٹھا رہ ادھر۔ میں خود اٹھا لیتی ہوں رضیہ کو۔'' اس نے مجھے اشارہ کیا اور آگے آگے چلنے لگی۔ گن مین ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ وہ اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اس نے اب بھی نظر انداز کر رکھا تھا۔

برآمدے میں ایک ادھیڑ عمر عورت کو دیکھ کر چوکیدار اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''اسے روکو نوری۔ یہ زبردستی اندر گھس رہے ہیں۔''

نوری نام کی اس عورت نے پہلے نرگس اور پھر میری طرف دیکھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ پھر وہ گن مین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' اس نے چوکیدار سے کہا اور پھر ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''آئیے آپ لوگ اندر بیٹھئے میں رضیہ بی بی کو جگاتی ہوں۔''

اس نے نرگس کو پہچان لیا تھا۔ میرا خیال ہے دو مہینے پہلے رضیہ' نرگس سے بہت اچھے طریقے سے پیش آئی ہو گی۔ اس لئے تو نوری ہمیں اندر لے آئی تھی۔

یہ ہال کمرہ تھا۔ وال ٹو وال دبیز قالین' قیمتی اور آرام دہ صوفے اور ہر وہ چیز جو اس جیسے گھر میں ہونی چاہئے تھی۔ نوری نے ہمیں صوفوں پر بٹھایا اور کچن کی طرف چلی گئی۔ دس پندرہ منٹ بعد وہ ہمارے لئے سکوائش بنا کر لے آئی۔ اس نے بڑے احترام سے گلاس ہمیں پیش کیے۔

''آپ لوگ بیٹھئے۔ میں بیگم صاحبہ کو جگاتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے ایک طرف چلی گئی اور چند

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

منٹ بعد واپس آ گئی۔ ''ابھی آتی ہیں بیگم صاحبہ۔''

تقریباً بیس منٹ بعد رضیہ دائیں طرف والی راہداری میں نمودار ہوئی۔ اس نے شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا۔ پاجامہ اور اوپن شرٹ جس کا اوپر والا ایک بٹن کھلا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔ میں نے کئی مہینوں بعد اسے دیکھا تھا اور میرے خیال میں وہ پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

نوری نے شاید اسے صرف نرگس کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ ذرا آگے بڑھی تو مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس نے رک کر شرٹ کا بٹن بند کیا اور آگے آ گئی۔ نرگس سے وہ بڑی گرم جوشی سے ملی تھی۔ مجھے اس نے ایک نظر دیکھنے کے بعد نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ نرگس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے شاید سرگوشی میں نرگس سے میرے بارے میں پوچھا تھا۔

''تم اسے بہت اچھی طرح جانتی ہو۔ ذرا غور سے دیکھو۔ شاید پہچان لو۔'' نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رضیہ چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر اچھل پڑی۔

''اوئے..... تیرا بڑا غرق۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''تو تو بڑا دھوکے باز ہے۔ تم مجھے ملتان کے ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ میں تجھے نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ میری طرف لپکی۔

میرا خیال تھا کہ وہ واقعی مجھے بے عزت کر کے گھر سے نکال دے گی۔ اس کے تیور دیکھ کر میں بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نوری بھی یہ صورت حال دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ رضیہ نے آگے بڑھ کر مجھے گریبان سے پکڑ لیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے کھینچتی ہوئی دروازے سے باہر لے جائے گی اور چوکیدار کے حوالے کر کے حکم دے گی کہ اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا جائے لیکن میرا یہ خیال غلط نکلا۔ اس نے مجھے دھکا دے کر صوفے پر گرا دیا اور میرے اوپر سوار ہو کر میرے سینے پر گھونسے برسانے لگی۔ اس کے گھونسوں میں طاقت نہیں تھی۔

''تو نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔'' وہ گھونسے برساتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ ''میں اس روز سارا دن ہوٹل کے کمرے میں بھوکی پیاسی بیٹھی روتی رہی تھی۔ میں سمجھ رہی تھی شاید تمہیں پولیس نے پکڑ لیا ہے اور پھر میرے ساتھ جو کچھ ہوا۔''

میں نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے اوپر سے ہٹا دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ رضیہ کے بارے میں تمام خدشات بے بنیاد نکلے تھے۔ وہ تو میرے لئے ہی پریشان رہی تھی۔ میں اگرچہ اس سے جان چھڑانے کیلئے اسے دھوکا دے کر بھاگا تھا مگر اس کی ہمدردیاں اس وقت بھی میرے ساتھ تھیں۔

میں نے اب بھی اس کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑائے اور نرگس اور نوری کی پروا کیے بغیر مجھ سے لپٹ کر بھائیں بھائیں کر کے رونے لگی۔ میں اسے بڑی مشکل سے چپ کرا سکا تھا۔

''تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کہاں رہے اتنے عرصے۔ کتنے کمزور ہو رہے ہو۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

میرے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ حالانکہ میں سمجھتا تھا کہ میری صحت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی تھی۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ میں نے اتنا عرصہ فاقہ کشی میں گزارہ ہے۔ لیکن اگر اسے یہ پتہ چل جائے کہ اتنا عرصہ عیش ہی کرتا رہا ہوں تو شاید وہ اپنے بال نوچنے پر مجبور ہو جاتی۔

''آؤ..... میرے ساتھ آؤ۔'' وہ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچنے لگی۔ ''پہلے اپنا حلیہ بدلو۔ پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

میں نے نرگس کی طرف دیکھا وہ اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ رضیہ مجھے اپنے کمرے میں لے آئی۔ بہت وسیع و عریض اور شاندار بیڈ روم تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ شیشے کے دروازوں والا لمبا چوڑا وارڈ روب تھا جس کے نچلے حصے میں زنانہ کپڑے اور اوپر والے حصے میں مردانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔

''وہ باتھ روم ہے۔'' رضیہ نے ایک اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس وارڈ روب سے اپنی پسند کے کپڑے نکال لو اور اپنا حلیہ بدلو۔ لیکن تم باتھ روم میں جاؤ میں تمہارے لئے کپڑے دیکھتی ہوں۔''

میں نے اپنے کندھے سے تھیلا اتارا۔ ادھر ادھر دیکھا اور پھر تھیلا وارڈ روب کے اوپر پھینک دیا۔ چھن کی ہلکی سی آواز ابھری تھی مگر رضیہ نے شاید توجہ نہیں دی۔

میں باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم بھی بہت شاندار تھا۔ میں نے کپڑے اتارے اور شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

ابھی نہا ہی رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ابھری پھر رضیہ کی آواز سنائی دی۔

''میں کمرے کا دروازہ بند کر کے جا رہی ہوں۔ تم باہر نکل کر کپڑے بدل لینا۔'' تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں باتھ روم کے دروازے سے جھانک کر دیکھا کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں تولیہ لپیٹ کر باتھ روم سے باہر آ گیا۔ بیڈ پر ہلکے آسمانی رنگ کا شلوار قمیص کا جوڑا رکھا ہوا تھا۔

میں نے کپڑے پہنے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ دو دن کا شیو بڑھ گیا تھا۔ سر کے بال تو اتنے نہیں کہ کنگھے کی ضرورت پڑتی۔ میں نے بروٹ کی بوتل اٹھا کر قمیص پر سپرے کیا اور کمرے سے نکل آیا۔

رضیہ اور نرگس ہال کمرے میں بیٹھی چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔ میں بھی رضیہ کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میرے لئے بھی چائے آ گئی اور میں بھی چائے پیتے ہوئے ان کی باتوں میں شامل ہو گیا۔

دوپہر کے کھانے تک ہم وہیں بیٹھے رہے اور رضیہ نرگس کو ایک اور کمرے میں چھوڑ کر مجھے اپنے کمرے میں لے آئی۔

''یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ یہ کوٹھی کس کی ہے؟'' میں نے بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ایک لمبی کہانی ہے۔'' رضیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم تو مجھے ملتان کے ہوٹل میں بے سہارا چھوڑ کر چلے گئے تھے اور میں ایک بڑی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ ہوٹل والے مجھ سے کرایہ وصول کرنے پر بضد تھے۔ تقریباً تین ہزار روپے کا بل تھا۔ تم تو میرے پرس سے بھی سب کچھ نکال کر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لے گئے تھے۔ تین ہزار کا بندوبست کیسے کرتی۔ لاہور میں میرے بینک اکاؤنٹ میں رقم تو موجود تھی لیکن ہوٹل والے میرا اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں اپنے عاشق کے ساتھ گھر سے بھاگ کر آئی تھی اور میرا عاشق سب کچھ لے کر غائب ہو گیا اور مجھے بے سہارا چھوڑ گیا۔ کیونکہ آج کل گھر سے بھاگی ہوئی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ یہی کچھ ہو رہا ہے۔

''اتفاق سے اس وقت ایک عورت اور ایک مرد آ گیا۔ وہ دونوں اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے جھگڑا سنا اور نہ صرف بل ادا کر کے ہوٹل والوں سے میری جان چھڑائی بلکہ صائمہ نامی اس عورت نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی بھی پیشکش کی جسے میں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔

''دو دن میں ان کے ساتھ ملتان ہی میں رہی پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔ یہاں اس کوٹھی میں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''اتفاق سے یہاں آنے کے تیسرے دن صائمہ کی کار ملتان روڈ پر ایک تیز رفتار بس سے ٹکرا گئی اور وہ وہیں ختم ہو گئی۔

''صائمہ کی موت کے بعد الیاس چند روز تو اداس رہا پھر میری طرف مائل ہونے لگا۔ مجھے مستقل سہارے کی ضرورت تھی۔ میں اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگی۔

''الیاس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ یہ شاندار کوٹھی اس کے علاوہ ماڈل ٹاؤن میں ایک کوٹھی اور گلبرگ کی لبرٹی مارکیٹ میں دو دکانیں جو کرائے پر دے رکھی ہیں اور لاکھوں روپے کا بینک بیلنس اس کے علاوہ گھر میں بھی لاکھوں روپے کے پرائز بانڈ اور نقدی رکھی رہتی تھی۔ بظاہر وہ کوئی کام نہیں کرتا تھا مگر دولت میں کھیلتا تھا۔ اس کے ہاں آنے والے بھی بڑے بڑے لوگ تھے جن سے میری بھی بے تکلفی ہو گئی۔

''میں الیاس کی داشتہ بن کر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے شادی پر آمادہ کر لیا اور اس طرح گھر میں ہی ایک سادہ سی تقریب میں ہمارا نکاح ہو گیا۔ جس میں شہر کے چند بڑے لوگ بھی شریک ہوئے تھے۔

''شادی کے دو ہفتوں بعد ایک دن مجھے یہ سنسنی خیز خبر ملی کہ الیاس کو ملتان روڈ پر شاہ نور فلم سٹوڈیو کے سامنے اس کی کار میں گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا ہے اور حملہ آور فرار ہو گئے تھے۔

''یہ انکشاف تو بعد میں ہوا کہ الیاس اپنے چند دوستوں کے ساتھ ایک فلم بنانے کی تیاری کر رہا تھا اور ان دنوں فلم انڈسٹریز سے تعلق رکھنے والے مختلف لوگوں سے رابطے ہو رہے تھے اور اس رات بھی وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ کسی ایسے آدمی سے ملنے شاہ نور سٹوڈیوز گئے تھے۔ رات گیارہ بجے کے قریب ان کی گاڑی جیسے ہی سٹوڈیوز کے گیٹ سے نکلی پہلے سے گھات لگائے ہوئے دو آدمیوں نے کلاشنکوفوں سے فائرنگ کر دی۔ وہ دونوں چھلنی ہو گئے۔ حملہ آور ایک کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے تھے۔

''مجھے الیاس کی موت کا افسوس تو بہت ہوا مگر میں یہ صدمہ سہہ گئی۔ اس کے چند روز بعد فلم انڈسٹری کا ایک آدمی میرے پاس آیا وہ اس فلم کی بات کرنے لگا جو ابھی زبانی یا کاغذی تیاریوں کے مرحلے میں تھی۔ وہ ایک معروف ہدایتکار تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ فلم ضرور مکمل ہونی چاہئے لیکن میں نے صاف انکار کر دیا اور وہ ہدایتکار منہ لٹکائے چلا گیا۔

''الیاس کے چہلم کے دو دن بعد دو آدمی میرے پاس آئے۔ رحمٰن اور ملک نصیر پہلے بھی یہاں آتے رہتے تھے۔ انہوں نے کچھ ایسے سنسنی خیز انکشافات کئے کہ میں کانپ کر رہ گئی۔''

''مثلاً؟'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ رضیہ چند لمحے خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

''الیاس سمگلروں کے ایک سینڈیکیٹ کا سرگرم رکن تھا۔''

''کیا؟'' میں اچھل پڑا۔

''یہ درست ہے۔'' رضیہ نے جواب دیا۔ ''یہ لوگ سونے اور ہیروئن کا بزنس کرتے ہیں۔ سونا دبئی اور عرب ریاستوں سے منگوا کر انڈیا کی طرف سمگل کیا جاتا ہے جس کے عوض انڈیا سے ہیروئن بنانے کا کیمیکل اور دوسری بہت سی چیزیں یہاں منگوائی جاتی ہیں۔ افغانستان اور صوبہ سرحد سے آنے والی ہیروئن یورپی ممالک کو سمگل کی جاتی ہے۔''

''ملک نصیر اور رحمٰن تم سے کیا چاہتے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''تعاون۔'' رضیہ نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ ''ملک نصیر کے کہنے کے مطابق الیاس نے یہ کوٹھی اور دوسری جائیداد سینڈیکیٹ کے پیسے سے بنوائی تھی اور اس ساری جائیداد میں ملک نصیر کا نام بھی شامل ہے۔ گویا وہ آدھے کا حصے دار ہے۔'' رضیہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں الیاس کی منکوحہ تھی اس کے انتقال کے بعد میں اس کی جائیداد کی جائز وارث ہو سکتی تھی مگر ملک نصیر کی شراکت داری سے یہ مسئلہ کچھ گھمبیر ہو گیا تھا۔ میں اگر چاہتی تو عدالت کے ذریعے آدھے حصے کی مالک بن سکتی تھی مگر میرا اپنا کردار بھی صاف نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ایسے مقدمات تو برسوں چلتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ میں اکیلی تھی۔ میرے پاس قارون کا خزانہ تو نہیں تھا کہ برسوں مقدمہ لڑتی رہتی۔ اس کے برعکس وہ لوگ بہت خطرناک اور بہت طاقتور تھے۔ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

''ملک نصیر اور رحمٰن نے مجھے آفر دی تھی کہ اگر میں ان سے تعاون کروں تو وہ اس کوٹھی اور دوسری جائیداد کے سلسلے میں مجھ سے کچھ تعرض نہیں کریں گے۔ میں یہ سب کچھ جس طرح چاہوں استعمال کر سکتی ہوں۔ انکار کی صورت میں مجھے یہ کوٹھی ایک ہفتے کے اندر اندر خالی کرنی ہو گی اور میں یہاں سے ایک ٹکا تک نہیں لے جا سکوں گی۔ انہوں نے مجھے سوچنے کیلئے تین دن کی مہلت دی تھی۔

''تین دن بعد ملک نصیر اکیلا ہی آیا اس روز کھل کر بات ہوئی۔ تعاون کی صورت میں مجھے الیاس کا حصہ بھی ملتا رہے گا اور یہ امید بھی دلائی تھی کہ اگر میرا تعاون جاری رہا تو ممکن ہے ملک نصیر اس جائیداد سے اپنا نام واپس لے لے اور سب کچھ قانونی طور پر میرے نام منتقل کر دیا جائے۔

''ایک طرف سے یہ سب کچھ تھا اور دوسری طرف ذلت و رسوائی۔ میں سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتی۔ میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے ملک نصیر کی تمام شرائط مان لیں۔''

''اور وہ شرائط کیا تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

''میں ان سے تعاون کرتی رہوں گی اور یہ کوٹھی پہلے کی طرح سینڈیکیٹ کی خفیہ سرگرمیوں کیلئے استعمال ہوتی رہے گی۔ الیاس پر چونکہ پولیس، ایملی جنس، اینٹی نارکوٹکس یا کسی اور ایجنسی کو کسی قسم کا شبہ نہیں تھا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اس علاقے کے لوگ بھی اسے بہت شریف آدمی سمجھتے تھے اس لئے کسی کو ان پر شبہ بھی نہیں ہوا تھا۔

''ملک نصیر کے کہنے کے مطابق یہاں وقتاً فوقتاً سینڈیکیٹ کے اہم ممبروں کی خفیہ میٹنگز ہوتی رہیں گی اور ان ملاقاتوں کو میری طرف سے گھریلو قسم کی تقاریب کا رنگ دیا جائے گا۔ جس میں میرے ذاتی احباب بھی شریک ہوں گے۔ تقریب کی آڑ میں وہ لوگ کسی بھی کمرے میں بیٹھ کر اپنی میٹنگ کر لیا کریں گے اور کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔ ایک اور بات۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''ملک نصیر پورے گھر خصوصاً اس کمرے کی تلاشی لینا چاہتا تھا۔''

''کیوں؟'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس سینڈیکیٹ کے بھارت' یورپ اور امریکہ کے مختلف گروہوں سے رابطے ہیں۔ ان رابطوں کیلئے انہوں نے خفیہ کوڈز طے کر رکھے ہیں۔ وہ کوڈ بک الیاس کے پاس تھی۔ الیاس کی موت کے بعد ان کے بزنس میں رابطوں کے سلسلے میں کچھ دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ ملک نصیر وہ کوڈ بک تلاش کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بہرحال اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔

''کوڈ بک کی تلاش اس وقت شروع ہوگئی۔ میں ملک نصیر کے ساتھ ساتھ تھی۔ اس کمرے کا کونا کونا چھان مارا گیا۔ ایسی کوئی جگہ نہیں چھوڑی جہاں کسی خفیہ خانے کا شبہ ہو سکتا ہو۔ دوسرے کمروں کو بھی دیکھ لیا گیا لیکن وہ کوڈ بک نہیں ملی۔

''ملک نصیر اگلے روز پھر آ گیا۔ اس روز دوبارہ اس کمرے کو چیک کیا گیا۔ ہر چیز الٹ پلٹ دی گئی' دیواروں کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھا گیا۔

''اسی تلاش کے سلسلے میں میری انگلی پر کٹ لگ گیا جس سے خون رسنے لگا۔ میں زخم پر بینڈیج لگانے کیلئے باتھ روم میں آ گئی۔ یہاں دیوار کے ساتھ میڈیسن کیبنٹ لگا ہوا تھا۔ میں نے کیبنٹ کھولنے کیلئے اس کے دروازے کو جیسے ہی باہر کی طرف کھینچا پورا کیبنٹ ایک کیل سے نکل کر لٹک گیا۔

''اس کیبنٹ کے پیچھے دیوار میں ایک طاقچہ سا تھا۔ میں نے اس میں ہاتھ ڈالا تو جیبی سائز کی ایک نوٹ بک میرے ہاتھ میں آ گئی۔ میں نے ملک نصیر کو وہ نوٹ بک دکھائی تو وہ اچھل پڑا یہی وہ کوڈ بک تھی جس کی اسے تلاش تھی وہ کوڈ بک لے کر فوراً ہی چلا گیا۔''

''اور اس کے بعد یہاں ان کی خفیہ سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں۔'' رضیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''اس کے بعد نہ تو ملک نصیر اور حسن کی صورت دکھائی دی اور نہ ہی انہوں نے کوئی رابطہ کیا۔ ان دونوں نے ہی اپنے آپ کو سینڈیکیٹ کے ممبر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ ان کے بعد بھی وقتاً فوقتاً کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے لیکن کسی نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔

''ایک روز میں نے مہتاب شاہ نامی ایک شخص کو اعتماد میں لے کر اس سے ملک نصیر اور رحمن کے بارے میں بات کی۔ میری بات سنتے ہی شاہ جی اچھل پڑا اور اس نے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ وہ یعنی شاہ جی اس سینڈیکیٹ کا رکن ہے۔ ملک نصیر اور حسن کا اس سینڈیکیٹ سے کوئی تعلق نہیں البتہ وہ ایک مخالف گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ بہت عرصہ سے ان کے کاروباری راز حاصل کرنے کے چکر میں تھے اور انہوں نے

الیاس سے دوستی بھی اس لئے کی تھی لیکن اس کی زندگی میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد وہ دھوکے سے کوڈ بک لے گیا جس میں سینڈیکیٹ کے اور بھی بہت سے راز تھے۔

''شاہ جی کے کہنے کے مطابق وہ کئی روز سے اس سلسلے میں مجھ سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن اسے کوئی مناسب موقع نہیں ملا اور آج میں نے خود بات کی تو یہ راز کھلا کہ ملک نصیر انہیں چیٹ لگا گیا ہے۔ کوڈ بک ان کے ہاتھ لگ جانے سے سینڈیکیٹ کو ناقابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے۔

''میں نے الیاس کی جائیداد میں ملک نصیر کے حصے والی بات کی تو یہ مزید انکشاف ہوا کہ ملک نے مجھ پر دباؤ ڈالنے کیلئے ایک جھوٹی کہانی گھڑی تھی اور اس نے مجھے جائیداد کے جو کاغذات دکھائے تھے وہ بھی جعلی تھے۔'' رضیہ خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''اور پھر؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ملک نصیر اور رحمن غائب ہو گئے اور شاہ جی میرے کچھ اور قریب آ گیا۔'' رضیہ نے جواب دیا۔ ''اس کے کہنے کے مطابق یہ جائیداد الیاس ہی کی ملکیت تھی اور اب اس کی وارث میں ہوں اور اگر میں چاہوں تو عدالت کو درخواست دے کر ساری جائیداد اپنے نام منتقل کروا سکتی ہوں۔ لیکن میں نے ان بکھیڑوں میں پڑنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ شاہ جی نے بھی مجھے ملک نصیر کی طرح ایک پیشکش کی تھی۔''

''وہ کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''میں بھی الیاس کی طرح ان کے ساتھ مل کر کام کروں۔'' رضیہ نے بتایا۔ ''میں نے فوراً ہی یہ پیشکش قبول کر لی اور عیش کر رہی ہوں۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ''الیاس کی ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی اور لبرٹی کی دکانوں کا کرایہ مجھے مل رہا ہے۔ شاہ جی کی طرف سے حصہ بھی مل جاتا ہے۔ سیر مفت کی۔''

''کیا مطلب؟ کیا تم باہر بھی جاتی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں..... میں دو مرتبہ جنوبی افریقہ کے چکر لگا چکی ہوں۔'' رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''ان کے مال کی سب سے زیادہ کھپت افریقی ممالک میں ہوتی ہے۔ جوہانسبرگ میں اس سینڈیکیٹ کا ایک بہت بڑا علاقائی دفتر ہے جہاں سے یہ تمام چھوٹے چھوٹے افریقی ممالک کو کنٹرول کرتے ہیں۔ وہاں کاروبار کی آڑ میں انہوں نے منشیات کی سپلائی کا جال بچھا رکھا ہے۔ بہت بڑا نیٹ ورک ہے ان کا۔''

''اور وہ کاروبار کیا ہے جس کی انہوں نے آڑ لے رکھی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میں ابھی تفصیل سے سب کچھ نہیں جان سکی لیکن لاہور کی ایک رنگ بنانے والی کمپنی ہے رنگوں کی آڑ میں ہیروئن یہاں سے بھیجی جاتی ہے۔ دو شپ منٹس میرے نام سے جا چکی ہیں۔ اس لئے دونوں مرتبہ مجھے بھی جانا پڑا تھا۔''

''یہ لوگ رنگوں میں ہیروئن کس طرح سمگل کرتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''اتنی تفصیل ابھی میں نہیں جان سکی اور شاید مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں۔'' رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر بولی۔ ''تم بھی تو شجاع کے ساتھ یہ دھندہ کرتے رہے ہو۔ پھر قصور سے فرار ہونے کے بعد لاہور میں بھی تم نے یہی بزنس کیا تھا۔ اب طویل عرصہ غائب رہنے کے بعد واپس آئے ہو تو شروع ہو جاؤ میرے ساتھ۔ اس سینڈیکیٹ میں تمہارے لئے اچھا موقع پیدا ہو سکتا ہے لیکن تم اتنا عرصہ غائب

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کہاں رہے؟"

"میں ہندوستان میں تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم مجھے لاہور کے بدترین حالات سے نکال کر ملتان لے گئی تھیں۔ میری نیت تو یہی تھی کہ ہم دونوں ملتان کے کسی نواحی علاقے میں شریفانہ زندگی گزارنے کی کوشش کریں گے مگر ملتان پہنچ کر میری نیت میں فتور آ گیا۔ شاید اس روز میرا دماغ ہی خراب ہو گیا۔ نجانے مجھے یہ ڈر کیوں تھا کہ ملتان میں پکڑا جاؤں گا۔ اس لئے میں تمہیں ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ سندھ کے کسی چھوٹے سے شہر میں میں زیادہ محفوظ رہوں گا۔ میں اپنے ایک رشتہ دار کی تلاش میں عمرکوٹ پہنچ گیا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے آگے کے واقعات سنانے لگا۔ رضیہ بڑے غور سے میری باتیں سن رہی تھی۔ میری باتوں سے وہ شاید اپنے اندر سنسنی سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اس کا اندازہ اس کے چہرے کے تاثرات سے لگایا جا سکتا تھا۔

"اور آخر کار۔" میں آخر میں کہہ رہا تھا۔ "میں بھیڑیوں کے اس بھٹ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں دو دن پہلے ہی کیاں کی طرف سے سرحد پار کر کے اس طرف آیا ہوں۔ میرے ساتھ بسنت کور نام کی ایک لڑکی بھی تھی۔ وہ گولی لگنے سے زخمی ہو کر گر پڑی اور بارڈر سکیورٹی والوں کے ہاتھ لگ گئی۔ پتہ نہیں انہوں نے اس بیچاری کا کیا حشر کیا ہو گا۔"

"اوہ۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولی۔ "راجستھان میں دہشت گردی کے ٹریننگ کیمپ کی تباہی اور دیگر تباہ کاریوں کی خبریں تو یہاں کے اخبارات میں بھی چھپتی رہی ہیں مگر میں نے کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ مجھے کیا پتہ کہ تم وہاں سلطان راہی کی طرح جنگجو ہیرو بنے پھر رہے تھے۔"

"بہرحال۔" میں نے کہا۔ "میں وہاں سے خالی ہاتھ نہیں آیا۔"

"تو کیا لے کر آئے ہو؟" اس نے مجھے گھورا۔

میں نے اٹھ کر وارڈ روب پر سے تھیلا اتار لیا۔ وہ الجھی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے تھیلا بستر پر پلٹ دیا۔ رضیہ اچھل پڑی اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"کیا یہ اصلی ہیں؟" اس نے بھی وہی سوال کیا جو اس زیورات کو دیکھ کر نرگس نے کیا تھا اور میرا جواب بھی وہی تھا۔

"حیرت انگیز۔" وہ کچھ دیر تک زیورات اٹھا اٹھا کر دیکھتی رہی پھر بولی۔ "ہم دونوں نے ایک دوسرے سے الگ ہو کر کچھ نہ کچھ پایا ہے اگر ہم اکٹھے رہتے تو شاید کہیں محنت مزدوری کر کے شریفانہ مگر فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا بہتر ہی ہوا ہم دونوں کیلئے۔ مگر تم نرگس کو ساتھ کیوں لے کر آئے؟ کیا اسے یہ سب معلوم ہے؟" اس نے بستر پر پھیلے ہوئے زیورات کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر نرگس سے ملاقات نہ کرتا تو تم سے ملاقات کیسے ہوتی۔ یہاں تو مجھے وہی لے کر آئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "اسے کچھ دے دلا کر یہاں سے رخصت کر دینا۔"

"وہ اب کہاں جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔ اس وقت میں نے رضیہ کے لہجے میں حسد کی

کچھ جھلک محسوس کر لی تھی۔

"وہ تو اپنا گھر اور اپنے شوہر تک کو چھوڑ آئی ہے۔ بہرحال اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ تم پریشان مت ہو۔" میں خاموش ہو کر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "میں ان زیورات کو فروخت کرنا چاہتا ہوں تمہارے توسط سے۔"

راہداری میں قدموں کی ہلکی سی چاپ سن کر رضیہ نے جلدی سے خالی تھیلا زیورات کے اوپر پھیلا دیا اور تقریباً اس وقت نوری دروازے میں نمودار ہوئی۔

"چھ بج رہے ہیں میڈم چائے بناؤں۔" نوری نے کہا۔

"اوہاں۔" رضیہ بولی۔ "نرگس کہاں ہے؟"

"وہ تو اپنے کمرے میں سو رہی ہیں جی۔" نوری نے جواب دیا۔

"اسے جگا دو اور چائے بناؤ۔" رضیہ نے کہا۔ "چائے ہم باہر لان میں پئیں گے۔"

نوری واپس چلی گئی۔ رضیہ نے ایک نظر محتاط انداز میں دروازے کی طرف دیکھا اور پھر زیورات سمیٹ کر تھیلے میں ڈالنے لگی۔ میں کرسی پر بیٹھا دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

☆.....☆.....☆

میرا خیال تھا کہ ان قیمتی زیورات کو فروخت کر کے مجھے اتنی رقم مل جائے گی کہ میں گوشہ گمنامی میں رہ کر سکون کی زندگی گزار سکوں گا۔ نرگس کے ساتھ آنے پر میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ مجھے کسی نہ کسی ساتھی کی ضرورت تو تھی وہ اگرچہ شادی شدہ تھی۔ اس کا شوہر موجود تھا۔ کسی دوسرے کی بیوی کو اس طرح اڑانا نہ صرف جرم بلکہ گناہ بھی تھا مگر مجھ جیسا شخص نہ تو جرم و سزا کو سمجھتا ہے اور نہ گناہ کو۔ مجھ ایسے لوگ ایسی زندگی گزارتے ہیں جس کا مقصد کوئی نہیں ہوتا۔

نرگس مجھے رضیہ کے پاس لے کر آ گئی تھی اور اب میں محسوس کر رہا تھا کہ چکی کے دو پاٹوں میں دب گیا ہوں۔ ایک طرف رضیہ تھی اور دوسری طرف نرگس۔ یہ بات میں نے پہلے ہی روز نوٹ کر لی تھی کہ ان دونوں کے بیچ رقابت کے جذبات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ وہ دونوں بظاہر ایک دوسرے سے بہت خوشی سے ملتی تھیں مگر میں ہی جانتا تھا کہ اندر سے ان دونوں کے ایک دوسرے کیلئے کیا جذبات تھے۔ رضیہ اس بات پر بضد تھی کہ میں کچھ دے دلا کر نرگس کو چلتا کر دوں۔ زیورات فروخت کرنے میں ابھی وقت لگے گا لیکن اپنے پلے سے لاکھ دو لاکھ روپے دینے کو تیار تھی۔ دوسری طرف نرگس مجھے مجبور کر رہی تھی کہ میں جلد سے جلد زیورات فروخت کر کے اپنا ٹھکانہ بنا لوں جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہو۔

میں عجیب شش و پنج میں تھا۔ دو خونخوار بلیوں میں گھر کر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف جاؤں۔ وہ کوئی شریف عورتیں نہیں تھیں۔ دونوں بڑی خطرناک تھیں۔ رضیہ تو باقاعدہ ایک سینڈیکیٹ کی ممبر بن چکی تھی اس کے پاس بے پناہ دولت بھی آ گئی تھی اور گروہ کی طاقت بھی۔ اگر میں اسے چھوڑنے کی کوشش کرتا تو وہ میرے خلاف انتقامی کارروائی کر سکتی تھی۔ دوسری طرف نرگس تھی جو اپنے شوہر اور گھر بار کو چھوڑ آئی تھی۔ گویا شرافت کی زندگی کو خیرباد کہہ آئی تھی اور جرائم کی اس دلدل میں کود پڑنے کو پر تول رہی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میرا خیال تھا کہ دو مہینے پہلے جب وہ رضیہ سے ملی تھی تو رضیہ کے ٹھاٹھ دیکھ کر متاثر ہوئی تھی۔ اس کا خیال ہوگا کہ یہ سب کچھ بڑی آسانی سے حاصل ہو جاتا ہوگا۔ اس لئے وہ اپنا سب کچھ چھوڑ آئی تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ راستہ کتنا خطرناک ہے۔ اس جیسی حسین عورتیں تو آلہ کار بن جاتی ہیں اور مردوں کے ہاتھوں میں کھیلتی رہتی ہیں۔

تین چار دن گزر گئے تھے۔ میں نے نرگس سے کہہ دیا تھا کہ چند روز انتظار کرے۔ دوسری طرف میں رضیہ پر بھی دباؤ ڈالنے لگا کہ وہ جلد سے جلد زیورات کا سودا کرے تاکہ ان کی فروخت سے ملنے والی رقم سے میں بھی اپنا کوئی دھندہ شروع کر سکوں۔

''دھندہ شروع کرنے کیلئے تمہیں پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔'' رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم جب کہو شاہ جی سے ملاقات کرا دوں۔ سارا بندوبست وہ خود ہی کر لے گا۔ تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''سوائے اشاروں پر ناچنے کے۔'' میں نے کہا۔

''یہ بھی تم نے خوب کہا۔'' رضیہ ہنس کر بولی۔ ''یہ دھندہ ہی ایسا ہے کبھی دوسروں کے اشاروں پر ناچنا پڑتا ہے اور کبھی دوسرے ہمارے اشاروں پر ناچتے ہیں۔''

''اس سینڈیکیٹ میں آنے کے بعد تم کچھ زیادہ ہی ہوشیار نہیں ہو گئیں۔'' میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور یہ ویسے حقیقت بھی تھی۔ رضیہ اب وہ رضیہ نہیں رہی تھی جسے میں بہت پہلے جانتا تھا اور پھر یہ چند ہی مہینے پہلے کی تو بات تھی جب میں شام نگر میں اس کے ساتھ رہتا تھا اور جب پولیس نے میرے گرد گھیرا تنگ کیا تھا تو میں رضیہ کو ساتھ لے کر ملتان نکل گیا تھا اور اسے ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ وہ رضیہ کتنی سادہ لوح تھی اور ہر مرتبہ کتنی آسانی سے بے وقوف بنتی رہی تھی مگر اب یہ رضیہ..... دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اب تو یہ اتنی چالاک ہو گئی تھی کہ مجھے بھی کہیں بیچ ڈالے۔

پانچ دن گزر گئے۔ اس دوران میں گھر سے باہر نہیں نکلا تھا لیکن اس شام رضیہ مجھے شاہ جی سے ملانے کیلئے لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے رضیہ کے شوہر الیاس کے وارڈ روب سے ایک پینٹ شرٹ نکال لی۔ اس کا شوہر غالباً قد و قامت میں مجھ جیسا ہی تھا اس کی پینٹ مجھے بالکل فٹ آ گئی تھی۔

ہم رات آٹھ بجے کے قریب گھر سے نکلے۔ نرگس کو گھر پر ہی چھوڑ دیا گیا تھا جس سے اس کا تھوڑا پھول گیا تھا۔

ہم اچھرے کی گلیوں سے نکل کر شاہراہ جمال الدین پر آ گئے اور کینال بینک روڈ پار کر کے اس سڑک پر آگے نکل گئے اور پھر خیابان سہروردی کراس کرنے کے تھوڑی دیر بعد رضیہ نے گاڑی ماڈل ٹاؤن کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔

ماڈل ٹاؤن جب آباد ہوا تھا تو اس وقت واقعی ماڈل ٹاؤن تھا لیکن اب تو یہاں کی آبادی بھی اس قدر گنجان ہو گئی تھی کہ اس ماڈل بستی کا حسن مسخ ہو کر رہ گیا تھا۔

پارک کے سامنے والی کشادہ گلی میں ایک وسیع و عریض شان دار کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رضیہ نے بتایا کہ الیاس کی کوٹھی ہے جواب اس کی ملکیت تھی۔ اس نے گاڑی دوسری گلی میں ایسی ہی

ایک اور شاندار کوٹھی کے گیٹ کے سامنے روک لی اور ہارن بجا دیا۔ کوٹھی کا گیٹ فوراً ہی کھل گیا۔ وہ ایک ہٹا کٹا گن مین تھا۔

''شاہ جی کو بتاؤ میں آئی ہوں۔'' رضیہ نے کہا۔

''صاب تو گھر میں نہیں ہیں۔ آپ آؤ میں بیگم صاب کو بتاتا ہوں۔'' گن مین نے جواب دیا۔

''نہیں، شاہ جی سے کہنا دس بجے کے بعد مجھے فون کر لیں۔'' رضیہ نے کہتے ہوئے انجن سٹارٹ کر دیا اور گاڑی کو آگے بڑھا لے گئی۔

ہم ماڈل ٹاؤن سے گلبرگ کی طرف نکل آئے۔ رضیہ نے لبرٹی مارکیٹ کے سامنے والے پارک کے جنگلے کے ساتھ ایک جگہ گاڑی روک لی۔ اس وقت یہاں بہت رونق تھی۔ انگریزی کے حرف U کی صورت میں بنی ہوئی عمارتوں کے سامنے والی سڑک اور سروس روڈ پر بھی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ دکانیں روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں۔ رنگین آنچل ہر طرف لہراتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

رضیہ نے مجھے دو تین دکانیں بھی دکھائیں جو اب اس کی ملکیت تھیں۔ میرے خیال میں یہی تین دکانیں اس وقت کروڑوں کی مالیت کی تھیں اور ماڈل ٹاؤن والی وہ کوٹھی اس کے علاوہ تھی جو کچھ دیر پہلے میں باہر سے دیکھ کر آیا تھا۔

مارکیٹ ہی کے ایک ایئر کنڈیشنڈ ریستوران میں بیٹھ کر ہم نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک مارکیٹ میں ٹہلتے رہے۔ رضیہ نے کچھ شاپنگ کی۔ ایک دو چیزیں میں نے بھی خریدیں اور واپسی کیلئے روانہ ہو گئے۔

ہم دس بجے کے قریب گھر واپس پہنچے۔ نرگس کا موڈ آف تھا۔ اسے جب پتہ چلا کہ ہم کھانا کھا کر آئے ہیں تو اس کے چہرے کے تاثرات مزید بگڑ گئے اور پھر اس نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ یہ غصے کا اظہار تھا۔

ساڑھے دس بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی۔ اس وقت ہم لوگ ہال کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رضیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس صوفے پر چلی گئی جس کے سائیڈ میں ایک چھوٹی ٹیبل پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

وہ شاہ جی کی کال تھی۔ رضیہ تقریباً دس منٹ تک اس سے باتیں کرتی رہی۔ نام لئے بغیر اس نے میرا بھی تذکرہ کیا تھا پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''شاہ جی صبح آئیں گے۔ تم سے ملنے کیلئے۔''

''ٹھیک ہے مل لیں گے۔'' میں نے نارمل لہجے میں جواب دیا اور حقیقت یہ ہے کہ مجھے شاہ جی سے ملنے کی اتنی بے چینی بھی نہیں تھی۔

بارہ بجنے والے تھے۔ میں نے نوٹ کیا تھا کہ رضیہ نرگس کو مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ جو بات بھی کرتی مجھے ہی مخاطب کر کے کہتی۔ آخر کار نرگس وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''جل گئی۔'' رضیہ نے مسکراتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

''دیکھو رضیہ۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''نرگس کے بارے میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تمہیں اپنی سوچ میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی۔ تمہیں نرگس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس کی وجہ سے ہماری ملاقات ہوگئی لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں کے بیچ کوئی ٹسل ہی چل نکلی ہے۔ گویا ایک سرد جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے سے جلنے لگی ہو۔ یہ صورت حال آگے چل کر ہم سب کیلئے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔''

''میری جلتی ہے جوتی۔'' رضیہ نے تنک کر کہا اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بگڑ گئے تھے۔ ''میں کیوں جلنے لگی اس سے؟''

''میری جلتی ہے جوتی۔'' میں مسکرا دیا۔ ''صرف یہی ایک مختصر سا جملہ عورت کی فطرت کو کتاب کی طرح کھول کر رکھ دیتا ہے اور...''

''کہنا کیا چاہتے ہو؟'' رضیہ نے مجھے گھورا۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ نرگس میری خاطر سب کچھ چھوڑ آئی ہے۔ اسے اس طرح آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔'' میں نے بھی اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں اسے باہر سڑک پر لے جا کر کھڑا کر دوں اور یکا یک لاتعلقی کا اعلان کر دوں۔ اس سے پیچھا چھڑانے کیلئے ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا کہ وہ بھی آسانی سے مان جائے۔''

''اس لئے تو کہتی ہوں اسے کچھ دے دلا کر رخصت کر دو۔'' رضیہ نے کہا۔ ''رقم میں دینے کو تیار ہوں۔ لاکھ..... دو لاکھ۔'' جتنی رقم چاہو اسے دے دو۔ میں تمہارے لئے اس کی شراکت پسند نہیں کر سکتی۔''

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ آخر دل کی بات رضیہ کی زبان پر بھی آ گئی تھی۔

''یہی بات نرگس بھی کہہ سکتی ہے یعنی شراکت والی بات۔'' میں نے کہا۔

''اگر اس نے ایسی کوئی بات کہی تو میں اس کی زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔'' رضیہ نے جواب دیا۔ اس کے تیور ایک دم بگڑ گئے تھے۔ ''بس تم دو چار دن میں اسے چلتا کر دو۔''

''ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اب اسے کوئی بات سمجھانا ممکن نہیں۔ جب تک مجھ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی وہ نرگس سے بہت اچھے طریقے سے ملتی رہی تھی لیکن اب وہ نرگس کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ اسے کباب میں ہڈی سمجھتی تھی لیکن ظاہر ہے میں نرگس کو اس طرح نہیں چھوڑ سکتا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اسے چھوڑنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

رضیہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں وہیں صوفے پر لیٹ گیا۔ جب سے میں یہاں آیا تھا میری راتیں اسی صوفے پر گزر رہی تھیں۔ میں ان دونوں میں سے کسی کے کمرے میں نہیں جانا چاہتا تھا۔

میں صبح دیر تک سویا رہا۔ میں رات بھر یہی سوچتا رہا تھا کہ رضیہ سے پیچھا کیسے چھڑایا جائے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اب میرا اور اس کا ساتھ نہیں چل سکتا تھا وہ بہت بدل گئی تھی۔ اس کے پاس بہت اور بہت طاقت آ گئی تھی۔ بعض اوقات وہ مجھ سے بھی ایسے لہجے میں بات کرتی تھی جو مجھے کھل جاتا تھا۔ اپنے لئے کسی عورت کا ایسا لہجہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔

آج شاہ جی کو مجھ سے ملنے کیلئے آنا تھا لیکن گیارہ بجے کے قریب اس کا فون آ گیا۔ کال رضیہ ہی نے ریسیو کی تھی۔ شاہ جی نے بتایا کہ کسی ہنگامی صورتحال کے تحت وہ ایک بجے کی فلائٹ سے کراچی جا

رہا ہے۔ دو تین دن بعد واپسی ہوگی۔

اس رات بھی رضیہ نے گھر سے باہر کھانا کھانے کا پروگرام بنایا تھا۔ میں نے نرگس کو بھی تیار ہونے کو کہہ دیا۔ نرگس یہاں رہتے ہوئے رضیہ ہی کے کپڑے استعمال کر رہی تھی۔ رضیہ کو یہ بھی کھل رہا تھا۔ نرگس بھی اس کے کپڑے استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی مگر مجبوری تھی۔

ہم نے اقبال ٹاؤن میں بلے وارڈ پر بارلی کیو ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا اور پھر شاپنگ کرتے ہوئے مارکیٹ میں گھومتے رہے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی کہ رضیہ نے نرگس کے لئے کپڑوں کے کئی جوڑے اور دوسری بہت سی چیزیں بھی خریدی تھیں۔

ایک نیوز سٹینڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے میں رک گیا۔ گھر میں پڑے پڑے بیزار ہوتا رہتا تھا مجھے پڑھنے کا شوق تو نہیں تھا لیکن میں نے محض وقت گزاری کے خیال سے دو تین ڈائجسٹ اور آج کی تاریخ کا ایک اخبار خرید لیا۔ یہ ایوننگ پیپر تھا جو سنسنی خیز خبروں کی اشاعت کیلئے مشہور تھا۔

ہماری واپسی رات بارہ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ نرگس اور رضیہ کو کپڑے بدلنے کیلئے اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں اور میں اخبار لے کر بیٹھ گیا۔

بڑی سنسنی خیز سرخیاں تھیں۔ معمولی سی چوری کی خبر کی سرخی بھی تین کالموں پر مشتمل تھی۔

آخری صفحہ پر ایک تین کالمی سرخی دیکھ کر میں اچھل پڑا اور وہ خبر پڑھتا چلا گیا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور گردن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

قصور کی ڈیٹ لائن سے ایک شادی شدہ عورت کے اغوا کی خبر تھی۔ اس خبر کے مطابق نرگس کے شوہر رمضان نے تھانے میں میرے خلاف اپنی بیوی کے اغوا کی رپورٹ لکھوائی تھی اور میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ پولیس نے رمضان کو بھی حراست میں لے لیا تھا کہ اس نے میرے بارے میں پولیس کو بروقت اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔

گڑھے مردے اکھڑنے لگے تھے۔ میں طویل عرصہ سے قصور پولیس کو رضیہ کے شوہر شجاع کے قتل کے حوالے سے مطلوب تھا اور مجھے یقین تھا کہ پولیس نے اس کیس کا فائل ابھی بند نہیں کیا تھا۔

مجھے نرگس کے ساتھ گاؤں سے نکلے ہوئے ایک ہفتہ تو ہو چکا تھا۔ اتنے روز تک رمضان پتہ نہیں کیسے خاموش رہا تھا اور آخر کار کل دوپہر کے بعد میرے خلاف اپنی بیوی کے اغوا کی رپورٹ لکھوانے تھانے پہنچ گیا تھا اور خود ہی دھر لیا گیا تھا۔ پولیس نے کالو مصلی اور قصور کے دکاندار غلام علی کو بھی حراست میں لے لیا تھا۔

اخبار کے رپورٹر نے یہ خبر بڑی تفصیل سے دی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ میں مختلف سنگین جرائم اور قتل وغیرہ کی وارداتوں کے سلسلے میں پنجاب پولیس کو مطلوب ہوں۔ اس خبر کے آخر میں میرے بارے میں مزید سنسنی خیز انکشافات کی توقع بھی ظاہر کی گئی تھی۔

بات اگر صرف نرگس کے اغوا تک محدود ہوتی تو میرے لئے زیادہ پریشانی کی بات نہ ہوتی لیکن شجاع کے قتل کے حوالے سے معاملہ بہت آگے تک چلا گیا تھا۔ پولیس اب گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش کرے گی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میرے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ اب لاہور کی پولیس بھی الرٹ ہو جائے گی اور میری تلاش شروع ہو جائے گی۔

میں ابھی اخبار دیکھ ہی رہا تھا کہ نرگس آ گئی۔

''کیا بات ہے پریشان دکھائی دے رہے ہو؟'' اس نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

میں نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''یہ خبر پڑھ لو۔ تمہیں میری پریشانی کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔''

نرگس آٹھ جماعت پڑھی ہوئی تھی۔ اخبار وغیرہ پڑھ لیتی تھی۔ اس نے اخبار اپنے سامنے پھیلا لیا۔ میں اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھتا رہا۔ خبر کی آخری سطر پڑھنے تک اس کا چہرہ سرسوں کے پھول کی طرح پیلا ہو چکا تھا۔

''اب کیا ہو گا؟'' اس نے اخبار ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

''نرگس۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو تمہیں اس وقت سوچنا چاہئے تھا جب میرے ساتھ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ تو ابھی پہلا قدم ہے یعنی زندگی کے سٹیج پر ایک سنگین اور طویل ڈرامے کی شروعات لیکن اگر تم چاہو تو یہیں سے واپس جا سکتی ہو۔''

''میرے خیال میں واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔'' نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر بات صرف میرے اغوا کی رپورٹ تک ہوتی تو میں واپس چلی جاتی اور پولیس کو بتاتی کہ مجھے کسی نے اغوا نہیں کیا یہ سب کچھ میرے شوہر کی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے...... لیکن اس کمبخت رمضان نے تو پولیس کے سامنے تمہاری پوری ہسٹری بیان کر دی ہے۔''

''شاید اپنے کیس کو مضبوط بنانے کیلئے اس نے میرے خلاف اتنا زہر اگلا ہو گا مگر خود ہی پھنس گیا۔'' میں نے کہا۔ ''میں اشتہاری ملزم ہوں۔ کسی اشتہاری ملزم کو پناہ دینا یا اس کے بارے میں معلومات چھپانا بھی سنگین جرم ہے اور رمضان کو اب اپنے آپ کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔''

''اور یہی جرم مجھ سے بھی سرزد ہوا ہے۔ یعنی میں نے تمہیں پناہ دی تھی۔'' نرگس نے کہا۔ ''اب اگر میں واپس جا کر پولیس کو یہ بیان دیتی ہوں کہ مجھے اغوا نہیں کیا گیا تو پولیس مجھے تمہیں پناہ دینے کے جرم میں دھر لے گی۔''

''تو پھر خوفزدہ کیوں ہو۔'' میں نے کہا۔ ''اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلوں کا کیا ڈر۔''

''میں خوفزدہ نہیں ہوں۔'' نرگس بولی۔ ''مجھے اس ماحول سے وحشت ہو رہی ہے۔ مجھے تو اب رضیہ سے بھی ڈر لگنے لگا ہے۔ یہ مجھے تم سے جدا کرنا چاہتی ہے اگر ایسا ہو گیا تو . . .''

''ایسا نہیں ہو گا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی اور راہداری کی طرف دیکھنے لگا۔ رضیہ بھی لباس تبدیل کر کے اس طرف آ رہی تھی۔

وہ میرے قریب آ گئی۔ ہم دونوں کے چہروں پر سنجیدگی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

''کیا معاملہ ہے تم دونوں اتنے سنجیدہ کیوں ہو؟'' اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔'' میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے اخبار کی اس رپورٹ کے بارے میں بتانے لگا۔

''یہ تو واقعی گڑبڑ ہو گئی۔'' وہ میرے خاموش ہونے پر بولی۔ ''یہاں کی پولیس اب تمہارے خلاف سرگرم ہو جائے گی۔ لیکن میرے خیال میں ایک بات تمہارے حق میں جاتی ہے تم بچ سکتے ہو؟''

''کیسے؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم نے راجستھان میں پاکستان کے خلاف دہشت گردی کا ایک بہت بڑا منصوبہ ناکام بنا کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ تم کئی مہینوں تک ہندوستان میں رہ کر پاکستان کی جنگ لڑتے رہے ہو۔ یہ بات تمہارے حق میں جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تمہیں معاف کر دیا جائے۔''

''میں پاکستان اور ہندوستان کی پولیس میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ یہ کسی معمولی اور قابل معافی جرم میں پکڑے جانے والے کسی شخص کے خلاف بغاوت' دہشت گردی اور تخریب کاری کا بہت بڑا کیس تو بنا سکتے ہیں لیکن معافی ان کی لغت میں نہیں ہے۔''

''میں پولیس کی نہیں حکومت اور عدالت کی بات کر رہی ہوں۔'' رضیہ بولی۔

''حکومت اور عدالت جو بھی فیصلہ کرتی ہے استغاثہ یعنی پولیس کی رپورٹ کی روشنی میں کرتی ہے اور پولیس میرے خلاف جو کیس تیار کرے گی اس کی روشنی میں عدالت آنکھیں بند کر کے مجھے کئی بار موت کی سزا سنا سکتی ہے اور پھر میرے لیے یہ ثابت کرنا بھی مشکل ہو گا کہ میں وہی شخص ہوں جس نے پاکستان کے خلاف بھارتی دہشت گردی کا ایک بہت بڑا منصوبہ ناکام بنایا تھا اور کئی مہینوں تک میں نے ہندوستان میں رہ کر پاکستان کی جنگ لڑی تھی۔ بالفرض میں یہ ثابت بھی کر دوں تو وہاں مجھے بہادری اور حب الوطنی کے میڈل نہیں پہنائے جائیں گے۔ جرم آخر جرم ہی ہوتا ہے اور اس کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔ یہاں میرے جرائم کی فہرست تو بہت طویل ہے۔ کئی افراد کا قتل میرے کھاتے میں ہے اور اس لسٹ میں بہت سی وارداتیں تو ایسی بھی ہیں جو میں نے نہیں کیں بلکہ جن کے بارے میں کچھ جانتا بھی نہیں۔ اس صورتحال کے پیش نظر میں کسی معافی یا رحم کی توقع نہیں کر سکتا۔''

''تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصہ تک انڈر گراؤنڈ رہو۔'' رضیہ نے میرے خاموش ہونے پر

''اس طرح چھپ کر بیٹھ رہنا بھی میرے لئے ممکن نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اتنے روز سے تو گھر میں بیٹھے ہوئے ہو؟'' رضیہ نے مجھے گھورا۔

''اس کی وجہ تھی۔'' میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ میرے چہرے پر تقریباً ایک ہفتے کی داڑھی تھی۔ کل پہلے تو میں نے سوچا تھا کہ شیو بنا لوں لیکن پھر کچھ سوچ کر صرف خط بنانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ اس وقت میرے چہرے پر مغل کٹ داڑھی تھی اور سر پر بھی کچھ بال نظر آنے لگے تھے۔ اپنا گنجا پن چھپانے کیلئے احتیاطاً میں نے گھر سے باہر نکلتے ہوئے کل بھی اور آج بھی گولف کیپ پہنی تھی۔ یہ ٹوپی بھی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رضیہ کے شوہر الیاس کی وارڈ روب سے ہی ملی تھی اور آج اخبار میں یہ خبر پڑھنے کے بعد مجھے لگتا تھا کہ اب کئی روز تک مجھے یہ ٹوپی استعمال کرنی پڑے گی۔

اس رات ہم تینوں ہی دیر تک جاگتے اور اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن ظاہر ہے ہمارے پاس اس کا کوئی حل نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ احتیاط سے کام لیا جائے۔

رضیہ شاید ابھی وہ زیورات فروخت کرنے کے موڈ میں نہیں تھی لیکن میں اسے مجبور کرتا رہا کہ ان میں سے کچھ چیزیں فروخت کر کے رقم مجھے دے دی جائے۔ اگرچہ رضیہ نے مجھے پیشکش کی تھی کہ میں اپنی ضرورت کی جتنی رقم چاہوں اس سے لے لوں مگر میں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

ان زیورات کو دیکھ کر رضیہ کی رال بھی ٹپکنے لگی تھی وہ بعض چیزیں اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی۔ ان میں وہ نیکلس بھی تھا جو نرگس نے پسند کیا تھا اور پھر یہ طے ہوا کہ صراف سے ان کی قیمت لگوالی جائے۔ رضیہ مجھے وہ قیمت ادا کر دے گی۔

اسی شام ہم چند چیزیں لے کر شاہ عالمی سے ملحق صرافہ بازار میں پہنچ گئے۔ رضیہ مجھے ایک بہت بڑی دکان پر لے گئی۔ اس نے یہاں سے بعض قیمتی چیزیں بنوائی تھیں۔ دکان کا مالک چوہدری وحید اس کا شناسا تھا۔

رضیہ نے بندھی ہوئی چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ ان زیورات کو دیکھ کر چوہدری وحید کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ وہ ایک ایک چیز اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا آخر میں وہ اس نیکلس کو بہت دیر تک دیکھتا رہا پھر رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''اس نیکلس کی قیمت تو ہندوستان کا کوئی راجہ یا عرب کا کوئی شیخ ہی دے سکتا ہے۔ یہاں اس کا گاہک تلاش کرنے کے لئے آپ کو طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑے گا۔''

''ویسے کیا قیمت ہوگی اس کی؟'' رضیہ نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر سنسنی کی سی کیفیت ابھر آئی تھی۔

چوہدری وحید نے ایک بار پھر نیکلس کو دیکھا۔ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میرے اندازے کے مطابق 75 لاکھ سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ ایک کروڑ سے اوپر بھی ہو سکتی ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''یہ سونا اٹھائیس قیراط کا ہے۔ بات اصل میں سونے کی بھی نہیں' قیمت تو ان ہیروں کی ہے جو اس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ویسے بھی اٹھائیس قیراط کا سونا ہمارے ہاں استعمال نہیں ہوتا اور اس نیکلس اور یہ دوسرے زیورات کی بناوٹ بھی ہم سے مختلف ہے۔ نفاست اور صناعی کا بہترین نمونہ ہیں یہ۔ ویسے کہاں سے ملے آپ کو یہ زیورات؟''

رضیہ نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا لیکن خاموش رہی۔

چوہدری وحید صرف دو چیزوں کی قیمت دینے کو تیار تھا۔ ایک جڑاؤ کنگن اور ایک دوسرا لاکٹ اس میں بھی ایک مٹر کے دانے کے برابر اور چار چھوٹے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

پندرہ لاکھ میں سودا ہوا تھا اور طے پایا تھا کہ ہم کل صبح دس بجے کے بعد کسی بھی وقت یہ چیزیں لے کر آئیں اور ہمیں نقد ادائیگی کر دے گا۔

ہم دکان سے باہر آ گئے۔ رضیہ نے وہ چیزیں لپیٹ کر اپنے پرس میں رکھ لیں۔

اس وقت شام کے سات بجے تھے۔ کار مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی مال روڈ پر آ گئی۔ اور پھر رضیہ نے کار لارڈز ریسٹورنٹ کے سامنے روک لی۔ ہم تقریباً ایک گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے۔ کافی کی چسکیوں کے ساتھ ان زیورات کے بارے میں بھی باتیں ہوتی رہیں۔ اب مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ ساری چیزیں کروڑوں کی مالیت کی تھیں۔ میں ماؤنٹ آبو کے پنڈت بھیرو کے انتخاب کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے واقعی قارون کا خزانہ جمع کر رکھا تھا۔

نو بجے کے قریب ہماری کار کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوئی تو گن مین نے رضیہ کو بتایا کہ اس کے دو جاننے والے اس کے انتظار میں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

چند منٹ بعد جب میں رضیہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو ٹھٹک کر دروازے ہی میں رک گیا۔ ان دونوں میں ایک چہرہ تو میرے لئے اجنبی تھا لیکن دوسرے کو دیکھ کر میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

وہ محمد بوٹا تھا۔ جس نے جگت سنگھ کے ساتھ مجھے اس رات گھیرنے کی کوشش کی تھی۔

بوٹا بھی چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

☆...☆...☆

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com
www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"یہ...... یہی ہے وہ......" بوٹا چیختا ہوا ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نہایت پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جیب سے پستول بھی نکال لیا تھا۔ "اس رات یہی آدمی ہمیں دھوکا دے کر چودھری اشرف کے ڈیرے سے بھاگا تھا۔ اس کی وجہ سے ہمیں کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اس سے اس طرح ملاقات ہو جائے گی۔ اب یہ بچ کر کہاں جائے گا۔"

مجھے اپنا دل پسلیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ بوٹے نے مجھے پہچان لیا تھا۔ اس رات جب سرحد پار کرنے کے بعد میں جگت سنگھ کے ساتھ اس ویران ڈیرے پر پہنچا تھا تو میرا حلیہ سکھوں جیسا تھا۔ بے تحاشا لمبے بال...... بڑھی ہوئی داڑھی مونچھیں۔ ڈیرے سے فرار کے بعد نہر کے کنارے حجام نے مجھے نہ صرف گنجا کر دیا تھا بلکہ میری داڑھی مونچھیں اور بھنویں تک مونڈ ڈالی تھیں۔ میری ہیئت بڑی عجیب سی ہو گئی تھی۔ مگر کئی روز گزر جانے کے بعد میرا حلیہ بتدریج تبدیل ہونے لگا تھا۔ سر پر ایک انچ کے قریب بال آ گئے تھے اور داڑھی کے بال بھی تقریباً اتنے ہی بڑھے تھے جنہیں میں نے صاف کرنے کے بجائے مغلیہ کٹ داڑھی میں ترتیب دے لیا تھا اور میرا حلیہ پہلے والے حلیے کے قریب تر تھا اور اسی لیے معمولی سی کوشش کے بعد محمد بوٹا نے مجھے پہچان لیا تھا اور اب وہ مجھ پر پستول تانے کھڑا تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے مسٹر۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ اس سے پہلے بھی ہمارا آمنا سامنا نہیں ہوا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" بوٹا غرایا۔ "اگر تم نے بال چھوٹے کروا لیے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو تمہیں ہزاروں میں بھی پہچان سکتا ہوں۔ اب تم بچ نہیں سکو گے۔ کوئی چالاکی کام نہیں آئے گی۔ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو...... اور تاجی اس کی تلاشی لو۔" اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا جو اب بھی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

تاجی نام کا وہ شخص اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا قد چھ فٹ سے کچھ نکلتا ہوا تھا۔ اس نے جینز اور دھاری دار شرٹ پہن رکھی تھی۔ شکل صورت سے تو وہ شریف سا لگتا تھا مگر اس کے عزائم اچھے نہیں تھے۔ میری طرف بڑھتے ہوئے اس کی بھنویں تن گئی تھیں۔

"رک جاؤ تاجی۔" میرے قریب کھڑی ہوئی رضیہ چیخی۔ اس نئی صورت حال نے اسے بھی کسی حد تک بوکھلا دیا تھا۔ "یہ میرا مہمان ہے [illegible] تم اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ پستول نیچے کر لو۔"

"اگر یہ تمہارا مہمان ہے تو پھر یہ تمہارے ساتھ بھی بہت بڑا فراڈ کر رہا ہے رضیہ بی بی۔" بوٹے نے جواب دیا۔ "اس شخص کی وجہ سے ہمیں کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ یہ اس رات ہمیں دھوکا دے کر بھاگ گیا تھا۔ اسے شاید معلوم نہیں تھا کہ تم بھی ہم میں سے ہو ورنہ یہ تمہارے قریب پھٹکنے کی بھی ہمت نہ کرتا۔ تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ رضیہ بی بی۔ ہم دونوں اس سے نمٹ لیں گے......"

"میں کہتی ہوں پستول نیچے کر لو بوٹے۔" رضیہ کے لہجے میں اس مرتبہ ناگواری نمایاں تھی۔ "تم بھول رہے ہو تم اس وقت میری چھت کے نیچے ہو اور یہ بھی میرا مہمان ہے۔ تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

"غلط فہمی نہیں ہو رہی۔ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔" بوٹے نے جواب دیا۔ "اس سے پوچھو کیا یہ اس رات جگتے کے ساتھ سرحد پار کر کے نہیں آیا تھا اور کیا ہمیں دھوکا دے کر چودھری اشرف کے ڈیرے سے نہیں بھاگا تھا۔ اس سے پوچھو وہ زیورات کہاں ہیں جو یہ اس رات دھوکے سے ہم سے چھین کر بھاگ گیا تھا۔"

زیورات کے نام پر رضیہ چونک گئی اور الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ زیورات کی بات سن کر میں بھی اچھل پڑا۔ رضیہ کو میں نے بتایا تھا کہ سرحد پار کرنے کے بعد میں نے اپنے گاؤں میں کسی کے ہاں پناہ لی تھی اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ سرحد پار کرتے ہوئے میرے ساتھ جگت سنگھ نامی ایک اور آدمی بھی تھا جو مجھے کسی ڈیرے پر لے گیا تھا اور جہاں بوٹے سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے رضیہ کو تو یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ میں نے تقریباً پانچ لاکھ کی بھارتی کرنسی اپنے لیے بیکار سمجھ کر ان دونوں کو دے دی تھی اور انہوں نے زیورات پر قبضہ کرنے کے لیے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس رات ان دونوں کی پٹائی کر کے ڈیرے سے بھاگ نکلا تھا۔

وہی زیورات اس وقت رضیہ کی تحویل میں تھے اور بوٹے نے ان کا حوالہ دے کر میرے کردار کو مشکوک بنا دیا تھا۔ رضیہ کی آنکھوں میں بھی تشکیک کی لہر ابھر آئی تھی اور وہ الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا قصہ ہے تاجی؟" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے اس سے پوچھو کہ پانچ لاکھ روپے مالیت کی وہ بھارتی کرنسی کہاں ہے جو میں نے اسے اور جگت سنگھ کو دی تھی۔" میں نے کہا۔ میرے خیال میں اب اپنے آپ کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔

"کیا...؟" رضیہ اچھل پڑی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بوٹے کی طرف گھوم گئی۔ "اس سوال کا تمہارے پاس کیا جواب ہے بوٹے؟" وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "تم نے وہ انڈین کرنسی میری موجودگی میں بڑے کتے کی [illegible] سے تبدیل کرائی تھی اور تمہیں اس کے صرف دو لاکھ ملے تھے۔ تم نے اس انڈین کرنسی کے بارے میں ایک مختلف کہانی سنائی تھی۔ اب کیا کہتے ہو؟"

"تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ رضیہ بی بی۔" بوٹا غرایا۔ "یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ ہم نمٹ لیں گے۔"

"اب میں بیچ میں آ گئی ہوں تو ہٹ نہیں سکتی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "تمہیں اصل بات بتانی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہوگی ورنہ تم جانتے ہو کہ تمہارے خلاف میری رپورٹ شاہ جی کو بھڑکا دے گی اور شاہ جی کو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ تم جیسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا کرتا ہے۔ اگر تم اصل بات بتا دو تو معاملہ یہیں پر ختم ہوسکتا ہے۔"

"تم میرے مقابلے میں ایک اجنبی کی حمایت کر رہی ہو رضیہ بی بی۔" بوٹے نے جواب دیا۔ اس نے اب بھی مجھ پر پستول تان رکھا تھا۔

"یہ اجنبی نہیں ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "اسے تو میں اس وقت سے جانتی ہوں جب اس کی عمر چودہ سال تھی۔ یہ میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔ البتہ تم اپنے آپ کو مشکوک بنا رہے ہو۔ اس سے پہلے بھی تم کچھ غلط حرکتیں کر چکے ہو۔ یہ میں تمہیں آخری موقع دے رہی ہوں۔ اصل بات بتا دو ورنہ....."

"یہ اصل بات نہیں بتائے گا رضیہ۔ میں بتاتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "قصہ دراصل یہ ہے کہ....." میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے سرحد پار کرنے کے بعد کے واقعات سے آگاہ کرنے لگا۔ "زیورات کے علاوہ میرے پاس تقریباً پانچ لاکھ روپے مالیت کے بھارتی کرنسی نوٹ بھی تھے جو میرے خیال میں میرے لیے بیکار ہوگئے تھے۔ میں نے محض خیر سگالی کے جذبے کے طور پر وہ ساری رقم اسے دے دی تھی اور یہی میری بہت بڑی غلطی تھی۔ انہوں نے میرے تھیلے میں وہ زیورات بھی دیکھ لیے اور رات کو سوتے میں مجھے قتل کر کے وہ زیورات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے ان کی نیت پر پہلے ہی شبہ ہوگیا تھا۔ میری قسمت ہی اچھی تھی جو میری آنکھ کھل گئی اور میں دونوں کی ٹھکائی کر کے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ لوگ مجھے شاید کوئی معمولی چور اچکا سمجھ رہے ہیں۔ انہیں بتاؤ میں کون ہوں؟ وہ کون تھا جس نے برسوں تک پولیس کو انگلیوں پر نچائے رکھا؟ وہ کون تھا جس نے راجستھان میں بھارتی پولیس، انٹیلی جنس 'را' دوسری بھارتی ایجنسیوں کو طویل عرصہ تک تگنی کا ناچ نچائے رکھا۔ میں نے تو بڑے بڑے سورماؤں کی گردنیں مروڑ دی ہیں۔ اس رات انہیں زندہ چھوڑ کر میں نے ان پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ کئی مہینوں بعد اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد یہ پہلا شخص تھا جس سے میرا سامنا ہوا تھا اور میں اسے دوست بنانا چاہتا تھا اور اسی لیے خیر سگالی کے طور پر اسے ایک خطیر رقم بھی دی تھی لیکن یہ اس قدر کم ظرف نکلا کہ اس نے جگت سنگھ کے ساتھ مل کر مجھے ہی قتل کرنے کی کوشش کی۔ ان زیورات پر قبضہ کرنے کے لیے۔ اسے یہ بھی بتا دو کہ وہ زیورات اس وقت کہاں ہیں۔"

میری اس طویل گفتگو کے دوران بوٹے کے چہرے کا رنگ بار بار بدلتا رہا۔ وہ کبھی میری طرف دیکھتا اور کبھی رضیہ کی طرف۔ بوٹے کا ساتھی تاگی خاموش کھڑا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

"سن لیا تم نے بوٹے۔" رضیہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "ناجی اس میدان کا پرانا کھلاڑی ہے۔ میں سمجھتی ہوں اس کے آجانے سے ہماری طاقت میں اضافہ ہوگا۔ میں شاہ جی سے اس کی ملاقات کرانے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم اسے اپنا دشمن بنانا چاہتے ہو۔ اس چیز پر قبضہ کرنے کے لیے جو تمہاری نہیں تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اگر ناجی میرے لیے اجنبی ہوتا تو میں اس کی بات کا نہیں تمہاری بات کا یقین کرتی ناجی کو میں اس لیے نہیں جھٹلا سکتی کہ اسے میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اگر تم بھی ذہن پر زور دو تو تمہیں یاد آجائے گا کہ چند سال پہلے زیرزمین دنیا میں

ناجی کے نام کا ڈنکا بجتا تھا اور پھر حالات نے ایسا رُخ پلٹا کہ اسے لاہور چھوڑ کر جانا پڑا۔ قسمت اسے ہندوستان لے گئی اور اب یہ طویل عرصے بعد واپس آیا ہے تو ہمیں گرمجوشی سے اس کا خیرمقدم کرنا چاہیئے نہ کہ ہم اسے اپنا دشمن بنا لیں۔" بات کرتے ہوئے رضیہ کی نظریں بدستور بوٹے کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "چند روز پہلے تم دونوں کے بیچ جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ وہ پانچ لاکھ کی رقم ناجی کی طرف سے دوستی کا تحفہ سمجھو اور ہاتھ اٹھانے کے بجائے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لو۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ بصورت دیگر اگر بات شاہ جی تک پہنچ گئی تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔"

بوٹے کے چہرے پر شدید تناؤ تھا۔ آنکھوں میں بھی الجھن کے تاثرات نمایاں تھے۔ میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس نے مجھے کون سے کروڑوں روپے کے نقصان کا ذمے دار ٹھہرانے کی کوشش کی تھی لیکن اب بازی پلٹ گئی تھی۔ رضیہ نے حقیقت جان لی تھی اور ویسے بھی وہ مجھے بہت عرصے سے جانتی تھی اس لیے بھی وہ میری بات کو زیادہ اہمیت دے رہی تھی اور بوٹا بھی یہ بات سمجھ چکا تھا کہ اس نے مجھے پھنسانے کی جو چال چلنے کی کوشش کی تھی وہ ناکام ہو چکی تھی لیکن شاید اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا فیصلہ کرے۔

"رضیہ بی بی ٹھیک کہتی ہے یار بوٹے۔" میرے سامنے کھڑے ہوئے اس کے ساتھی تاگی نے کہا۔ "مجھے یاد آ رہا ہے کہ ناجی باؤ کا تو بڑا ٹھیکا ہوا کرتا تھا اب یہ کئی مہینے غائب رہنے کے بعد واپس آ گیا ہے اور ہماری ہی پارٹی میں آیا ہے تو اسے ہمیں اپنی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے۔ پستول جیب میں ڈال اور آگے بڑھ کر سینے سے لگا لے اسے۔ یار بنا اپنا۔"

بوٹے کے چہرے پر اب بھی الجھن کے تاثرات نمایاں تھے جیسے وہ کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا ہو۔ تاگی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا تو اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

میں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ بوٹا بھی ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد آگے بڑھ آیا۔ میرا خیال تھا وہ گلے شکوے مٹانے کے لیے گلے ملے گا لیکن اس نے صرف دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔

"معاف کرنا یار ناجی باؤ۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "غلطی ہوئی مجھ سے۔ میرا خیال ہے مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ دراصل وہ سب کچھ جگتے کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے مجھے ورغلایا۔"

"بھول جاؤ اب اس بات کو۔" میں نے بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا میں سمجھ گیا کہ اب وہ سارا بوجھ جگت سنگھ پر ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس وقت یہاں موجود نہیں تھا۔ ویسے میں جان چکا تھا کہ ساری شرارت اسی کی تھی۔ لالچ اس کے دل میں تھا۔ جگت سنگھ کو بھی اس نے ورغلایا ہوگا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ بوٹے کے دل میں میرے لیے اب بھی کدورت موجود تھی۔ اس نے غالباً کسی مصلحت کے تحت ہتھیار ڈال دیئے تھے لیکن اس نے جس انداز سے مجھ سے ہاتھ ملایا تھا اس سے مجھے پتہ چل گیا تھا کہ اس کی نیت میں کھوٹ اور دل میں کینگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

ہم لوگ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ رضیہ نے نوری کو بلا کر چائے وغیرہ لانے کو کہا۔

اور پھر باتوں میں یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ ہندوستان میں جس پارٹی نے مجھے سرحد پار کرائی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تھی رضیہ کی پارٹی سے ان کے گہرے روابط تھے اور ان دونوں پارٹیوں کے درمیان مال کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔

اس رات میں نے سرحد کے دوسری طرف گاؤں کے باہر درختوں کے جھنڈ میں دو ٹرک دیکھے تھے۔ یہ سمگلر جب سرحد پر ادھر کا مال ادھر کرتے ہیں تو بڑی پلاننگ سے کام لیتے ہیں یا تو دونوں طرف کے سرحدی محافظ ان کے پے رول پر ہوتے ہیں یا اصل مقام سے دور سرحد پر کسی اور جگہ سرحدی محافظوں کو مصنوعی جھڑپ میں الجھا کر دوسری جگہ سے مال ادھر ادھر پہنچا دیتے ہیں۔

اس روز بھی کچھ ایسا ہی منصوبہ تھا۔ سرحدی پٹی پر بیدیاں والی سائیڈ پر کسی مصنوعی جھڑپ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ فائرنگ کی آواز میں نے بھی سنی تھی۔ فائرنگ شروع ہوتے ہی انہوں نے ہمیں دوسری طرف سے نکال دیا تھا لیکن را کے ایجنٹ ہماری تاک میں تھے۔ بہرحال میں اور جگت سنگھ کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل آئے تھے۔

جگت سنگھ ہمیں سرحد پار کرانے کے لیے ساتھ آیا تھا۔ اس کے آنے کا مقصد یہ تھا کہ یہاں آ کر شادی کو بتا دے کہ رات کے آخری پہر ہیروئن بنانے والے کیمیکل کے ڈرموں سے لدے ہوئے دو ٹرک سرحد پار کرنے آئیں گے۔ ٹرکوں کے یہاں پہنچنے میں ان پر لدے ہوئے ڈرم ٹھکانے لگا دیئے جائیں

لیکن جگت سنگھ نے رات کا باقی حصہ میرے اور بولے کے ساتھ اس ڈیرے پر ہی گزارا تھا۔ بولے کے بتانے کے مطابق چونکہ ہماری وجہ سے سرحد پر فائرنگ ہوئی تھی جس سے دور دور تک سرحدی محافظ ہوشیار ہو گئے تھے اس لیے اس کے خیال میں ٹرکوں کے سرحد پار کرنے کا پروگرام معطل کر دیا گیا ہوگا۔ اس لیے جگت سنگھ شادی کے پاس بھی نہیں گیا تھا لیکن میرے خیال میں میرے پاس قیمتی زیورات دیکھ کر بولے کی نیت بدل گئی تھی اور اس نے جگت سنگھ کو بھی روک لیا تھا۔ بہرحال ٹرک پروگرام کے مطابق مقررہ وقت پر سرحد پار کر کے آ گئے تھے لیکن سرحد سے تقریباً نصف میل اندر پاکستان کے سرحدی محافظوں کے گھیرے میں آ گئے۔ ان دونوں ٹرکوں کے ساتھ آٹھ دس آدمی تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک دونوں طرف سے زبردست فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہا اور بالآخر سمگلر ٹرک چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اس مقابلے میں ایک سرحدی محافظ اور دو سمگلر مارے بھی گئے تھے۔ ہیروئن بنانے کے کیمیکل سے لدے ہوئے دونوں ٹرک سرحدی محافظوں کے قبضے میں آ گئے۔ جنہیں بعد میں حکومت کے متعلقہ محکمے کی تحویل میں دے دیا گیا۔ اس طرح اس پارٹی کو کروڑوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

رضیہ اور تائی کی باتوں سے بولے نے بظاہر تو اپنی شکست تسلیم کر لی تھی لیکن اس کے دل میں کدورت تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ آنے والے وقتوں میں بھی نہ کبھی میرے خلاف کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور کرے گا جس سے مجھے نقصان پہنچ سکے۔

تائی اور بولے کسی کام سے ہی رضیہ کے پاس آئے تھے لیکن میرے سامنے بات نہیں ہوئی۔ میں اٹھ کر اندر آیا تو مہمان خانے والے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی چلا گیا۔

"لگتا ہے تمہاری ناراضگی ختم کرنے کے لیے مجھے کوئی اور قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔" میں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے مسلسل نظر انداز کر رہے ہو۔" نرگس نے جواب دیا۔ "جب دیکھو اسی حرافہ کی بغل میں گھسے رہتے ہو۔"

"مصلحت مائی ڈیئر۔" میں نے جواب دیا۔ "بس دو چار دن کی بات ہے۔ اس کے بعد ہم دونوں یہاں سے بالکل الگ ہو جائیں گے۔"

"وہ دونوں کون ہیں۔" نرگس بولی۔ "اس نے تم پر پستول کیوں تانا تھا۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔"

"لمبی کہانی ہے کسی وقت فرصت میں سناؤں گا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے تو اب ڈر لگنے لگا ہے۔ جلدی کوئی اپنا بندوبست کرو۔" نرگس نے کہا۔ "تم نے تمام زیورات بھی اس حرافہ کی جھول میں ڈال دیئے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے وہ اب تمہیں ٹھینگا دکھا دے گی۔"

"وہ ایسا نہیں کر سکتی۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "رضیہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔ ایسی کوئی حماقت کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔"

"مجھے شبہ ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔ "تم نے حماقت کی کہ سب کچھ اس کے حوالے کر دیا۔ مجھے تو اس کی نیت کچھ ٹھیک نظر نہیں آتی۔ وہ تمہیں مسلسل بہلا رہی ہے۔"

"ایسی بات نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا۔ رضیہ اور سب کچھ کر سکتی ہے لیکن مجھے دھوکا نہیں دے گی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آج ہم ایک جیولر کے پاس گئے تھے اس نے ان چیزوں کی قیمت لگائی ہے اور کل صبح رقم کی ادائیگی کا وعدہ کیا ہے اور بات دراصل یہ ہے کہ رضیہ ان زیورات کو فروخت کرتے ہوئے کچھ ہچکچا رہی ہے۔"

"کیوں؟" نرگس نے مجھے گھورا۔

"وہ تمام زیورات اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ بات اس نے کچھ دیر پہلے بھی کہی تھی۔ زیورات اسے اچھے لگے ہیں اور وہ مجھے ان کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہے۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اس کی نیت اچھی نہیں ہے۔" نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے وہ زیورات رکھ کر قیمت دے دے لیکن وہ نیکلس... وہ میں نہیں دوں گی۔"

"اور وہ نیکلس ہی اسے سب سے زیادہ پسند آیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن تم پریشان مت ہو۔ وہ نیکلس تمہاری ہی اس خوبصورت صراحی دار گردن کی زینت بنے گا۔" میں نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیئے اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت دروازے کا ہینڈل گھومنے کی آواز سنائی دی۔ میں نرگس کو چھوڑ کر جلدی سے الگ ہٹ گیا۔ دروازہ کھلا اور رضیہ کمرے میں گھس آئی۔ اس نے پہلے مشتبہ نگاہوں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا پھر بولی۔

"کیا بات ہے تم لوگ کھانا نہیں کھاؤ گے؟ دس بج رہے ہیں۔"

میں نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ باتوں میں وقت گزرنے کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔

"تم لوگ چلو۔ میں آ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ باہر نکلتے ہوئے کمرے میں گھس گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں دس منٹ بعد ڈرائنگ روم میں پہنچا تو رضیہ اور نرگس کے چہرے دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس مختصری مدت میں ان دونوں میں کوئی معرکہ ہو چکا ہے۔ میں نرگس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

گیارہ بجے کے قریب رضیہ تیار ہو کر کہیں چلی گئی۔ اس نے مجھے بھی نہیں بتایا کہ کہاں جا رہی ہے۔ مجھے اس پر کچھ شبہ سا ہوا لیکن نرگس پر میں نے اپنے اس شبہ کا اظہار نہیں کیا۔

کئی روز بعد مجھے اور نرگس کو اس طرح بیٹھنے اور آزادی سے باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ نرگس کا بس ایک ہی اصرار تھا کہ میں جلد سے جلد رضیہ سے زیورات واپس لے لوں اور ہم پہلی فرصت میں یہاں سے نکل جائیں۔

رات دو بجے تک تو ہم باتیں کرتے رہے اور پھر میں نرگس ہی کے کمرے میں سو گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ رضیہ کی واپسی کب ہوئی تھی۔

رضیہ سے میری ملاقات صبح گیارہ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس وقت نرگس اپنے کمرے میں ہی تھی۔ رضیہ سے باتیں کرتے ہوئے میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں نے اس کی باتوں میں نمایاں تبدیلی محسوس کی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ تم جیولر کو وہ دو زیور دے کر پیسے لے آئیں۔ اس نے آج گیارہ بجے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا۔“ میں نے کہا۔

”میں اس وقت ایک بہت ضروری کام سے جا رہی ہوں۔“ رضیہ نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔ ”جیولر کی دکان تو رات نو بجے تک کھلی رہے گی۔ ہم کسی بھی وقت جا سکتے ہیں۔“

”تم جانتی ہو مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اگر تم وہاں جانے کے لیے وقت نہیں نکال سکتیں تو وہ زیور مجھے دے دو۔ میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں۔“

”وہ تمہیں پیسے نہیں دے گا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ تمہیں پولیس کے حوالے بھی کر دے۔“ رضیہ نے کہا۔ میں چونک گیا۔ اس کے لہجے میں کچھ عجیب سی بات تھی۔ ”ابھی دو تین د پہلے اخباروں میں تمہارے اور نرگس کے بارے میں بڑی تفصیل سے چھپا ہے۔ تمہیں احتیاط کرنی چاہئے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم دو چار دن گھر سے باہر بھی مت نکلو۔“

رضیہ کی اس بات نے بھی مجھے چونکا دیا تھا۔ اس کا لہجہ اور انداز گفتگو ایسا تھا جیسے اخباروں میں شائع ہونے والی اس خبر کے حوالے سے مجھے دباؤ میں رکھنا چاہتی ہو۔

”لیکن میں اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ مجھے پیسوں کی بھی ضرورت ہے اور......“

”تمہیں جتنے پیسوں کی ضرورت ہے مجھ سے لے لو۔“ رضیہ نے میری بات کاٹ دی۔ ”شاہ جی کو کراچی سے واپس آ جانے دو پھر تم اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ رکھے نہیں بیٹھے رہ سکو گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ ”فی الحال تم مجھے دو لاکھ روپے دے دو۔ باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔ ضرورت پڑی تو تم سے اور رقم لے لوں گا۔“

”تم بیٹھو میں رقم لا کر دیتی ہوں۔“ رضیہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔

میرا دماغ گھوم گیا۔ اس سے پہلے اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔ اپنے بارے میں اور اس سینڈیکیٹ کے بارے میں خود بخود بہت سی باتیں بتا چکی تھی۔ لیکن کل بوٹے اور تاگی کے آنے کے بعد سے اس کا رویہ بدل گیا تھا۔ اب وہ میرے سامنے رقم بھی نہیں نکالنا چاہتی تھی۔ گویا اسے مجھ پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ اس نے جس طرح مجھے بیٹھے رہنے کو کہا تھا اس سے واقعی میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ یہ جملہ کہتے وقت اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ آئی تھی اس نے بھی مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

رضیہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے دروازہ بھی اندر سے لاک کر لیا۔ لاک کے کھٹکے کی آواز یہاں تک سنائی دی تھی اور پھر دفعتہً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے دبے قدموں چلتا ہوا رضیہ کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ نرگس اپنے کمرے میں تھی۔ وہ آ بھی جاتی تو مجھے اس کی فکر نہیں تھی۔ نوری کچن میں تھی اور کچن ہال کمرے کے بائیں طرف تھا اور وہاں سے اس طرف نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

میں نے جھک کر دروازے کے لاک کے کی ہول سے آنکھ لگا دی اور اس کے ساتھ ہی میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔

رضیہ سامنے سٹیل کی خوبصورت الماری کے پاس جھکی بیٹھی تھی۔ الماری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے سب سے نچلے خانے میں ہاتھ ڈال کر کچھ کپڑے ہٹائے اور اس خانے کے اندر کچھ ٹٹولنے لگی اور پھر اٹھ کر اس نے الماری کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر حرکت دی۔ اور میرا خیال ہے اس وزنی الماری کو حرکت دینے کے لیے اسے زیادہ زور نہیں لگانا پڑا تھا۔

الماری اپنی جگہ پر گھوم گئی۔ اس کا بائیں طرف کا آدھا حصہ دیوار کے اندر چلا گیا تھا۔ جبکہ باقی آدھا حصہ دیوار سے ہٹ کر سامنے آ گیا تھا۔ الماری چار فٹ چوڑی تھی۔ چوڑائی کا دو فٹ کا حصہ سامنے آ گیا تھا۔ الماری چار فٹ چوڑی تھی۔ چوڑائی کا دو فٹ کا حصہ ایک طرف دیوار میں چلا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے حصے الماری کے پیچھے کی دیوار نظر آ رہی تھی اور اس دیوار میں ڈھائی فٹ اونچی اور ڈیڑھ فٹ چوڑی ایک اور الماری نظر آ رہی تھی۔

اس الماری کا ہینڈل وغیرہ کوئی نہیں تھا۔ البتہ لاک کی جگہ نظر آ رہی تھی۔ رضیہ نے ڈریسنگ ٹیبل سے چابیوں کا گچھا اٹھا کر ایک چابی منتخب کی اور وہ چابی دیوار کی الماری کے مخفی قفل میں لگا کر دروازہ باہر کی طرف کھینچا۔

اس الماری کا دروازہ کھلتے ہی میں اچھل پڑا۔ نیچے اوپر تین خانے تھے۔ سب سے نیچے والے خانے میں کچھ فائلیں اور کاغذات تھے۔ اوپر والے خانے میں زیورات کے ڈبے رکھے ہوئے نظر آ رہے تھے اور سب سے اوپر والے خانے میں نوٹوں کے بنڈل تھے۔ ان کے ساتھ ہی میرا وہ میلا سا تھیلا بھی رکھا ہوا تھا جس میں کروڑوں کے زیورات موجود تھے۔

رضیہ نے سب سے اوپر والے خانے سے ہزار ہزار کے نوٹوں والے دو بنڈل نکال لیے اور دروازہ بند کر دیا۔ لاک لگا کر چابی نکالی اور پھر سٹیل کی الماری کو بھی گھما کر اس کی جگہ پر فٹ کر دیا اور جھک کر

www.pdfbooksfree.pk

سب سے نیچے والے خانے میں پھر ٹٹولنے لگی۔

میں سیدھا ہوگیا اور ٹھیک اسی وقت نرگس اس راہداری میں داخل ہوئی۔ اس نے مجھے دروازے کے سامنے جھکے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور اسے بازو سے پکڑ کر ہال میں لے آیا۔

"کیا بات ہے تم دروازے کے سامنے جھکے ہوئے کیا کر رہے تھے؟" نرگس نے پوچھا۔ اس کی آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔

"بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے سرگوشی میں جواب دیا۔

ہم دونوں آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ تقریباً تین منٹ بعد رضیہ بھی وہاں آگئی۔ اس کے ہاتھ میں نوٹوں کے دو بنڈل تھے جو اس نے میرے سامنے میز پر ڈال دیئے۔

"دو لاکھ ہیں۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ضرورت پڑے تو مزید لے لینا۔"

میں رضیہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے جس انداز میں نوٹوں کے بنڈل میرے سامنے پھینکے تھے اس سے میرا خون کھول اٹھا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو قابو میں رکھا تھا۔ رضیہ کے بارے میں میرے خدشات کو تقویت مل رہی تھی۔ اس کا رویہ بدلتا جا رہا تھا اور شاید نرگس کا یہ شبہ درست تھا کہ وہ زیورات ہضم کرلینا چاہتی تھی لیکن میں اسے آسانی سے یہ ہضم نہیں ہونے دوں گا۔

چند منٹ بعد رضیہ تیار ہو کر چلی گئی۔ اس نے آج بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ کہاں جا رہی ہے اور کب واپس آئے گی۔

"یہ دو لاکھ کیسے ہیں؟" نرگس نے اس کے جانے کے کافی دیر بعد الجھی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ نوٹوں کی دونوں گڈیاں ابھی تک کافی ٹیبل پر ہی رکھی ہوئی تھیں۔

"آج ہمیں جیولر کے پاس جانا تھا۔ اس نے زیور خریدنے کے لیے رقم کا بندوبست کیا ہوگا لیکن رضیہ نے کہیں اور جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ میں نے اسی لیے کچھ رقم لی ہے۔ الگ مکان کا بندوبست کرنے کے لیے۔" میں نے آخری الفاظ بہت دھیمے لہجے میں کہے تھے۔ "میں ابھی نکلوں گا اور آج کسی مکان کا بندوبست کرکے ہی لوٹوں گا۔ یہ ایک بنڈل سنبھال کر رکھ لو۔ بعد میں بھی پیسوں کی ضرورت پڑے گی۔"

"انہیں اپنے ہی پاس رکھو۔ میں کہاں سنبھالوں گی اور ویسے بھی میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔" نرگس نے کہا۔

"تمہارے لیے باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔ "میرا تو حلیہ بدلا ہوا ہے پہچان میں نہیں آؤں گا لیکن تم فوراً پہچان لی جاؤ گی۔"

"میری کون سی اخبار میں تصویر چھپی ہے جو فوراً پہچان لی جاؤں گی۔" نرگس نے تنک کر کہا۔ "شہر والوں کو اور بھی بہت سے کام ہیں۔ لوگ ہمیں ہی تو تلاش کرتے نہیں پھر رہے ہوں گے۔ میں چلوں گی تمہارے ساتھ۔" اس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔" میں نے چند لمحے خاموشی کے بعد کہا۔ "تو پھر نوٹوں کا بنڈل کمرے میں کہیں ایسی جگہ پر رکھ دو کہ کسی کی نظروں میں نہ آسکے اور تم تیار ہو جاؤ۔ ہم آدھے گھنٹے بعد یہاں سے نکلیں گے۔"

نرگس نوٹوں کا ایک بنڈل اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں چند لمحے وہیں بیٹھا رہا اور پھر رضیہ کے کمرے میں آگیا۔ میں اگرچہ رات کو ہال کمرے میں صوفے پر سوتا تھا مگر میرے کپڑے وغیرہ رضیہ ہی کے کمرے میں ہوتے تھے۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا نوٹوں کا بنڈل بیڈ پر اچھال دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ رضیہ کی [illegible] کی خوبصورت الماری کی طرف دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا اور میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا الماری کے قریب آگیا۔

میں نے ایک بار گھوم کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے کا آٹو میٹک تالا بند ہوگیا تھا۔ میں الماری کی طرف گھوم گیا۔ اور ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستگی سے دبا دیا۔ الماری لاک نہیں تھی۔ ہینڈل بڑے آرام سے نیچے دب گیا۔

میں نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھول دیا اور نیچے جھک کر سب سے نچلے خانے میں رکھے ہوئے کپڑوں کو ہٹا کر ٹٹولنے لگا۔

مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ میری انگلیاں دیوار والی سائیڈ پر ایک ابھرے ہوئے آنکڑے سے ٹکرائیں۔ میں نے آنکڑا اس کی جگہ سے ہٹا دیا اور اٹھ کر الماری کو حرکت دینے لگا۔ مجھے زیادہ طاقت استعمال نہیں کرنی پڑی تھی۔ الماری اپنی جگہ پر گھوم گئی۔

پچھلی طرف دیوار میں وہ الماری تھی۔ دروازہ میرے سامنے تھا جس میں [illegible] قفل لگا ہوا تھا۔ میں نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ چابیوں کا وہ گچھا ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ یہ الماری چونکہ پوشیدہ تھی اور کسی غیر آدمی کی نظروں میں نہیں آسکتی تھی اس لیے رضیہ نے چابیوں کے حوالے سے زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا تھا۔

میں چابیوں کا وہ گچھا اٹھانے کے لیے بیڈ کے اوپر سے گھوم کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھا ہی تھا کہ باہر گاڑی کی آواز سن کر چونک گیا۔ میں نے کھڑکی کا پردہ بہت معمولی سا ہٹا کر دیکھا۔ وہ رضیہ کی گاڑی تھی۔

میں تیزی سے الماری کے قریب گیا۔ اسے گھما کر اس کی جگہ پر لایا۔ نیچے جھک کر نچلے خانے میں ہاتھ ڈال کر آہنی آنکڑا اس کی جگہ فٹ کیا اور بڑی آہستگی سے الماری بند کرکے کمرے کے دروازے کا لاک کھول دیا۔ اس وقت رضیہ کی آواز ہال کمرے سے سنائی دے رہی تھی۔ وہ نوری سے کچھ کہہ رہی تھی۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا اور بڑی پھرتی سے کپڑے اتار کر شاور کھول دیا۔ باتھ روم کا دروازہ میں نے جان بوجھ کر ایک انچ کے قریب کھلا رہنے دیا تھا۔ میں شاور کے نیچے کھڑا کسی گیت کو اونچی آواز میں گنگنانے لگا۔

اور پھر کمرے کا دروازہ کھلا۔ رضیہ کے ساتھ مجھے نوری کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں نے باتھ روم کا دروازہ ایک بالشت کے قریب کھول دیا اور باہر جھانکتے ہوئے چیخا۔

"اے! کوئی ہے مجھے تولیہ دے دو۔"

aazzamm@yahoo.com
www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"کیا بات ہے، کیوں چیخ رہے ہو؟"

رضیہ کی آواز سن کر میں نے دروازہ چند انچ کے قریب مزید کھول دیا اور سر باہر نکال کر بولا۔ "ارے! تم واپس آ گئیں۔ وہ دراصل میں نہانے کو گھسا تو تولیہ لینا بھول گیا۔ نرگس سے کہو۔ باہر سے تولیہ لا دے۔"

رضیہ نے نرگس کو زحمت دینے کے بجائے نوری کو تولیہ لینے بھیج دیا اور سٹیل کی الماری کھول کر اوپر کے خانے میں کچھ تلاش کرنے لگی۔

"تم جلدی واپس آ گئیں!" میں نے پوچھا۔

"ایک چیز لینا بھول گئی تھی۔ اس کے لیے واپس آئی ہوں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ اور کپڑوں کے نیچے سے براؤن جلد والی ایک ڈائری نکال لی۔

"میرے ٹیلر کا بھی لمبا چوڑا حساب ہو گیا ہے۔ یہی سوچ کر نکلی تھی کہ آج اس کا حساب بھی کر دوں گی۔ لیکن ڈائری یہیں بھول گئی تھی۔"

اس نے ڈائری کندھے پر لٹکے ہوئے پرس میں ڈال لی اور الماری بند کر کے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ نوٹوں کا بنڈل تم نے ایسی بے پروائی سے پھینکا ہوا ہے۔" اس نے بیڈ پر پڑے ہوئے بنڈل کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا خیال ہے اس گھر میں ایسا تو کوئی نہیں جس سے کسی غلط حرکت کی توقع ہو۔ نوری بھی قابل اعتماد اور بھروسے کی عورت ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم کہیں جا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"فی الحال تو نہا رہا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے انارکلی تک جانے کا ارادہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ شام تک واپسی ہو گی۔" رضیہ نے کہا اور اسی وقت نوری تولیہ لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر تولیہ لے لیا اور دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔ میں نے رضیہ سے بے مقصد باتیں اس لیے کی تھیں کہ وہ کمرے میں میری موجودگی سے کسی قسم کے شبہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ ویسے ایک عدد تولیہ تو باتھ روم میں بھی موجود تھا۔

رضیہ کی ٹیلر کے حساب والی بات میرے حلق سے نہیں اتری تھی۔ درزی گاہکوں کا حساب اپنے پاس رکھتے ہیں۔ رضیہ کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ اس حیثیت کے لوگ تو حساب رکھتے ہی نہیں، کوئی بھی چیز خریدتے وقت بھاؤ تاؤ کرنا کسر شان سمجھتے ہیں۔ جس نے جو مانگا دے دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ رضیہ بہت نچلے طبقے سے اوپر آئی تھی۔ لیکن ایسے قسم کے لوگ تو رعب جھاڑنے کے لیے یوں بھی دکھاوے کے لیے پیسہ لٹاتے ہیں اور رضیہ کی ڈائری میں درزی کا حساب یہ بات میری سمجھ سے باہر تھا۔ اس ڈائری میں یا تو کوئی اور حساب تھا یا وہ کسی اور وجہ سے واپس آئی تھی اور مجھے ٹالنے کے لیے ڈائری کا بہانہ کر دیا تھا۔

میں نہا کر بدن پر تولیہ لپیٹ کر باہر نکل آیا۔ کمرے کا دروازہ بند کیا اور وارڈ روب سے کپڑے نکال کر پہننے لگا۔

میں تیار ہو کر باہر نکلا تو نرگس ہال کمرے میں تیار بیٹھی تھی۔ نوٹوں کا بنڈل میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے چند ہزار کے نوٹ نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیے اور باقی بنڈل نرگس کے حوالے کر دیا جو اس نے اپنے پرس میں رکھ لیا۔

"کھانا تیار ہونے والا ہے۔ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟" نوری نے کچن کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"آج ہم کھانا باہر کھائیں گے۔ بلکہ کھانے کے بجائے بانو بازار کی چاٹ کھائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہارے ہاتھ کا یہ کھانا ہم رات میں کھا لیں گے۔"

نوری کندھے اچکا کر رہ گئی۔ میں نے نرگس کو اشارہ کیا اور ہم دونوں باہر آ گئے۔ نرگس نے گلابی رنگ کا لباس پہنا تھا جو اس پر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ دوپٹہ لمبائی کے رُخ پر تہہ کر کے بائیں کندھے پر آگے پیچھے لٹکا رکھا تھا۔ قمیص کسی قدر چست تھی جس سے اس کے بدن کے نشیب و فراز نمایاں ہو گئے تھے۔

نرگس آج پہلی مرتبہ اکیلی میرے ساتھ کہیں جا رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔

ہم گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر آ گئے۔ اس دوران ہم یہ طے کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے کہ ہمیں مکان کس علاقے میں لینا چاہیے۔ نرگس لاہور شہر سے پوری طرح واقف نہیں تھی، جبکہ میں اس شہر سے اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح واقف تھا۔ اس لیے نرگس نے یہ فیصلہ بھی مجھ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔

ہم مین روڈ پر ایک میرج ہال کے سامنے کھڑے رہے۔ ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند منٹ بعد ہی ایک خالی ٹیکسی ہمارے قریب آ کر رک گئی۔

"کتھے جاناں ہے باؤ جی؟" ڈرائیور نے کھڑکی سے گردن نکال کر میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"لکشمی چوک" میں نے کہا اور ڈرائیور کے جواب کا انتظار کیے بغیر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ پہلے نرگس کو بیٹھنے کا موقع دیا اور پھر خود بھی اندر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔

سیٹ اگرچہ کافی کشادہ تھی مگر نرگس میرے ساتھ چپک کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور بھی اپنے سامنے لگے ہوئے آئینے میں بار بار ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس عورت کو پٹا کر لایا ہوں۔

اس وقت دوپہر کا ڈیڑھ بجا تھا۔ ٹیکسی شاہراہ جلال الدین رومی پر دوڑتی ہوئی ٹیمپل روڈ اور پھر مال روڈ کراس کرتی ہوئی ہال روڈ اور وہاں سے میکلوڈ روڈ پر آ گئی۔ وہاں سے لکشمی چوک تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

میں نے ٹیکسی نسبت روڈ والی سائیڈ پر رکوالی۔ ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے جہاں چند اچھے ریستوران تھے۔ ان ریستورانوں میں صبح سے رات تک کڑاہی گوشت، بالٹی گوشت اور چکن تکہ وغیرہ چلتا رہتا تھا۔ ہم ایک ریسٹورنٹ میں آ کر بیٹھ گئے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کھانا کھانے کے بعد ہم تین بجے کے قریب ریسٹورنٹ سے نکلے۔ اس وقت ایبٹ روڈ پر واقع سینماؤں کے شو شروع ہونے والے تھے اس لیے ہمیں فوراً ہی ٹیکسی مل گئی۔

اس مرتبہ ٹیکسی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی اسلامیہ کالج کے قریب سے مال روڈ کی طرف مڑ گئی۔ یہ سڑک آگے جا کر دریائے راوی پر پل سکیاں سے ہوتی ہوئی بائی پاس روڈ تک چلی گئی تھی۔

اس سڑک پر تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کا فاصلہ طے ہونے کے بعد ایک چھوٹے سے چوراہے پر میں نے ٹیکسی رکوالی اور ہم نیچے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ سڑک کے دائیں بائیں کشادہ گلیاں تھیں۔ صاف ستھرا علاقہ تھا۔ سرخ اینٹوں سے بنے ہوئے قدیم طرز کے مکان بڑے اچھے لگ رہے تھے۔

ہمیں زیادہ نہیں پھرنا پڑا' اس چوک پر ذرا آگے ایک پراپرٹی ڈیلر کا دفتر نظر آ گیا۔

ایئر کنڈیشنڈ دفتر اور شاندار فرنیچر دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان کا بزنس خوب چل رہا تھا۔ دفتر کے آگے والے حصے میں بھی ایک آفس ٹیبل لگی ہوئی تھی' جس پر بائیس تیئس سال کی عمر کا ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ دفتر کا پچھلا نصف حصہ شیشے کی پارٹیشن سے الگ کیا گیا تھا' شیشے کی پارٹیشن پر اندر کی طرف اوپر سے نیچے تک باریک ریشمی جالی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ یہ پردہ ایسا تھا کہ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں والی بات تھی۔ پارٹیشن کے دوسری طرف بھی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آفس ٹیبل کے پیچھے اور دوسرا سامنے صوفے پر۔

باہر کی میز پر بیٹھے ہوئے لڑکے نے اٹھ کر ہمارا استقبال کیا۔ ہم نے اپنا مدعا بیان کیا تو وہ شیشے والا دروازہ کھول کر ہمیں اندر لے گیا۔ سامنے آفس ٹیبل کے پیچھے جو شخص بیٹھا ہوا تھا اس کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہوگی۔ گوری چٹی رنگت' کلین شیو' ایک ہاتھ کی دو انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں' دوسرے ہاتھ کی کلائی میں قیمتی گھڑی' اس نے سفید پینٹ اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس نے بھی اٹھ کر ہمارا استقبال کیا۔ جبکہ دوسرا آدمی اٹھ کر بیرونی دفتر میں چلا گیا تھا۔

''آج موسم کچھ گرم ہو رہا ہے۔'' سمارٹ شخص نے ہمیں صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کچھ ٹھنڈا پینے سے تو آپ بالکل انکار نہیں کریں گے۔''

''ہم تو ایک عدد مکان کی تلاش میں ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ کے پاس ڈھنگ کا کوئی مکان ہو تو ہمیں بتائیے۔''

''آپ کوئی امید لے کر ہی اس دفتر میں داخل ہوئے ہیں نا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ چوہدری امین تھا۔ اس ایجنسی کا مالک۔ ''میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ آپ انشاء اللہ مکان کی چابی لے کر ہی جائیں گے۔ آپ اپنی ضرورت بتائیے۔ کتنے بیڈ رومز کا مکان مناسب رہے گا۔ یا کوئی کوٹھی؟''

''اس علاقے میں کوئی کوٹھی .....''

''بہت کوٹھیاں ہیں۔'' اس مرتبہ اس نے میری بات کاٹ دی۔ ''آپ کو یقیناً کوئی ایک پسند آ جائے گی۔''

دفتر کے باہر سائیڈ سٹریٹ میں اس کی سوزوکی کار کھڑی تھی۔ ہم دونوں پیچھے بیٹھ گئے اور اس نے سٹیئرنگ سنبھال لیا۔

قرب و جوار کی گلیوں میں اس نے ہمیں تین مکان دکھائے۔ وہ تینوں ہماری ضرورت سے بہت بڑے تھے۔ بالآخر اس نے آفس والی سڑک پر آ کر کار سامنے والی گلی میں موڑ لی۔ تقریباً سو گز کے فاصلے پر گلیوں کا چوراہا تھا۔ اس نے کار بائیں طرف موڑ لی اور سو گز کا مزید فاصلہ طے کر کے کار دائیں طرف گلی میں موڑ کر روک لی اور انجن بند کر دیا۔ میں اور نرگس اس سے پہلے ہی کار سے اتر گئے۔

یہ گلی کافی کشادہ تھی۔ دائیں طرف کار پر سرخ اینٹوں کی اونچی چار دیواری تھی جس کے اندر کی طرف جامن کا ایک بہت بڑا درخت بھی تھا۔ چوہدری امین کار سے اتر کر اس طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''یہ کوٹھی آپ کی ضرورت کے عین مطابق ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو پسند بھی آئے گی۔''

اس اونچی دیوار میں لکڑی کا بڑا گیٹ تھا۔ اس کا رنگ وغیرہ اتر چکا تھا لیکن گیٹ خاصا مضبوط تھا۔ چوہدری امین نے چابیوں کے گچھے میں سے ایک چابی منتخب کر کے ذیلی دروازے کا تالا کھولا اور پہلے خود اندر داخل ہوا پھر ہمیں بلا لیا۔

سرخ اینٹوں ہی سے بنا ہوا صحن بہت وسیع تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا لان بھی تھا۔ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے گھاس سوکھ رہی تھی اور پورے صحن میں جامن کے خشک پتے بکھرے ہوئے تھے۔

عمارت کو دیکھ کر مجھے راجستھان یاد آ گیا۔ پرانے طرز کی یہ عمارت راجستھان کے طرز تعمیر سے بہت ملتی جلتی تھی۔ سامنے ہی کشادہ پورچ تھا۔ اس کے پیچھے وسیع برآمدہ۔

چوہدری امین نے برآمدے والا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر تمام کمروں کی بتیاں جلاتا چلا گیا۔

یہ کوٹھی میری پسند کے مطابق تھی۔ تین بیڈ رومز اور ایک وسیع لاؤنج تھا۔ مکان چونکہ قدیم طرز کا تھا اس لیے چھتیں کافی اونچی تھیں۔ رنگ و روغن شاید عرصہ سے نہیں کیا گیا تھا۔ اوپر جانے کے لیے اندر سے بھی زینہ تھا اور باہر سے بھی سیڑھیاں تھیں۔ اوپر بھی ایک کمرہ تھا۔ جس کے ایک طرف برآمدے کی چھت بطور ٹیرس استعمال ہو رہی تھی اور دوسری طرف وسیع چھت تھی۔ جامن کی کئی شاخیں اس چھت پر جھکی ہوئی تھیں۔

ہم پورا مکان دیکھتے ہوئے ایک بار پھر آنگن میں نکل آئے۔ ایک دروازہ مرکزی گلی کی طرف بھی کھلتا تھا۔

میں چوہدری امین سے قدرے دور ہٹ کر نرگس سے مشورہ کرنے لگا۔ اسے بھی یہ کوٹھی پسند آئی تھی۔ اس کا کرایہ سات ہزار روپے اور ایک سال کا ایڈوانس۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اس کوٹھی میں ٹیلی فون بھی تھا جو اس وقت اگرچہ بند تھا' مگر دو تین دنوں میں کھلوایا جا سکتا تھا۔

''لگتا ہے کئی برسوں سے رنگ نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' میں نے چوہدری امین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ کوٹھی دراصل میاں حشمت کی ملکیت ہے جو طویل عرصہ سے مفلوج ہیں اور ان کی بیگم ایک پرائیویٹ ادارے میں ملازم ہیں۔ بیگم کی تنخواہ کے علاوہ اور کوئی ذریعہ آمدنی نہیں۔ رنگ و روغن نہ ہونے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کی وجہ سے پچھلے چھ مہینوں سے خالی پڑی ہے۔ میں نے کئی مرتبہ میاں صاحب سے کہا ایک مرتبہ کڑوا گھونٹ بھر لیں لیکن ان کی آمدنی....."

"رنگ و روغن کا خرچہ میں برداشت کرلوں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن کام کتنے روز میں مکمل ہو جائے گا؟"

"ایک ہفتہ تو لگ جائے گا۔" چودھری امین نے کہا۔ "آیئے دفتر میں چل کر بات کرتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہم دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چودھری امین نے ایک بار پھر کولڈ ڈرنکس منگوا لیے اور اس کوٹھی کے بارے میں تفصیلات طے ہونے لگیں۔ میں نے دس ہزار روپے بیعانہ اور دس ہزار روپے کوٹھی کے رنگ و روغن کے لیے بھی دے دیئے۔

"آپ صبح ہی کام شروع کروا دیں۔" میں نے کہا۔ "ہوسکتا ہے ہم کام کے دوران ہی یہاں شفٹ ہو جائیں۔ اس لیے سب سے پہلے ایک بیڈ روم مکمل کروا دیں۔ باقی کام ہوتا رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" چودھری امین نے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"آپ کل کسی وقت آجایئے تا کہ ایگریمنٹ پر دستخط ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے ہوسکتا ہے ہم کل کچھ فرنیچر بھی یہاں پہنچا دیں۔" میں نے بیعانے کی رسید تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اس روز جب ہم رضیہ کی کوٹھی پر واپس پہنچے تو شام کے سات بج رہے تھے۔ رضیہ گھر پر موجود نہیں تھی۔ نوری سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ہم سے پہلے گئی تھی اور ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی تھی۔ یہ بھی اچھا ہی تھا کہ وہ ہم سے پہلے نہیں آئی تھی ورنہ مجھے اور نرگس کو ساتھ دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو جاتا۔

رضیہ اس رات دس بجے کے قریب واپس آئی تھی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کے آنے کے بعد نرگس اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ رضیہ کی موجودگی میں وہ بہت کم اپنے کمرے سے نکلتی تھی۔ میں نے رضیہ سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن وہ ٹال گئی۔

اگلے روز صبح دس بجے کے قریب میں نرگس کو لے کر نکل گیا۔ رضیہ اس وقت سو رہی تھی۔ ہم دونوں شہر کے ایک مصروف علاقے میں واقع فرنیچر مارکیٹ پہنچ گئے اور اپنی ضرورت کے مطابق فرنیچر کا انتخاب کرنے لگے۔

سہ پہر تین بجے کے قریب ہم ایک ٹیکسی پر سوار ایبٹ روڈ کی طرف جا رہے تھے۔ ہمارے پیچھے وہ ٹرک تھا جس میں فرنیچر کے علاوہ بستر' برتن اور ضرورت کا اور بھی بہت سا سامان موجود تھا۔ سامان خریدتے وقت نرگس نے ایک ایک چیز کا خیال رکھا تھا۔

نصف درجن آدمی کوٹھی میں موجود تھے۔ صحن میں بکھرے ہوئے جامن کے خشک پتے صاف کیے جا چکے تھے۔ تین چار آدمی دیواروں کی رگڑائی کر رہے تھے۔ دو آدمی رنگ بنا رہے تھے۔ ایک آدمی کمروں کے فرش پر چھ مہینوں کی جمع دھول مٹی صاف کر رہا تھا۔

چودھری امین بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے کام کرنے والوں کی مدد سے آدھے گھنٹے میں ٹرک سے سامان اتروا کر کوٹھی کے ایک ایک کمرے میں رکھوا دیا جہاں سب سے بعد میں کام ہونا تھا۔

"بات یہ ہے چودھری صاحب۔" میں نے کہا۔ "ہم جہلم سے آئے ہوئے ہیں اور اپنے ایک عزیز کے ہاں قیام پذیر ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ کسی عزیز کے ہاں زیادہ دن ڈیرہ نہیں جمایا جاسکتا اس لیے....."

"میں سمجھ گیا۔" چودھری امین نے میری بات کاٹ دی۔ "آپ بتایئے سب سے پہلے کون سا کمرہ تیار کروا دیا جائے۔ آپ چاہیں تو کل یہاں شفٹ بھی ہوسکیں گے۔"

میں نے اور نرگس نے ایک بار پھر گھوم پھر کر پوری کوٹھی کا جائزہ لیا اور وہ کمرہ منتخب کیا جس کی ایک کھڑکی برآمدے کی طرف اور دوسری پہلو والے صحن کی طرف کھلتی تھی۔ اس کمرے سے نہ صرف سامنے والے مرکزی دروازے پر بلکہ سائیڈ والے دروازے پر بھی نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔

اس روز بھی ہم شام کے قریب ہی گھر واپس پہنچے تھے۔ نہ صرف رضیہ بلکہ بوٹا بھی وہاں موجود تھا۔ ان دونوں نے بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا۔ نرگس تو اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں وہیں ان دونوں کے پاس لاؤنج میں بیٹھ گیا۔ دس منٹ بعد بوٹا رخصت ہو گیا۔

"کیا چکر ہے؟" رضیہ نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "آج کل تم دونوں بہت سیر سپاٹے کر رہے ہو۔ نوری نے بتایا تھا کہ تم لوگ کل بھی سارا دن غائب رہے تھے۔"

"تم ہی نے تو کہا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے نرگس سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔" میں نے مسکراتے ہوئے سرگوشی میں جواب دیا۔

"پیچھا چھڑانے کو کہا تھا اسے بغل میں لے کر سیر سپاٹے کرنے کو نہیں۔" رضیہ نے مجھے گھورا۔

"نرگس کا دور کا ایک سسرالی عزیز مغل پورہ میں رہتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "رائے ونڈ میں یہ لوگ اکٹھے ہی رہتے تھے۔ یہ نرگس کی شادی سے پہلے کی بات ہے۔ اکرم نامی وہ شخص ان دنوں نرگس کی طرف مائل بھی تھا۔ نرگس کی شادی ہوئی تو وہ مایوس ہو کر لاہور آ گیا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں نے نرگس کو سمجھایا تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں بٹھا دی تھی کہ میرے ساتھ رہے گی تو خطرات میں گھری رہے گی۔ نہ صرف پکڑے جانے کا اندیشہ ہے بلکہ میرے دشمنوں کے ساتھ کسی جھڑپ میں وہ ماری بھی جاسکتی ہے۔ میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اب ہم دو دن سے مغل پورہ میں اکرم کو تلاش کر رہے ہیں۔ اکرم نے اب تک شادی نہیں کی۔ نرگس کو پا کر اس کی باچھیں کھل جائیں گی۔ میں نے نرگس سے وعدہ کیا ہے کہ میں اسے لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ دے دوں گا۔ اکرم اس رقم سے کوئی چھوٹا موٹا کاروبار بھی شروع کرسکتا ہے۔ میں نے اس سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ کبھی کبھار میں اس سے ملتا رہوں گا۔"

"کیا واقعی تم اس سے ملو گے؟" رضیہ نے مجھے گھورا۔

"کہہ دینے میں کیا حرج ہے۔" میں مسکرا دیا۔

"اور اسے یہ بات بھی سمجھا دینا کہ یہاں سے جانے کے بعد دوبارہ اس طرف آنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر اس نے کبھی اس کوٹھی میں قدم رکھا تو اسے فلک شیر کے حوالے کر دوں گی۔" رضیہ نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ وہ دوبارہ یہاں نہیں آئے گی۔ ویسے یہ کون ذات شریف ہے میرا مطلب ہے فلک شیر؟"

"اپنا چوکیدار۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ ویسے ہی اسے دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں بھرتا رہتا ہے۔ میرا اشارہ پا کر وہ اسے مگرمچھ کی طرح سالم ہی نگل جائے گا۔"

میں نے بھی ہنس کر اس کی بات ٹال دی۔ رضیہ نے نرگس کے حوالے سے اور کوئی بات نہیں کی تھی اور میرا خیال تھا کہ میں نے نرگس کے کسی سسرالی عزیز کی تلاش کے سلسلے میں جو من گھڑت کہانی سنائی تھی وہ اس سے مطمئن ہوگئی تھی۔

"زیورات کا کیا ہوا؟" چند لمحے خاموشی کے بعد میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ان دونوں کے دوران تم نے جیولر سے کوئی رابطہ کیا یا نہیں؟"

"ابھی نہیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "اس روز میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ان زیورات کی بہت کم قیمت لگا رہا ہے۔ وہ لوٹ کا مال سمجھتا ہے۔"

"لوٹ کا مال ہی تو ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے ان زیورات کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ سنو گی تو حیرت ہوگی۔"

"حیرت کی کیا بات؟" اس نے مجھے گھورا۔ "ہندوستان میں کوئی دولت مند عورت تمہارے ہتھے چڑھ گئی ہوگی اور تم اسے کسی ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ لیے ہوگے۔ اس کا سب کچھ چھین کر۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "یہ زیورات ہندوستان کے مندروں سے لوٹے ہوئے ہیں۔"

"مندروں سے؟" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "مندر تو عبادت گاہیں ہیں ہماری مسجدوں کی طرح۔ وہاں جیولرز نے دکانیں تو نہیں سجا رکھی ہوں گی جنہیں لوٹ لایا گیا ہو۔"

"ہندوستان کے مندر سونے کی کانیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ان مندروں میں پوجا کے لیے آنے والے لوگ نقد رقم کے علاوہ قیمتی چیزیں، طلائی زیورات اور سونے کی مورتیاں بھینٹ کرتے ہیں۔ ان مندروں کے پجاریوں کو لاکھوں کی آمدنی ہوتی ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہمارے ہاں تو اوقاف کا محکمہ ہے جو درباروں کی دیکھ بھال کے علاوہ نذرانوں اور دوسری آمدنی کا حساب رکھتا ہے۔ اوقاف کی نگرانی کے باوجود لاکھوں کا ہیر پھیر ہو جاتا ہے۔ مگر ہندوستان میں کوئی اوقاف نہیں ہے۔ مندر آزاد ہیں۔ یہاں کروڑوں کی آمدنی ہوتی ہے اور ان مندروں پر قبضہ کرنے کے لیے پنڈتوں اور پجاریوں میں معرکہ آرائی ہوتی رہتی ہے۔ ان مندروں میں آدمی اس طرح نائب کر دیئے جاتے ہیں جیسے ان کا بھی وجود ہی نہ رہا ہو۔ ان مندروں کے پنڈتوں نے اتنی دولت جمع کر رکھی ہے جس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔" میں ایک بار پھر کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگیا اور پھر اسے پنڈت بھیرو کے بارے میں بتانے لگا۔ رضیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ "اگر میں پنڈت بھیرو کی ساری دولت لے آتا تو یہاں کے بائیس خاندانوں کی مشترکہ دولت بھی میری دولت مندی کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ میرے پاس یہ چند چیزیں تھیں جنہیں میں کسی نہ کسی طرح بچا کر لے آیا۔"

میں نے رضیہ کو بیلا کے بارے میں بھی بتایا۔ وہ اس طرح میری طرف دیکھ رہی تھی جیسے میری باتوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

"پھر تو تم واقعی دنیا کے سب سے بڑے احمق آدمی ہو۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولی۔ "تمہیں بیلا کی پیشکش قبول کر لینی چاہئے تھی۔ ہندوستان میں رہتے تو عیش کرتے۔ یہاں کیا رکھا ہے؟ پکڑے جانے یا کسی بھی وقت مارے جانے کا خوف!"

"میرے لیے جو کچھ بھی ہے اس مٹی میں ہے رضیہ بی بی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ یا تو کسی دشمن کی گولی کا نشانہ بن جاؤں گا یا سرکاری بدمعاشوں کے ہاتھوں پکڑا گیا تو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جاؤں گا لیکن مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ دفن ہونے کے لیے اپنے وطن کی مٹی تو ملے گی۔"

"عجیب منطق ہے تمہاری۔" رضیہ بولی۔ "وہ کون سا جرم ہے جو تم نے نہیں کیا۔ تمہارے ہاتھوں کئی قتل ہو چکے ہیں۔ تم اس وقت قانون کو سب سے زیادہ مطلوب ہو اور تم اس مٹی میں دفن ہونے کی باتیں کر رہے ہو۔"

"ہاں رضیہ بی بی۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "مٹی کی خوشبو ہی ایسی ہوتی ہے جو مسحور کر دیتی ہے۔ ایک عجیب سا سحر ہے اس مٹی میں۔ میں نے جرائم کا راستہ اپنایا ہے تو کیا ہوا۔ اس مٹی کی محبت تو میرے دل سے نہیں نکلی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "تم کسی قاتل، سمگلر، چور، ڈاکو یا کسی بھی جرائم پیشہ شخص کا سینہ چیر کر دیکھ لو۔ ان تمام برائیوں کے باوجود تمہیں اس کے دل میں اس وطن کی محبت ضرور ملے گی۔ دراصل مٹی کی محبت ہے ہی ایسی چیز جو دل سے کھرچی نہیں جا سکتی۔"

"یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔" رضیہ نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم قاتلوں اور سمگلروں کی بات کرتے ہو۔ میں نے تو کسی ایسے شخص کے دل میں بھی وطن کی محبت نہیں دیکھی جو وطن کی محبت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ لاکھوں روپے تنخواہ اور سرکاری مراعات پر عیاش کرنے والے اعلیٰ سرکاری آفیسر، سیاستدان، تاجر، صنعت کار، کس کے دل میں ہے وطن کی محبت؟ یہ لوگ دونوں ہاتھوں سے اس ملک کو لوٹ رہے ہیں۔ یہ ملک تو بہتی گنگا ہے۔ جس میں سب ہی ہاتھ دھو رہے ہیں اور تم اس مٹی سے محبت کی باتیں کر رہے ہو۔"

"ہاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اکیلا نہیں ہوں۔ میری طرح اور بھی بہت سے ایسے پاگل اس ملک میں موجود ہیں جو اپنے نام کے ساتھ جرائم کی ایک طویل فہرست ہونے کے باوجود اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ انہیں کسی بھی وقت موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔ اپنے دل میں مٹی کی محبت سے پیدا ہونے والی اس کسک کو محسوس کرتے ہیں۔"

"اچھا ختم کرو۔ میری سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری یہ باتیں۔" رضیہ نے کہا۔ "میں تو اتنا جانتی ہوں کہ دل میں وطن کی محبت ہو تو کوئی چوری نہ کرے، ڈاکے نہ مارے، قتل نہ کرے اور سمگلنگ نہ کرے۔ لیکن یہاں وطن کی محبت کس میں ہے۔ یہاں تو سب چور ہیں۔ کوئی چھوٹا چور کوئی بڑا چور۔ میں بھی چور اور تم

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بھی چور۔ ختم کرو یہ باتیں۔ ہندوستان کے مندروں کے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔ مجھے تو یہ سب کچھ سن کر حیرت ہو رہی ہے کہ لوگ اتنی قیمتی چیزیں پتھر کی مورتیوں کے سامنے ڈھیر کر دیتے ہیں۔"

"اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز۔" میں نے کہا۔ "تمہیں ایک اور دلچسپ واقعہ بتاؤں۔ میں ان دنوں ماؤنٹ آبو کے ایک مندر میں چھپا ہوا تھا۔ ایک روز ایک بوڑھا ٹھاکر اپنی جوان اور خوبصورت بیوی کو گنیش دیوتا کی مورتی کے قدموں میں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد وہاں جو صورت حال پیدا ہوئی اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"

"مثلاً؟" رضیہ نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"وہ لڑکی جوان اور بہت حسین تھی۔ عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ مندر کا ہر پنڈت اور پجاری اسے اپنے قبضے میں لینا چاہتا تھا۔ اس بات پر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا جو بڑھ کر سنگین جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا۔ پانچ پجاری زخمی ہوئے۔ دو کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ بات مندر کی دیواروں سے نکل کر پورے شہر میں پھیل گئی۔ لڑکی کو پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ پولیس نے اس بوڑھے ٹھاکر کو بھی تلاش کر لیا اور اس کی بیوی اس کے حوالے کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے اپنی پتنی گنیش دیوتا کے چرنوں میں بھینٹ کر دی تھی۔ وہ بھگوان کو دی ہوئی بھینٹ واپس نہیں لے سکتا۔ کئی روز تک جھگڑا چلتا رہا اور بالآخر اس لڑکی کو آشرم بھیج دیا گیا۔ چند روز بعد وہ آشرم کے ایک ملازم کے ساتھ بھاگ گئی اور اس طرح یہ قصہ ختم ہو گیا۔"

"تمہاری یہ کہانی دلچسپ ہے لیکن اس میں مبالغہ اور رنگ آمیزی کتنی ہے؟" رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک فیصد بھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہیں میری اس بات کا یقین نہیں آ رہا لیکن ہندوستان کے مندروں کی دنیا بڑی پراسرار ہے۔ وہاں تو اس سے بھی زیادہ دلچسپ' حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ بہرحال' میں قصے کہانیاں سنانے کے لیے یہاں تمہارے پاس نہیں بیٹھا۔ ان زیورات کی بات کرو کب تک ان کا سودا کرو گی؟" میں اصل موضوع پر آ گیا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ وہ صراف ان دو چیزوں کی بہت کم قیمت لگا رہا ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "چند روز رُک جاؤ۔ میں کسی اور جیولر سے بات کروں گی۔ یہ زیورات تمہارے ہاتھ مفت میں لگے ہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انہیں یونہی پھینک دیا جائے۔ پوری نہ سہی لیکن مناسب قیمت تو ملنی چاہئے۔ جلد بازی سے ہم نقصان میں رہیں گے۔"

ہم کے صیغہ پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ بھی اپنے آپ کو حصے دار بنا رہی تھی اور پھر نرگس کے آ جانے سے ہماری گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

دو دن اور گزر گئے۔ میرا خیال تھا کہ میں آؤٹ فال روڈ والا مکان لینے کے بعد ایک دو دن میں وہاں منتقل ہو جاؤں گا۔ ایگری مٹ ہو گیا تھا اور میں نے ایک سال کا کرایہ بھی دے دیا تھا لیکن مجھے رضیہ کے ہاں سے نکلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس روز کے بعد رضیہ ایک منٹ کو بھی گھر سے باہر نہیں گئی تھی اور میں نے جو منصوبہ بنا رکھا تھا اس پر عمل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ رضیہ کم از کم دو گھنٹوں کے لیے گھر

سے باہر ہو۔

ویسے میں نرگس کے ساتھ روزانہ اس مکان کے چکر لگا رہا تھا۔ وہاں چودھری امین کی نگرانی میں رنگ و روغن کا کام ہو رہا تھا۔ ہم تھوڑا تھوڑا سامان بھی وہاں پہنچاتے جا رہے تھے۔ نرگس گھرداری کا سارا سامان جمع کر لینا چاہتی تھی۔ اسے جو چیزیں بھی یاد آتیں خرید لیتی۔

وہ شاید پانچواں دن تھا۔ شام کا جھٹ پٹا تھا۔ میں رضیہ اور نرگس کے ساتھ لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ چوکیدار نے رضیہ کو کسی مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔

"ارے انہیں اندر لے کر آؤ باہر کیوں روک لیا؟" رضیہ نے چوکیدار کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ "شاہ جی آئے ہیں۔"

اور چند منٹ بعد جو شخص گیٹ میں داخل ہوا اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

ساڑھے پانچ فٹ کے قریب قد' جسم قدرے بھاری بھرکم' سفید کے ٹی کی شلوار قمیص اس پر کالی واسکٹ' پیروں میں تلے کی سلور کلر کی سلیم شاہی جس کی نوک آگے سے مونچھوں کی طرح مڑی ہوئی تھی۔ شیو جیسے کچھ دیر پہلے ہی بنایا گیا ہو۔ ٹوتھ برش ٹائپ کی بھاری مونچھیں اور سر پر براؤن رنگ کی قراقلی' اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ جیسے رات بھر جاگا ہو یا کسی قسم کا نشہ کر رکھا ہو۔

وہ شاہ جی تھا لیکن میں اسے سلطان پہلوان کے نام سے جانتا تھا۔ یہ کئی سال پہلے کی بات تھی۔ قصور میں جب شجاع میرے ہاتھوں مارا گیا تھا تو میں فرار ہو کر لاہور پہنچ گیا۔ لاہور بڑا شہر تھا اور میلوں دور تک پھیلا ہوا تھا اور مجھے یقین تھا کہ بغیر کسی شناخت کے پولیس مجھے انسانوں کے اس جنگل میں تلاش نہیں کر سکے گی۔

میں لاہور میں کئی روز تک ٹھوکریں کھاتا رہا۔ بالآخر دلی دروازے کے عین سامنے ایک ہوٹل میں مجھے نوکری مل گئی۔ میں سارا دن میزوں پر گاہکوں کو کھانا سرو کرتا۔ میزیں صاف کرتا' برتن دھوتا اور تب کہیں مجھے پیٹ بھر کھانا اور چند روپے مزدوری کے مل جاتے۔

میں کئی ہفتے اس ہوٹل میں کام کرتا رہا۔ اور پھر ایک روز یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ اس ہوٹل کا مالک ہیروئن کا دھندہ بھی کرتا تھا۔ صبح سے لے کر رات تک یہاں ایسے لوگ بھی آتے تھے جن کی صورت دیکھ کر یہی کہا جا سکتا تھا کہ وہ نشے کے عادی ہیں۔ انہیں ہوٹل کا گاہک بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ سیدھے کاؤنٹر پر جاتے۔ سیٹھ سے گپ شپ کرتے۔ جیب سے چند نوٹ نکال کر سیٹھ کو دیتے اور سیٹھ کاؤنٹر کی کسی خفیہ دراز سے ہیروئن کی پڑیا نکال کر گاہک کے ہاتھ میں تھما دیتا۔

مجھے سیٹھ کے اس غیر قانونی کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو اس بات پر مطمئن تھا کہ مجھے پناہ کی ایک جگہ مل گئی تھی۔ یہاں کوئی مجھے شناخت کرنے والا نہیں تھا۔ لیکن میری یہ خوش فہمی جلد ہی دور ہو گئی۔

ایک روز اپانک ہی قصور کا رہنے والا ایک آدمی اس ہوٹل پر پہنچ گیا جو مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ اس شخص نے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی اور میں اسے بہانے سے کچھ دور قدیم شہر کی فصیل کے قریب سنسان پارک میں لے گیا اور اس کا گلا گھونٹ کر لاش گندے نالے میں پھینک دی۔ دوسرے روز

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اس کی لاش مل گئی تھی لیکن پولیس یہ سراغ نہیں لگا سکی تھی کہ اس کا قاتل کون تھا۔

میں ایک بار پھر مطمئن ہوگیا۔ لیکن اس بار بھی امن و امان کی صورت حال زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکی۔

ہوٹل کے مالک کے پاس کچھ ایسے لوگ بھی آیا کرتے تھے جو ہیروئن کے دھندے میں اس کے پارٹنر تھے اور ان میں سلطان نامی یہ شخص بھی شامل تھا لیکن ان دنوں اس نے نہ تو مونچھیں رکھی ہوئی تھیں اور نہ ہی وہ ایسا صحت مند ہوا کرتا تھا۔

بہرحال، ہم ہوٹل کے تمام ملازم رات کو ہوٹل بند ہونے کے بعد چھت پر سویا کرتے تھے۔ میری ڈیوٹی رات گیارہ بجے ختم ہوجایا کرتی تھی اور میں تھکن سے چور چھت پر جا کر سو جایا کرتا تھا۔

اس رات بھی میں معمول کے مطابق اپنی ڈیوٹی ختم کر کے چھت پر جا کر اپنی چارپائی پر سو گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ جب میں چھت پر جا رہا تھا تو سلطان نامی یہ شخص بھی سیڑھی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

میں اس وقت گہری نیند میں تھا کہ شور کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی اور پھر مجھے فوراً ہی گڑبڑ کا احساس ہوگیا۔ پولیس نے ہوٹل پر چھاپہ مارا تھا۔ چھت پر سوئے ہوئے ملازم بھی جاگ گئے تھے اور بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کچھ لوگ سیڑھیوں سے بھاگتے ہوئے اوپر آ رہے تھے۔ اوپر اندھیرا تھا۔ ایک آدمی نے ایک تھیلا میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس کے الفاظ اب بھی مجھے یاد ہیں۔ اس نے کہا تھا۔

''یہ تھیلا لے کر بھاگ جاؤ یہاں سے۔ میں بعد میں تمہیں تلاش کرلوں گا۔''

وہ ہوٹل کا سیٹھ تھا۔ میں جانتا تھا کہ ہوٹل کے بعض ملازم بھی ہیروئن کے دھندے میں ملوث تھے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے سیٹھ نے مجھے پہچانا نہیں تھا اور تھیلا میرے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

میں نے ہوٹل کے پچھلی طرف تانگہ سٹینڈ میں چھلانگ لگا دی اور بھاگتا ہوا وہاں سے دُور نکل گیا۔ اس تھیلے میں تقریباً ایک کلو ہیروئن اور ایک لاکھ روپے کے قریب نقد رقم تھی۔ یہ تھیلا قبضے میں آنے کے بعد میرا دوبارہ ہوٹل کی طرف جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے وہ رات چاہ میراں کے ایک دربار کے کمپاؤنڈ میں گزاری۔ وہاں میری طرح اور بھی بہت سے لاوارث لوگ پڑے ہوئے تھے۔

وہ جگہ مجھے اچھی لگی۔ ملنگ اور مجذوب ٹائپ کے اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ کسی کو مجھ پر شبہ نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہی کوئی میری تلاش میں اس طرف آ سکتا تھا۔ یہ جگہ میرے لیے محفوظ تھی۔ یہاں سونے اور کھانے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ سونے کے لیے وسیع و عریض کمپاؤنڈ کا فرش تھا اور کھانے کی پریشانی اس طرح نہیں تھی کہ یہاں ہر وقت لنگر بٹتا رہتا تھا۔ مخیر حضرات پکی پکائی دیگیں خرید کر غریبوں اور مستحق لوگوں میں بانٹتے رہتے تھے اور مجھ جیسے حرام خور بھی عیش کرتے تھے۔

میں کئی روز اس دربار میں رہا۔ میرے تھیلے میں اگرچہ بڑی رقم موجود تھی لیکن میں نے وہ تھیلا ایک مرتبہ بھی نہیں کھولا تھا۔ اپنی جان سے زیادہ اس کی حفاظت کرتا تھا۔ کھانے پینے کو مفت مل جاتا تھا لوگوں سے خیرات کے پیسے بھی مل جاتے تھے۔ ایک آدمی نے تو مجھے کپڑوں کا ایک نیا جوڑا بھی دیا تھا۔ کئی روز بعد جب مجھے اطمینان ہوگیا کہ ہوٹل کے مالک کی طرف سے میری تلاش کا ہنگامہ سرد پڑ چکا ہوگا تو میں

اس دربار سے نکلا اور سب سے پہلے اپنا حلیہ بدل کر کرائے کے ایک مکان کا بندوبست کیا اور پھر وہیں سے میری زندگی کا وہ دور شروع ہوا جو میں کبھی نہیں بھلا سکوں گا۔ تھیلے سے ملنے والی رقم اور ایک کلو ہیروئن نے مجھے شہر کا ایک بہت بڑا منشیات فروش بنا دیا۔

میرا ایک باقاعدہ گروہ تھا۔ ہوٹل کے مالک پہلوان کو بھی پتہ چل گیا کہ میں کون ہوں۔ اس سے بھی میری ٹھن گئی اور ہم میں باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔

میرے دشمنوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ میرے ہاتھوں مارے جانے والوں کی تعداد بھی بڑھتی رہی۔ پولیس بھی اگرچہ میرے پیچھے لگی ہوئی تھی لیکن پولیس کے کئی آفیسر میرے پے رول پر تھے۔ اس لیے میرے اور پولیس کے درمیان فاصلہ برقرار رہا۔ لیکن جب ایک پولیس سب انسپکٹر بھی میرے ہاتھوں مارا گیا تو میرے گرد پولیس کا گھیرا تنگ ہونے لگا۔

اتفاق سے رضیہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے اپنا قصور والا مکان بیچ دیا تھا اور لاہور میں سیٹ ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں کئی روز تک شام نگر میں رضیہ کے مکان میں روپوش رہا۔ اس دوران میں نے سر کے بال اور داڑھی بڑھا لی اور پھر رضیہ ہی کی آڑ میں لاہور سے نکل گیا تھا اور نجانے کہاں کہاں کی خاک چھان کر پھر انہی لوگوں کے روبرو تھا۔

میری زندگی کے پرانے کردار آہستہ آہستہ پھر سامنے آنا شروع ہوگئے۔ پہلے رضیہ اور اب سلطان، جسے رضیہ شاہ جی کہتی تھی۔

شاہ جی گیٹ میں داخل ہونے کے بعد نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔ اس کے پیروں میں تلے والی سلیم شاہی سے چرچر کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں نے تو اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ اس کی صحت اچھی ہونے کے علاوہ چہرے پر صرف مونچھوں کا اضافہ ہوا تھا۔ جبکہ میرا حلیہ اس زمانے کی نسبت بہت بدلا ہوا تھا۔

جب وہ لان میں داخل ہوا تو رضیہ اس کے استقبال کے لیے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ مجھے بھی اٹھنا پڑا تھا۔ قریب آ کر شاہ جی نے پہلے رضیہ سے ہاتھ ملایا پھر میری طرف الجھی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''یہ ناجی ہے شاہ جی۔'' رضیہ نے میرا تعارف کرایا۔ ''میں اس سے آپ کو ملانا چاہتی تھی۔''

میرا نام سن کر شاہ جی چونک سا گیا۔ اس نے اگرچہ مجھ سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں الجھن بڑھ گئی تھی۔

رضیہ نے شاہ جی کے لیے بھی چائے منگوائی اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ میرا خیال تھا کہ شاہ جی میرے نام پر چونکا تھا لیکن اس نے شکل سے مجھے پہچانا نہیں تھا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران زیرِ زمین دنیا کے حوالے سے کچھ پرانی باتیں بھی زیرِ بحث آئی تھیں۔ میرا نام لیے بغیر شاہ جی نے کچھ ایسے معرکوں کا تذکرہ بھی کیا تھا جن کی ذمہ داری سو فیصد مجھ پر ہی عائد ہوتی تھی لیکن کسی بھی موقع پر میں نے یہ محسوس نہیں کیا تھا کہ شاہ جی مجھے پہچان گیا ہے۔

''تو پھر کیا خیال ہے شاہ جی؟'' رضیہ نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"ناجی کو ایک موقع دیں نا۔ یہ ہندوستان میں بڑے معرکے سر کر کے آیا ہے۔ اس کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

"معرکے تو اس نے یہاں بھی بڑے سر کیے ہیں۔" شاہ جی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے تجربات سے فائدہ ضرور اٹھاؤں گا۔ میں تو ان دنوں بھی اسے تلاش کرتا رہا تھا مگر یہ گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو گیا۔"

میرے لہو کی گردش تیز ہو گئی۔ دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میری یہ خوش فہمی دور ہو گئی کہ وہ مجھے شناخت نہیں کر سکا تھا' بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اس نے مجھے شروع ہی میں پہچان لیا تھا اور اب تک بلی چوہے والا کھیل کھیلتا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" رضیہ چونک گئی۔ "کیا آپ اسے پہلے سے جانتے ہیں؟"

"بہت اچھی طرح۔" شاہ جی مسکرا دیا۔ "میں تو اب تک یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ مجھ سے شناسائی ظاہر کرتا ہے یا نہیں لیکن ہر جگہ چالاکی کام نہیں آتی۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"میں نے بھی تمہیں گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی پہچان لیا تھا۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن میں جاننا چاہتا تھا کہ میرے بارے میں تمہارے خیالات کیا ہیں۔"

"خیالات تو کچھ بھی ہو سکتے ہیں لیکن بات بہت پرانی ہو چکی ہے۔" شاہ جی نے کہا۔ "تم اس ہوٹل میں کام کرتے تھے اور تمہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ حمید اپہلوان کے اس بزنس میں میرا بھی سرمایہ لگا ہوا تھا۔ اس رات ہوٹل پر چھاپے میں پولیس تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی لیکن تم ہمیں بہت زبردست چپت لگا گئے تھے۔ ہم نے تمہیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا۔ لیکن تمہارا کوئی سراغ نہیں ملا اور پھر تم ایک بڑے گینگسٹر کے رُوپ میں ہمارے سامنے آئے۔ ہم نے تمہیں گھیرنے کی کوشش کی مگر تم طاقت حاصل کر چکے تھے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہم تمہاری گردن ناپنے کی پوزیشن میں آ گئے تھے لیکن ایک پولیس آفیسر تمہارے ہاتھوں مارا گیا اور تم لاہور سے غائب ہو گئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس کے بعد صورت حال بتدریج تبدیل ہوتی چلی گئی۔ حمید اپہلوان پولیس کے ساتھ ایک جھڑپ میں مارا گیا۔ مجھے بھی چند دنوں کے لیے روپوش ہونا پڑا۔ جب معاملہ ٹھنڈا ہوا تو میں نے تمہاری تلاش شروع کر دی۔ تم سے حساب برابر کرنے کے لیے نہیں بلکہ مجھے تمہاری ضرورت تھی۔ میں پچھلی باتیں بھول کر تمہیں اس بزنس میں اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا۔ مگر تم تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو چکے تھے۔ آج طویل عرصے بعد تمہیں دیکھا ہے۔ میں پچھلی ساری باتیں بھلانے کے لیے تیار ہوں بلکہ بھول چکا ہوں۔ تمہارے نام کا اثر اب بھی ہے۔ رضیہ نے اس روز فون پر مجھ سے تمہارے بارے میں بات کی تھی لیکن میں اس وقت سمجھ نہیں سکا تھا۔ اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ تم ہو تو میں کراچی نہ جاتا اور اس روز تم سے ملاقات ہو جاتی۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

میں رضیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہر لحظہ بدل رہے تھے۔ اسے تو واقعی اس بات پر حیرت ہونی چاہئے تھی کہ ہم ایک دوسرے کے پرانے شناسا نکلے تھے۔ شاہ جی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اس وقت تم نے وہی کیا جو حالات کے تحت تمہیں کرنا چاہئے تھا۔ تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو یہی کرتا جو شخص موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ بہت بڑا احمق ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا تھا بلکہ تم نے تو موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور پھر جس طرح تم نے حالات کا مقابلہ کیا وہ قابل تعریف ہے۔ میں تو تمہیں تلاش کرتا رہا اور اب تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ رضیہ اگر تمہاری سفارش نہ بھی کرتی تو میں تمہیں پیشکش کرتا۔ اب حالات وہ نہیں ہیں' اپنا بڑا ٹھکانا ہے۔ پرانے دوستوں سے ہاتھ ملا لو۔ فائدے میں رہو گے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

میں نے ایک لمحہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا اور پھر شاہ جی سے ہاتھ ملا لیا۔

شاہ جی' کل کا سلطان جسے میں نے اکثر میلی سی دھوتی اور کرتہ پہنے دیکھا تھا' آج کا شاہ جی تھا۔ لاہور میں منشیات کا بادشاہ۔ صرف لاہور ہی نہیں اس کا کاروبار مکڑی کے جالے کی طرح پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔ مجھے رضیہ نے اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ میں نے شاہ جی کے بارے میں ذہن میں بڑے عجیب تصورات قائم کیے تھے لیکن اسے دیکھ کر مجھے اس سے بھی زیادہ حیرت ہوئی تھی۔ ایک معمولی سا ٹٹ پونجیا چند مہینوں میں ہی منشیات کی مارکیٹ پر چھا گیا تھا۔

شاہ جی نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اور میں نے اس سے ہاتھ ملا بھی لیا تھا۔ بظاہر اس نے پچھلی ساری باتیں بھول جانے کی بات کی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ ایسی باتیں آسانی سے نہیں بھلائی جا سکتیں۔ میں ان کا ایک لاکھ روپیہ نقد اور تقریباً ایک کلو ہیروئن لے کر بھاگا تھا۔ اس زمانے میں بھی ایک کلو ہیروئن کئی لاکھ کی تھی۔ جب تک میں ان کی نگاہوں سے اوجھل رہا تھا وہ اس بات کو بھولے رہے تھے۔ انہوں نے صبر کر لیا تھا لیکن اب میں دوبارہ سامنے آ گیا تھا۔ یہ زخم کسی بھی وقت ہرا ہو سکتا تھا۔

شاہ جی سے ملاقات اور اس پیشکش کے بعد بھی میں نے اپنے منصوبے کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں نے اپنے اس منصوبے پر بہر حال عمل کرنا تھا۔

"ٹھیک ہے ناجی باؤ۔" شاہ جی کرسی سے اٹھتے ہوا بولا۔ "یہ تو ہماری پہلی ملاقات تھی۔ ایک دوسرے سے از سر نو تعارف ہوئے ہیں۔ کل ہماری تفصیلی ملاقات ہو گی پھر تم سے پروگرام بنائیں گے۔ ویسے میں نے تمہارے لیے ایک کام سوچ لیا ہے۔ اگر تمہیں ملک سے باہر بھیجا جائے تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے' لیکن میرے پاس پاسپورٹ نہیں ہے اور نہ ہی بن سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ پاسپورٹ بن جائے گا۔" شاہ جی نے کہا۔ "وہ لوگ بھی بڑے اطمینان سے ملک سے باہر چلے جاتے ہیں جن کے نام حکومت نے ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں ڈال رکھے ہیں۔ تمہارا پاسپورٹ تو دوسرے نام سے ہو گا۔ بہر حال' کل شام کی چائے تم لوگ میرے ہاں پیو۔ ساری

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

باتیں تفصیل سے ہو جائیں گی۔" اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

مجھ سے ہاتھ ملانے کے بعد شاہ جی نے رضیہ سے بھی شیک ہینڈ کیا لیکن نرگس کی طرف ہاتھ بڑھانے کی حماقت نہیں کی۔

رضیہ شاہ جی کو رخصت کرنے گیٹ کے باہر تک گئی تھی جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ میں اپنی کرسی پر بیٹھ کر نرگس کی طرف دیکھنے لگا جو خاموش بیٹھی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

رضیہ تقریباً پندرہ منٹ بعد واپس آئی تھی۔ وہ باہر گاڑی کے پاس کھڑی شاہ جی سے باتیں کرتی رہی تھی۔ اس نے واپس آتے ہی مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"تم شاہ جی کو کیسے اور کب سے جانتے ہو۔ کیا پھڈہ تھا تمہارا' لگتا ہے میری طرح تم نے انہیں بھی کوئی دھوکا دیا تھا۔"

"یہ بزنس تو ہے ہی دھوکا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے شاہ جی نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ جو شخص موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ دنیا کا سب سے بڑا احمق ہوتا ہے۔ اگر میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتا تو واقعی احمق کہلاتا۔"

"ویسے چکر کیا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"قصور سے فرار ہونے کے بعد جب میں لاہور پہنچا تھا تو مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔" میں نے جواب میں کہا اور پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ "اور آج تو میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔" میں نے آخر میں کہا۔ "حیرت ہے چند مہینوں میں یہ آسمان پر پہنچ گیا۔"

"وہ کاروبار میں کھرا آدمی ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "اور یہ دیانتداری ہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔ ویسے شاہ جی ہیرا آدمی ہے ہیرا۔ اگر تم نے اس کے ساتھ مل کر کام شروع کر دیا تو تم بھی بن جاؤ گے۔"

"ہاں۔ اب تو یہ کرنا ہی پڑے گا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ہم شاہ جی کے جانے کے بعد ایک گھنٹہ بعد بھی لان میں بیٹھے رہے۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ نوری نے اگرچہ برآمدے میں سوئچ آن کر کے لان کی بتیاں بھی جلا دی تھیں لیکن مچھر ہمیں بری طرح نوچ رہے تھے اس لیے اٹھ کر اندر آ گئے۔

ہم رات کے کھانے کے بعد بھی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نرگس ہماری گفتگو کے دوران ہی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھی۔ رضیہ مسلسل شاہ جی کی حمایت میں بول رہی تھی۔ وہ جس شخص کو کھرا، دیانتدار اور ہیرا کہہ رہی تھی میں اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو ایک ایک روپے کے لئے سڑک پر لوگوں سے لڑا کرتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ صرف دو روپے کے لئے ایک ہیرو نچی سے اس کی ہاتھا پائی ہو گئی تھی اور اس ہیرو نچی نے اس کا کرتا پھاڑ دیا تھا اور آج وہی شخص منشیات کا بادشاہ تھا۔ وہ ایک معزز شخصیت کا مالک بن گیا تھا۔ سڑکوں پر جوتیاں چٹخانے کے بجائے مرسیڈیز میں سفر کرتا تھا۔ ماڈل ٹاؤن کی شاندار کوٹھی میں رہائش پذیر تھا اور معاشرے میں بھی اسے اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

میں جانتا تھا کہ سلطان جیسا پست ذہنیت رکھنے والا شخص کسی بھی وقت میرے خلاف پلٹ سکتا

ہے۔ اس لئے مجھے اس سے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

رات دو بجے کے قریب رضیہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ میں کچھ دیر صوفے پر بیٹھا رہا پھر دبے قدموں چلتا ہوا نرگس والے کمرے میں داخل ہو گیا اور دروازہ آہستگی سے بند کر کے اوپر کی چٹخنی چڑھا دی۔

کمرے میں نیلگوں روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ نرگس گہری نیند میں ہو گی لیکن میں دروازہ بند کر کے جیسے ہی اس کی طرف مڑا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا۔

کئی روز بعد رات کو مجھے نرگس کے کمرے میں آنے کا موقع ملا تھا۔ ہم سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ میں نے اپنے منصوبے کو کل ہر صورت میں عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور نرگس کو سمجھا رہا تھا۔ اسے کیا کرنا ہو گا۔

میری آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ صبح چار بجے کے قریب میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ اس وقت بھی میں نرگس کو بتا رہا تھا کہ رضیہ اب میرے لئے قابل اعتماد نہیں رہی۔ اس کا زیادہ جھکاؤ شاہ جی کی طرف ہے اور یہ صورتحال آگے چل کر میرے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے کل شام شاہ جی کی کوٹھی پر جانے کے بجائے اس سے پہلے ہی ہمیں اپنا بندوبست کر لینا چاہئے۔ ویسے میرے دل میں ایک شبہ یہ بھی تھا کہ ہو سکتا ہے کہ کل شام شاہ جی اپنا وہ ہاتھ دکھا دے جس کا مجھے اندیشہ ہے۔

نرگس میرے سینے پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی اور پھر نیند کے بوجھ سے میری پلکیں بھی جھکنے لگیں۔

دن کے گیارہ بجے تھے۔ نرگس نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"رضیہ گھر میں نہیں ہے۔" نرگس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "وہ کچھ دیر پہلے کہیں گئی ہے۔ یہ بہترین موقع ہے۔ تم نے جو کچھ کرنا ہے کر لو اور یہاں سے نکل چلو۔"

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔ میں نرگس کو کمرے میں چھوڑ کر باہر آ گیا۔ نوری ہال میں فرنیچر کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

"رضیہ کہاں ہے نوری؟" میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بتا کر نہیں گئی۔" نوری نے جواب دیا۔ "تمہارے لئے چائے لاؤں۔ یا نہا کر پیو گے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔

"لے آؤ چائے پینے کے بعد نہاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

نوری ہاتھ میں پکڑا ہوا جھاڑن ایک کرسی کی پشت پر ڈال کر کچن میں چلی گئی۔ اس کی واپسی میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس دوران نرگس بھی آ گئی تھی۔

"تم نے رضیہ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں نرگس سے پوچھا۔ "میرا مخاطب ہے وہ تیار ہو کر گئی تھی یا....."

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"میں نے اس کی گاڑی گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھی تھی۔" نرگس نے جواب دیا۔ "مجھے اندازہ نہیں کہ وہ کہیں قریب گئی ہے یا......"

"وہ نوری کو بھی کچھ بتا کر نہیں گئی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ زیادہ دور نہیں گئی۔ ہوسکتا ہے تھوڑی دیر میں واپس آ جائے۔"

"پھر بھی یہ تمہارے لئے اچھا موقع ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔" نرگس نے کہا۔

"دیکھتے ہیں۔ صورتحال کیا رنگ اختیار کرتی ہے۔" میں نے جواب دیا اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

میں صبح چار بجے کے بعد ہی سویا تھا۔ نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں اور دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔

چائے ختم کرنے کے بعد میں نرگس کو وہیں چھوڑ کر رضیہ کے کمرے میں آ گیا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ میں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمانا چاہا تو ٹھٹک گیا دروازہ لاک تھا۔

میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اب مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رضیہ کی نیت میں واقعی فتور آ گیا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ دروازہ لاک کیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ میرے کپڑے اسی کمرے میں تھے اور میں باتھ روم بھی اس کمرے کا استعمال کرتا تھا۔ لیکن وہ دروازہ لاک کر گئی تھی۔ میرے ذہن میں ایک اور خیال مچل رہا تھا۔ ہوسکتا ہے صبح فون پر شاہ جی سے اس کی کوئی بات ہوئی ہو اور عین ممکن ہے اس کے بعد ہی اس نے دروازے کو لاک کرنا ضروری سمجھا ہو اور عین ممکن ہے اس نے باہر جانے سے پہلے نوری کو بھی ہمارے بارے میں کچھ ہدایات دی ہوں۔

میں ہال میں واپس آ گیا۔ نرگس وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

"تم تو باتھ روم جارہے تھے۔ واپس کیوں آ گئے۔" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"رضیہ کے کمرے کا دروازہ لاک ہے۔" میں نے سرگوشی میں جواب دیا۔ "اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اوہ۔" نرگس کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔

"اب ہمارے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "میں تمہارے کمرے کے باتھ روم میں جارہا ہوں۔ اس دوران تم نوری سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ رضیہ کہاں گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اسے نہ صرف بتا کر گئی ہوگی بلکہ ہمارے بارے میں بھی کچھ ہدایات دی ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے میں معلوم کرتی ہوں تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" نرگس بولی۔

میں جواب دیئے بغیر وہاں سے اٹھ کر نرگس والے کمرے میں آ گیا۔ میں نے نہانے میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا۔ لیکن جب کپڑے پہن رہا تھا تو کمپاؤنڈ میں گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ میں تقریباً دس منٹ بعد کمرے سے باہر نکلا۔ میرا خیال درست نکلا۔ وہ رضیہ ہی تھی جو اس وقت

اپنے کمرے کی طرف جارہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کوئی شاپنگ بیگ بھی تھا۔

"نوری۔ ناشتہ لاؤ۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے آواز لگائی اور نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر بھی مایوسی چھا گئی تھی۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔" میں نے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

"میں نے بھی نوری سے پوچھا تھا۔ وہ اسے بھی کچھ بتا کر نہیں گئی تھی۔" نرگس نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

اور پھر نوری کو آتے دیکھ کر ہم خاموش ہوگئے۔ نوری نے ناشتے کی ٹرے میرے سامنے رکھ دی اور واپس چلی گئی۔ میں ناشتہ کررہا تھا کہ رضیہ بھی آ گئی۔

"آج تو تم خوب سوئے۔ رات بھر جاگتے رہے تھے کیا؟" اس نے میرے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا میں اس کے لہجے سے سمجھ گیا تھا کہ اس بات کے پیچھے اس کا مطلب کیا تھا۔

"دو بجے تک تو یہاں تمہارے پاس ہی بیٹھا رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے بعد کمرے میں جا کر بستر پر لیٹا تو دیر تک نیند نہیں آئی۔"

رضیہ جواب دینے کی بجائے معنی خیز نگاہوں سے نرگس کی طرف دیکھنے لگی۔ "تم صبح ہی صبح کہاں غائب ہوگئی تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"ٹیلر کے پاس گئی تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "آج تو میں اسے کھری کھری سنا کر آئی ہوں لیکن یہ لوگ بہت ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ پھر ایک نیا وعدہ، پندرہ دن میں صرف دو سوٹ تیار کئے ہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ گاہک کو وقت پر کام نہیں دے سکتے تو لے کیوں لیتے ہیں۔"

"گاہک کو قابو میں رکھنے کے لئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہر شخص زیادہ سے زیادہ کمانا چاہتا ہے اور اس کے نئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔"

"اور تمہارے اس اکرم کا کچھ پتہ چلا؟" یہ سوال رضیہ نے نرگس سے کیا تھا۔ اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

"ابھی نہیں۔" نرگس نے بے بسی سے جواب دیا۔ "پتہ چلا ہے کہ وہ مغل پورہ ورکشاپ میں ملازمت کررہا ہے۔ میرا خیال ہے ایک دو دن میں اس کا پتہ چل جائے گا۔"

میں نے رضیہ کو نرگس کے کسی سسرالی رشتے دار کے بارے میں ایک فرضی کہانی سنائی تھی۔ گھر سے غائب رہنے کا کوئی جواز تو ہونا چاہئے تھا۔ میں نے نرگس کو بھی یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی۔ کیونکہ مجھے شبہ تھا کہ رضیہ کسی وقت اس سے بھی اکرم کے بارے میں پوچھ لے گی اور میرا یہ اندیشہ درست نکلا تھا۔

ابھی ہم باتیں کرہی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ رضیہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کال ریسیو کی۔

فون پر بات کرتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ ہر لحظہ تبدیل ہورہا تھا۔ چار پانچ منٹ تک بات کرنے کے بعد اس نے ریسیور رکھا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"کیا ہوا۔ خیریت تو ہے؟ کس کا فون تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میری ایک دوست کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ میں میو ہسپتال جارہی ہوں۔ واپسی میں شاید دیر ہو جائے۔ تم لوگ کھانے پر میرا انتظار مت کرنا۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"اوہ" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "زیادہ سیریس ہے کیا؟"

"یہ تو وہاں جا کر ہی پتہ چلے گا۔ بیگم پورہ کے قریب جی ٹی روڈ پر ایٹنوں سے لدے ہوئے ٹرک نے کار کو ٹکر ماری تھی۔ میرا خیال ہے رضوانہ اور اس کے شوہر کی حالت سیریس ہی ہوگی۔"

رضیہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ واپس آئی۔ اس نے لباس تبدیل کرلیا تھا اور چہرے پر تازہ ہلکا میک اپ بھی نظر آرہا تھا۔ یہ عورتیں بھی عجیب مخلوق ہیں۔ کسی کے مرنے پر تعزیت کے لئے بھی جائیں تو میک اپ کرنا نہیں بھولیں گی۔

وہ بیگ کندھے پر لٹکاتے ہوئے باہر نکل گئی۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر میں نے کار کو گیٹ سے باہر جاتے ہوئے دیکھا۔

میو ہسپتال وہاں سے کافی دور تھا۔ اگر وہ ہسپتال سے جلد فارغ ہو بھی گئی تو بھی واپسی میں کم از کم دو گھنٹے ضرور لگیں گے اور ہمیں جو کچھ بھی کرنا تھا انہی دو گھنٹوں میں کرنا تھا لیکن نوری کا مسئلہ ابھی باقی تھا۔ لیکن شاید قسمت ہم پر مہربان تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد یہ مسئلہ بھی خود بخود حل ہوگیا۔

دوپہر کا کھانا عام طور پر تین بجے کے قریب تیار ہوتا تھا۔ اور نوری سودا سلف لینے کے لئے بارہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب مارکیٹ جاتی تھی۔ جو زیادہ دور نہیں تھی۔ کبھی تو وہ آدھے گھنٹے میں واپس آجاتی اور کبھی ایک گھنٹہ بھی لگا دیتی۔ وہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب ٹوکری اٹھائے جانے لگی تو ایک دو کام اسے میں نے بھی بتا دیئے جن میں چند منٹ اور لگ سکتے تھے۔

نوری کے جانے کے بعد چند منٹ جدوجہد میں حرکت میں آگیا۔ نرگس کو ہال کمرے میں ایسی جگہ بٹھا دیا جہاں سے وہ باہر کے گیٹ پر نگاہ رکھ سکتی تھی۔

میں رضیہ والے کمرے کے سامنے آگیا۔ دروازہ لاک تھا۔ میں نے راجستھان میں بڑے بڑے کھیل کھیلے تھے۔ بڑے کٹھن مراحل سے گزرا تھا۔ بڑے تجربات ہوئے تھے۔ یہ معمولی سا تالہ تو میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کچن میں پہنچ گیا۔ وہاں مجھے ایک تار مل گیا۔ یہ تار نوری نے غالباً سنک کے نب میں لگی ہوئی جالی کے سوراخ صاف کرنے کے لئے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ میں وہ تار اٹھا کر رضیہ کے کمرے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

اس تار کی مدد سے دروازے کا قفل کھولنے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا۔ ہال میں بیٹھی ہوئی نرگس مجھے نظر آرہی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اٹھا دیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

اسٹیل کی خوبصورت الماری کھول کر میں نے سب سے پہلے نچلے خانے میں ہاتھ ڈالا اور اندر لگا ہوا کھٹکا ہٹا دیا اور اٹھ کر الماری کو بھی اس کی جگہ سے گھما دیا۔ اور مڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف دیکھنے لگا۔

چابیوں کا وہ گچھا عام طور پر ڈریسنگ ٹیبل کے اوپر ہی پڑا رہتا تھا لیکن اس وقت نظر نہیں آرہا تھا۔ رضیہ نے کمرے کے دروازے کو لاک کرنا شروع کردیا تھا تو ظاہر ہے چابیوں کا گچھا بھی کہیں سنبھال کر رکھا ہوگا۔

میں بیڈ کے اوپر سے گھوم کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آگیا اور ڈریسنگ کی درازیں کھول کھول کر چابیوں کا گچھا تلاش کرنے لگا۔ لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا اور مجھے یقین کرلینا پڑا کہ چابیوں کا وہ گچھا رضیہ نے کہیں اور چھپا کر رکھ دیا تھا یا اپنے پرس میں ڈال رکھا تھا۔

میں دوبارہ اسٹیل والی الماری کے سامنے آگیا اور جھک کر پیچھے دیوار میں خفیہ الماری کے بظاہر قفل کا جائزہ لینے لگا۔ اور پھر اس تار سے وہ تالا کھولنے کی کوشش کرنے لگا جس سے دروازے کا تالا کھولا تھا۔

یہ تالا کھولنے میں مجھے کچھ دشواری پیش آرہی تھی۔ ایک تو تار تالے کے سوراخ میں ٹھیک طرح سے فٹ نہیں ہو رہا تھا اور پھر مجھ پر گھبراہٹ سی طاری تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کسی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا نجانے کیوں میرے ہاتھ کانپ رہے تھے اور دل کی دھڑکن بھی خاصی تیز ہو رہی تھی۔

میں تالے سے ہاتھ ہٹا کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اپنی کیفیت پر قابو پانے کے بعد دوبارہ کوشش شروع کردی۔

چار پانچ منٹ اور ضائع ہوگئے۔ مجھے دانتوں پسینہ آگیا۔ کم بخت تالا کسی طرح کھل کر نہیں دے رہا تھا۔ میں ایک بار پھر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آگیا اور دروازوں میں کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگا جس سے تالہ کھولنے میں مدد مل سکے اور آخر کار مجھے ایک ایسا کی رنگ مل گیا جس میں پلاسٹک کے ایک تکونے ٹکڑے پر کسی بڑی کمپنی کا مونوگرام بنا ہوا تھا۔

وہ کی رنگ ایک عام سے تار سے بنا ہوا تھا۔ میں نے چھلا کھول کر تار کو سیدھا کرلیا اور ایک بار پھر تالے پر قسمت آزمائی کرنے لگا اور اس مرتبہ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ صرف دو منٹ کی کوشش کے بعد کلک کی ہلکی سی آواز ابھری اور تالا کھل گیا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی میری آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ جس طرح رضیہ نے دو روز سے کمرے کا دروازہ لاک کرنا شروع کیا تھا اسے مجھے اندیشہ تھا کہ اس نے ساری چیزیں بھی اس خفیہ خانے سے نہ ہٹا دی ہوں لیکن میرا یہ اندیشہ بے بنیاد نکلا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی۔

سب سے پہلے میں نے اپنا تھیلا اٹھا کر بیڈ پر پلٹ دیا اور ایک ایک چیز کو دیکھنے لگا۔ تمام زیورات موجود تھے مگر ایک انگوٹھی نہیں تھی۔ وہ انگوٹھی مجھے اچھی طرح یاد تھی کہ اس پر ہندوؤں کے گنیش دیوتا (ہاتھی) کے سائیڈ پوز کا نقشہ ابھرا ہوا تھا اور اس کی آنکھ میں لگا سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا۔ گنیش دیوتا کے کسی عقیدت مند نے یہ انگوٹھی خاص طور پر بنوا کر کسی مندر میں بھینٹ کی ہوگی۔ اور اب وہ انگوٹھی نہیں تھی۔

میں نے تمام زیورات دوبارہ تھیلے میں ڈال لئے۔ الماری میں رکھے ہوئے کرنسی نوٹوں کے بنڈل بھی اٹھا اٹھا کر تھیلے میں ڈالنے لگا اور پھر رضیہ کے ذاتی زیورات کے ڈبے بھی خالی کردیئے۔ تمام زیورات میرے تھیلے میں منتقل ہو چکے تھے اور خالی ڈبے اسی طرح الماری میں رکھ دیئے اور آخر میں سب

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سے نچلے خانے میں فائلیں اٹھا کر دیکھنے لگا۔

یہ رضیہ کے چند روزہ شوہر الیاس کی جائیداد کے کاغذات تھے میں ابھی یہ فائلیں دیکھ ہی رہا تھا کہ دروازے کی طرف سے آہٹ سن کر اچھل پڑا۔ میں نے تیزی سے مڑ کر دیکھا۔ وہ نرگس تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''وہ..... وہ آ گئی..... جلدی کرو.....''

''کون.....'' میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوگئی۔ میرے ذہن میں رضیہ کا خیال ابھرا تھا۔

''نوری۔'' نرگس بولی۔ ''وہ ابھی ابھی گیٹ میں داخل ہوئی ہے۔'' میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے وہ فائلیں بھی اپنے تھیلے میں ٹھونس لیں۔ رضیہ کی بے اعتنائی اور رویے سے مجھے دکھ پہنچا تھا اور میں اسے زوردار چپت لگانا چاہتا تھا تاکہ اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔

نرگس واپس جا چکی تھی۔ میں نے خفیہ الماری کا دروازہ بند کر دیا۔ تالے میں کی رنگ والا تار ابھی تک پھنسا ہوا تھا۔ میں نے جھٹکا دے کر تار باہر کھینچ لیا اور دروازے کو دوبارہ لاک کرنا ضروری نہیں تھا۔

بڑی عجلت میں الماری کو گھما کر اس کی جگہ فٹ کیا اور نیچے جھک کر کھٹکا اس کی جگہ جما دیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھیلے کو ہاتھ میں پکڑ کر میں دروازے کے قریب آ گیا اور محتاط انداز میں راہداری میں جھانکنے لگا۔ کچن کی طرف سے نوری اور نرگس کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں کمرے سے نکلنا ہی چاہتا تھا کہ ایک اور خیال آتے ہی رک گیا۔ نوری میرے پاس تھیلا دیکھ کر مشکوک ہو سکتی تھی۔

میں مڑ کر کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دفعتاً میرے دماغ میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ باتھ روم میں میرے کپڑوں کے دو جوڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ یہ کپڑے لانڈری میں دینے تھے مگر کئی روز سے بھول رہا تھا۔

میں نے وہ کپڑے تھیلے میں ٹھونس لئے۔ ایک بار پھر محتاط انداز میں دروازے کے باہر جھانکا اور پھر کمرے سے نکل کر بڑی آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔ کھٹاک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ آٹومیٹک لاک لگ گیا تھا۔

میں تھیلا ہاتھ میں اٹھائے ٹہلتا ہوا ہال میں آ گیا۔ اس وقت وہ دونوں کچن سے نکل رہی تھیں۔ سیڑھیوں والی نوکری ہال میں سنٹر ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی۔ اس میں پھل بھی تھے۔ نوری ایک ٹرے لے کر آ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔

''تم نے جو رسالہ بتایا تھا وہ تو نہیں ملا۔ میں تو تمہارے ہی بھول گئی تھی۔ تم مارکیٹ کی طرف جاؤ تو خود ہی لے لینا۔''

''میں ابھی جا رہا ہوں۔ خود ہی دیکھ لوں گا۔'' میں نے کہا۔

''کہاں جا رہے ہو تم؟'' نرگس نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

''میلے کپڑے کئی دنوں سے پڑے ہوئے تھے۔ لانڈری پر دینے جا رہا ہوں۔ تم نے تو اپنے کپڑے دھلنے کے لئے نہیں دینے۔'' میں نے کہتے ہوئے نرگس کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ کا گوشہ مخصوص انداز میں دبا دیا۔

''ایک دو سوٹ میرے بھی رکھے ہوئے ہیں۔'' نرگس نے جواب دیا۔ ''رک جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے تو بور ہو جاؤں گی۔''

نرگس اپنے کمرے میں چلی گئی اور چند منٹ بعد اپنے کپڑوں کے دو جوڑے لے آئی۔ میں وہ کپڑے تھیلے میں ٹھونس رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

فون کی گھنٹی ہمارے لئے بم کے دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ میں اچھل پڑا۔ دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ میں نے نرگس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی وحشت سی بھر گئی تھی۔

نوری اس وقت ٹوکری میں سے پھل نکال کر ٹرے میں رکھ رہی تھی۔ اس نے وہ کام وہیں چھوڑ دیا اور آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ وہ کچھ دیر تک فون پر ہوں ہاں کرتی رہی پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''رضیہ بی بی کا فون ہے۔ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔''

میں نے تھیلا نرگس کے حوالے کر دیا اور آگے جا کر نوری کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

''میں رضیہ بول رہی ہوں ناجی۔'' میری ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے رضیہ کی آواز سنائی دی۔ ''ایک ٹریجڈی ہو گئی ہے۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے تمہاری دوست کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا لیکن.....''

''میری دوست کا انتقال ہو گیا ہے۔'' رضیہ نے میری بات کاٹ دی۔ ''وہ بہت زیادہ زخمی ہوئی تھی اور خون بھی بہت زیادہ بہہ چکا تھا۔ وہ بیچاری تو ختم ہو گئی۔ اس کا شوہر بھی شدید زخمی ہے۔ اس کے بچنے کی بھی کوئی توقع نہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اگلے چھ گھنٹے اس کے لئے بہت اہم ہیں۔''

''مجھے افسوس ہوا یہ سن کر۔ میں دعا ہی کر سکتا ہوں لیکن تم.....''

''میں دو اور آدمیوں کے ساتھ اپنی دوست کی میت لے کر شیخوپورہ جا رہی ہوں۔'' رضیہ نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی۔ ''میں رات کو بھی واپس نہیں آؤں گی۔ میں نے تمہیں یہ کہنے کے لئے فون کیا ہے کہ تم پروگرام کے مطابق آج شام شاہ جی سے مل لینا۔ یہ تمہارے لئے اچھا موقع ہے۔ اسے ضائع مت کرنا۔''

''شاہ جی نے کہا تھا کہ جو شخص موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا دنیا کا سب سے بڑا احمق ہوتا ہے اور میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو موقع سے فائدہ اٹھانا جانتے ہیں۔ کل جب تم واپس آؤ گی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں نے اس موقع سے فائدہ کس طرح اٹھایا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''عقل مند ہو۔'' رضیہ نے کہا۔ میں شاہ جی کو بھی فون کر دوں گی اور اگر موقع ملا تو رات کو شیخوپورہ سے فون کر کے صورتحال معلوم کروں گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کل واپس آؤ گی تو تمہیں کچھ اچھی خبریں سننے کو ملیں گی۔ خوشی سے ناچ اٹھو گی اور ہو سکتا ہے اس خوشی میں اپنے بال بھی نوچنے لگو۔''

''میں سمجھی نہیں۔'' رضیہ کی آواز سنائی دی۔

''آؤ گی تو سمجھ جاؤ گی۔ ابھی کچھ بتا کر سسپنس ختم کرنا نہیں چاہتا اچھا میں فون بند کر رہا ہوں۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اپنا خیال رکھنا۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

"نوری۔ ہم ذرا دیر سے واپس آئیں گے۔ پریشان مت ہونا۔" میں نے کہتے ہوئے نرگس کے ہاتھ سے تھیلا لے لیا اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ نوری نے غالباً دوپہر کے کھانے کے بارے میں کچھ کہا تھا مگر میں نے ایسا انداز اختیار کر لیا جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

کوٹھی سے نکل کر ہم گلیوں میں گھومتے رہے۔ کپڑوں کی وجہ سے تھیلا کچھ وزنی ہو گیا تھا۔ میں اسے کبھی ایک ہاتھ میں منتقل کرتا اور کبھی دوسرے میں۔

مین روڈ پر پہنچنے سے پہلے ہی ایک گلی میں خالی رکشہ مل گیا۔ وہ کوئی سواری چھوڑ کر واپس آ رہا تھا۔

ٹمن آباد موڑ پر ہم نے وہ رکشہ چھوڑ دیا اور دس پندرہ منٹ تک وہاں سے کچھ دور بس سٹاپ پر اس طرح کھڑے رہے جیسے کسی خاص روٹ کی بس کا انتظار ہو۔

دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ زیادہ دیر یہاں کھڑے رہنا اپنے آپ کو مشتبہ بنانے کے مترادف تھا۔ میں نے ایک رکشہ روک لیا۔ اس رکشے سے ہم بھاٹی پہنچ گئے۔ دراصل میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ رکشے یا ٹیکسیاں بدل بدل کر سفر کرنے سے منزل کا سراغ بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

تیسرے رکشے سے ہم آؤٹ فال روڈ پر اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ بھاٹی گیٹ سے یہاں کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے اس مرتبہ رکشے کا سفر بھی چند منٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

ہم کئی روز بعد یہاں آئے تھے اور میرے خیال میں رنگ روغن کا کام مکمل ہو چکا ہونا چاہئے تھا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ رنگ وغیرہ کا کام تو مکمل ہو چکا تھا البتہ دو مزدور کمروں کے فرش دھو رہے تھے۔ صحن میں بھی ایک دو جگہوں پر رنگ کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔

میں نے ایک مزدور سے کہہ کر تین کرسیاں باہر نکلوائیں اور اس کو چودھری امین کو بلانے کے لئے بھیج دیا۔

موسم میں اگرچہ کسی قدر حدت تھی مگر جامن کے درخت کے نیچے ہوا کے جھونکے بڑے فرحت بخش لگ رہے تھے ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند منٹ بعد ہی چودھری امین بھی پہنچ گیا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں نے تیسری کرسی پر رکھا ہوا تھیلا اٹھا کر فرش پر رکھ دیا۔ چودھری امین وہاں بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد وہ مزدور بھی دروازے میں داخل ہوا جسے میں نے چودھری کو بلانے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ کولڈ ڈرنک کی ٹھنڈی بوتلیں لے کر آیا تھا اور ظاہر ہے بوتلوں کے لئے اس کو چودھری امین نے ہی کہا ہوگا۔

"اب آپ اگر چاہیں تو آج سے یہاں رہنا شروع کر سکتے ہیں۔" چودھری امین نے کوک کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "دو تین ہفتوں میں کمرے صاف ہو جائیں گے اور یہ فرش بھی نکل جائے گا۔ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"آج تو ہم یہاں بیٹھنے کی نیت سے ہی آئے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور آج کا دن ہم آپ کے مہمان ہیں۔ یعنی دوپہر اور رات کا کھانا ہم آپ کے ساتھ کھائیں گے۔"

"مجھے خوشی ہوگی۔" چودھری امین مسکرا دیا۔ "کھانے کے لئے کسی ہوٹل میں چلیں یا..."

"یہیں منگوا لیں گے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم نے ناشتہ دیر سے کیا تھا اور ابھی تو ہضم نہیں ہوا۔ تین بجے کھانا کھائیں گے۔"

ہم کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر اٹھ کر اندر آ گئے اور کمروں کا جائزہ لینے لگے۔ آخری مرتبہ جب میں آیا تھا تو سامان والے کمرے کی چابی چودھری امین کو دے گیا تھا۔ اس نے سامان دوسرے کمرے میں رکھوا کر اس کمرے میں بھی رنگ کروا دیا تھا۔

تمام کمرے صاف ہو چکے تھے۔ ایک مزدور آخری کمرے کی صفائی کر رہا تھا۔ نرگس کو اچانک ہی جیسے کچھ یاد آ گیا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی اور وہ تھیلا اٹھا لائی جو باہر ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔

ہم اس کمرے میں آ گئے جسے ہم نے اپنے بیڈ روم کے طور پر منتخب کیا تھا۔ دونوں مزدور کام سے فارغ ہو گئے تھے۔ اب صرف آنگن کی صفائی کا کام رہ گیا تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان سے بیڈ وغیرہ اٹھوا کر اس کمرے میں رکھوانے لگا۔ چودھری امین بھی اس کام میں ہماری مدد کر رہا تھا۔ نرگس اپنی مرضی کے مطابق سامان سیٹ کروا رہی تھی۔

تین بجے تک وہ کمرے سیٹ ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس میں وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں گی۔ چودھری امین ایک مزدور کو ساتھ لے کر کسی ہوٹل سے کھانا لینے کے لئے چلا گیا۔ نرگس نے کراکری والے کارٹن کھول لئے اور کچن میں برتن وغیرہ سیٹ کرنے لگی۔ میں بھی اس کی مدد کرنے لگا۔ ہم دونوں اس طرح کام کر رہے تھے جیسے میاں بیوی اپنے نئے گھر کی آرائش میں مصروف ہوں۔ نرگس نے سب سے پہلے فریج کچن کے باہر کی طرف دروازے کے ساتھ رکھوا دیا تھا۔ یہ جگہ غالباً فریج ہی کے لئے مخصوص تھی۔ دیوار کے ساتھ پلگ بھی لگا ہوا تھا۔ فریج کا سوئچ آن کر دیا گیا تھا لیکن فی الحال اسے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اسے کم از کم سات آٹھ گھنٹے خالی ہی چلانا تھا۔

کچن میں ہیٹر بھی لگا دیا گیا۔

چودھری امین کھانا لے کر آیا تو باہر جامن کے درخت کے نیچے ہی میز لگا دی گئی اور کھانا ہم نے وہیں بیٹھ کر کھایا۔ کھانے کے بعد چودھری امین شام کو آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ ایک مزدور کپاؤنڈ صاف کرنے لگا۔ دوسرے کو ہم نے اپنے ساتھ کام پر لگا لیا اور دوسرے کمرے میں سامان سیٹ کرنے لگے۔ شام چھ بجے تک دوسرا بیڈ روم سیٹ ہو سکا تھا۔ میں نے سامان اس حساب سے خریدا تھا کہ دو بیڈ روم اور ایک ڈرائنگ روم سیٹ ہو سکے اور میں جانتا تھا کہ ان کمروں کو مکمل طور پر سیٹ کرنے کے لئے ابھی مزید سامان آتا رہے گا۔ ابھی تو بہت سارے سامان کی گنجائش تھی۔

مزدوروں کو ہم نے رخصت کر کے باہر کا گیٹ بند کر دیا۔ میں نہانے کے لئے باتھ روم میں گھس گیا۔ صبح سات بجے ماڈل ٹاؤن میں شاہ جی کی کوٹھی پہنچی تھی۔ نرگس کو جب میں نے اپنا پروگرام سے آگاہ کیا تو وہ بھی پریشان ہو گئی۔

"آپ کیا ضرورت ہے وہاں جانے کی۔" اس نے مجھے گھورا۔ "کیا ضروری ہے ان سے ملاقات کے بعد کوئی نئی مصیبت آن پڑے۔ مجھے تو وہ شخص ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''ہے تو وہ شیطان کا چیلا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔''اس سے زیادہ خبیث آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ برسوں پہلے میں نے اسے اور اس کے پارٹنر کو جو نقصان پہنچایا تھا وہ اسے ابھی تک نہیں بھولا ہے۔ اس نے اگرچہ مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کی پیشکش کی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اس پیشکش کے پیچھے کیا حقیقت ہوسکتی ہے۔ وہ مکار ذہن کا مالک ہے۔ دوستی کی آڑ میں پرانی دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے وہ میرے ساتھ یقیناً کوئی چال چلے گا اور میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ چال کیا ہوسکتی ہے۔ اس لئے آج میں اس سے ملنے جارہا ہوں تاکہ اس کی باتوں سے اندازہ لگا کر آنے والے وقت کے لئے کوئی پیش بندی کی جاسکے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں نہیں روکوں گی مگر اپنا خیال رکھنا۔ وہ شکل ہی سے بہت حرامی لگتا ہے۔ اگر کوئی گڑبڑ محسوس کرو تو فوراً ہی وہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا۔'' نرگس نے کہا۔

''مطمئن رہو۔ میں سنگل پیس میں ہی واپس آؤں گا۔ بالکل اس طرح جس طرح یہاں سے جارہا ہوں اور وہاں اگر مجھے دیر ہوجائے تو پریشان مت ہونا۔'' میں نے کہا۔

ہم ابھی باتیں کررہے تھے کہ گیٹ پر دستک کی آواز سنائی دی۔ میرے خیال میں چودھری امین ہی ہوگا۔ میں نے باہر جاکر ذیلی دروازہ کھول دیا۔ لیکن چودھری امین کی بجائے ایک عورت کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ ہوگی۔ صحت مند اور حسین عورت تھی۔ چار پانچ مہینے کی عمر کا ایک بچہ گود میں اٹھا رکھا تھا اور چھ سات سال کی عمر کے ایک بچے نے اس کی قمیص کا دامن تھام رکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ عورت مسکرادی۔

''میرا نام شبانہ محمود ہے جی۔'' میں نے اسے اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا۔ میں دل ہی دل میں مسکرادیا۔ یہ عورت حق ہمسائیگی ادا کرنے آئی تھی۔ اور میرے خیال میں یہ بات ہمارے لئے خطرناک تھی۔ ہمیں محلے کے لوگوں سے زیادہ تعلقات استوار نہیں کرنے تھے۔ لیکن اس پہلی مہمان کو میں روک نہیں سکا تھا۔

ایک عورت کی آواز سن کر نرگس بھی کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگئی۔ میں چند منٹ وہاں رکا۔ نرگس کو الگ لے جاکر کچھ ہدایات دیں اور رخصت ہوگیا۔

مین اسٹریٹ پر آتے ہی مجھے ایک ٹیکسی مل گئی اور ماڈل ٹاؤن میں شاہ جی کی کوٹھی پر پہنچنے میں مجھے بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور اس اندھیرے کو دور کرنے کے لئے بتیاں روشن ہوگئی تھیں۔

میں نے ٹیکسی شاہ جی کی کوٹھی سے تقریباً پچاس گز دور چھوڑ دی اور پیدل چلتا ہوا کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ گیٹ کے سامنے نیلے رنگ کی ایک اٹھاون ماڈل کی شیورلیٹ ہی کا راج تھا اور اٹھاون ماڈل کی کار تو سب سے زیادہ کامیاب سمجھی جاتی تھی۔ اس کا انجن بے حد مضبوط اور جاقتور تھا۔ کوٹھی کے سامنے کھڑی ہوئی وہ شیوری دیکھنے میں اگرچہ پرانی لگ رہی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ اس کے انجن پر خاص توجہ دی جاتی ہوگی یہ کار اسمگلروں کی سب سے زیادہ پسندیدہ کار تھی۔

میں نے گیٹ پر کال بیل کا بٹن دبا دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک منٹ بعد ہی گیٹ کا ذیلی

دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا جو صورت سے ہی چھٹا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''اندر آجاؤ۔ تاجی باؤ۔ شاہ جی تمہارا ہی انتظار کررہے ہیں۔''

میں اندر داخل ہوگیا۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھارنے لگے تھے۔ ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ دوپہر کو ٹیلی فون پر میری باتوں سے مشتبہ ہوکر رضیہ واپس نہ آگئی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو میرے لئے بہت خطرناک ہوگا۔ رضیہ بڑی خرانٹ عورت تھی۔ بلاچون وچرا میری ہر بات مان لیتی تھی لیکن وقت نے اسے بھی زمانے کی اونچ نیچ سمجھا دی تھی۔ اس کا اس سے بڑا ثبوت کیا تھا کہ وہ شاہ جی جیسے شیطان سے مل کر کاروبار کررہی تھی۔

میں نے کوٹھی میں داخل ہوکر بھی ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے پورچ میں آگے پیچھے دو کاریں کھڑی تھیں لیکن ان میں رضیہ کی کار نہیں تھی۔ میں نے ایک بار مڑ کر چوکیدار کی طرف بھی دیکھا تھا۔ وہ گیٹ کے قریب ہی کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے جس طرح مجھے نام سے مخاطب کیا تھا اس سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ پرانا پاپی تھا۔ یا تو مجھے جانتا تھا اور اس نے مجھے پہچان لیا تھا یا اسے بتادیا گیا تھا کہ میں اس حلیے میں یہاں آنے والا ہوں۔

کوٹھی بہت شاندار تھی۔ برآمدے کی کشادہ سیڑھیوں اور فرش پر سفید ماربل کے بڑے بڑے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ پلرز پر بھی ماربل ہی تھا۔ اس زمانے میں کوئی کروڑ پتی ہی اتنی شاندار کوٹھی بنا سکتا تھا۔

میں نے جیسے ہی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا برآمدے والا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آکر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کا حلیہ عجیب تھا۔ لمبا قد، دبلا پتلا جسم، سرگنجا اور فرنچ کٹ داڑھی۔ اس کی آنکھوں میں خون جیسی سرخی تھی۔ اس نے ایک کلائی میں اسٹیل کا کڑا پہن رکھا تھا۔ دھاری دار ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں وہ ایک عجیب سا کردار لگ رہا تھا۔

''آؤ ... تاجی باؤ۔ اندر آجاؤ۔ باہر کیوں رک گئے۔'' اس نے بھی مجھے نام سے مخاطب کرتے ہوئے اندر آنے کی دعوت دی اور مجھے راستہ دینے کے لئے ایک طرف ہٹ گیا۔

داخلی دروازے کے دائیں طرف ڈرائنگ روم تھا جس کا دروازہ نہیں تھا۔ ایک کشادہ محراب تھی اور شیفون جیسے باریک کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ جس کے دوسری طرف ڈرائنگ روم کا شاندار فرنیچر نظر آرہا تھا۔ بائیں طرف ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ بھڑا ہوا تھا اور بالکل سامنے وسیع و عریض ہال کمرہ تھا۔ دیوار سے دیوار تک دبیز قالین، نہایت قیمتی و آرام دہ صوفے اور ہر وہ چیز موجود تھی جو اس جیسی عالیشان کوٹھی میں ہونی چاہئے تھی۔ ایک طرف اوپر جانے کے لئے گول زینہ تھا جس پر نیلا قالین بچھا ہوا تھا۔ مجھے سلطان عرف شاہ جی کی قسمت پر رشک آنے لگا۔ کل فٹ پاتھ پر ہیروئن کی پڑیاں بیچنے والا آج کیسی شاہانہ زندگی بسر کررہا تھا۔

صوفوں پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے والے صوفے پر تو شاہ جی تھا اور دوسرا آدمی جس صوفے پر بیٹھا تھا اس کی پشت میری طرف تھی۔ وہ صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کا صرف سر نظر آرہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں آگے بڑھا تو اس شخص کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ بوٹا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی میرے استقبال کے لئے نہیں اٹھا تھا اور جب میں نے شاہ جی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے ہاتھ نہیں ملایا۔ بوٹا سے ہاتھ ملانا میں نے ضروری نہیں سمجھا اور تیسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس طرح وہ دونوں میرے سامنے تھے اور دبلا پتلا گنجا تیسرا آدمی دروازے کے قریب ہی کھڑا رہ گیا۔

ان کے تیور کچھ اچھے نہیں تھے۔ ان کے چہرے دیکھ کر ہی میں نے یہاں کی فضا کا اندازہ لگا لیا تھا اور پھر شاہ جی کی بے اعتنائی نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی۔ شاہ جی نے مجھے اور رضیہ کو آج چائے پر بلایا تھا لیکن مجھے ایسے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے کہ چائے سے میری تواضع کی جائے گی اور میرا خیال تھا کہ رضیہ نے بھی فون پر شاہ جی کو اپنے نہ آنے کے بارے بتا دیا تھا۔

''جی شاہ صاحب۔'' میں نے شاہ جی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے کل مجھے ایک پیشکش کی تھی اور آج اس سلسلے میں.....''

''مجھے یاد ہے۔'' شاہ جی نے میری بات کاٹ دی۔ ''لیکن اس تفصیل میں جانے سے پہلے میں کچھ اور معاملات طے کر لینا چاہتا ہوں۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ رضیہ نہیں آئی۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے مجھے فون پر بتا دیا تھا۔ اس کی موجودگی میں کچھ باتوں کی وضاحت مشکل ہو جاتی۔''

اس کے خشک لہجے اور طرزِ عمل سے میرے خدشات کی تصدیق ہو گئی۔ یہاں معاملہ کچھ اور ہی تھا۔ اور شاید یہ لوگ اپنی طرف سے مکمل تیاری کئے بیٹھے تھے۔

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''معاملات صاف اور کھرے ہوں تو راستہ طے کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ اس قسم کے کام ایک دوسرے کے اعتماد اور بھروسے پر کئے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے آپ کچھ پرانی باتوں کے حوالے سے.....''

''ہاں یہی بات ہے۔'' شاہ جی نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی۔ ''تم جانتے ہو ان دنوں ہمارے حالات کیا تھے۔ ہم بڑی مشکل سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے تھے اور تم نے ہمیں جو نقصان پہنچایا تھا اس سے تو ہماری کمر ہی ٹوٹ گئی تھی۔ ان دنوں اگر تم مجھے مل جاتے تو میں تمہاری گردن ہی مروڑ دیتا۔ لیکن تمہاری قسمت اچھی تھی۔ تم کئی روز تک روپوش رہے اور جب سامنے آئے تو تم اتنی طاقت حاصل کر چکے تھے کہ ہمارے لئے تمہارا مقابلہ کرنا تقریباً ناممکن ہی ہو گیا تھا لیکن.....'' وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔

شاہ جی کے بارے میں میرے اندازے سو فیصد درست نکلے تھے۔ وہ نہایت کینہ پرور اور پست ذہنیت کا مالک تھا۔ یہ برسوں پہلے کی بات تھی لیکن وہ اسے بھولا نہیں تھا۔ اس وقت وہ بلاشبہ کروڑ پتی تھا۔ لاکھ دو لاکھ کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن اس کی فطرت ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ اپنی باتوں کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

''لیکن کیا.....؟'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں وہ سب بھولنے کو تیار ہوں۔'' شاہ جی نے کہا۔ ''تم ایک ذہین اور قابل آدمی ہو۔ میں تمہیں اپنا بازو بھی بنا لوں گا بشرطیکہ

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے اس طرح بار بار خاموش ہو جانے سے میری الجھن بڑھ رہی تھی۔

''جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو سلطان، اس طرح پہیلیوں میں بات الجھ جائے گی۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ میں نے آپ جناب کے صیغے کا استعمال ترک کر دیا اور شاہ جی کہنے کے بجائے اس کے پرانے نام سے مخاطب کیا تھا۔

شاہ جی میرے اس انداز تخاطب پر چونک گیا۔ اس کی بھویں تن گئیں۔

''تو صاف بات یہ ہے کہ۔'' اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم وہ زیورات میرے حوالے کر دو تو میں پچھلی ساری باتیں بھولنے کو تیار ہوں۔''

میں اچھل پڑا۔ اور بوٹے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ مجھے یہاں دیکھ کر ہی مجھے کسی گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا اور اب اس کی تصدیق ہو گئی۔ شاہ جی کو زیورات کی کہانی اس نے سنائی تھی۔

''وہ زیورات میرے پاس نہیں ہیں۔ اگر ہوتے بھی تو تمہارے حوالے نہ کرتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کیا تم مجھے اتنا بیوقوف سمجھتے ہو کہ کروڑوں کی مالیت کے وہ زیورات تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

''دیکھا اوئے ناجی باؤ۔'' بوٹے نے میری طرف دیکھتے ہوئے غرا کر کہا۔ ''اس رات تو تم مجھے دھوکا دے کر چودھری اشرف کے ڈیرے سے بھاگ گئے تھے لیکن یہ مت سمجھنا کہ.....''

''اپنی بات کی تصحیح کر لو بوٹے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں تمہیں دھوکا دے کر نہیں بھاگا تھا یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں نے تمہاری اور رجگت سنگھ کی ٹھکائی کر دی تھی۔''

''بند کرو یہ بکواس۔'' بوٹا ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''ہم صرف ایک بات جاننا چاہتے ہیں وہ زیورات ہمارے حوالے کرنے کو تیار ہو یا نہیں۔''

''نہیں۔'' میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ اس لئے کہ وہ زیورات میرے پاس نہیں تھے۔ اس روز رضیہ نے بھی تمہیں بتایا تھا زیورات اس کی تحویل میں ہیں۔''

''لعنت بھیجو اس کنجری پر۔'' بوٹا غرایا۔ ''تم اس کے پرانے عاشق ہو۔ اس نے تمہیں بچانے کے لئے کہہ دیا تھا لیکن اب تو وہ بھی تمہیں نہیں بچا سکے گی۔''

''تو پھر تم کوشش کر دیکھو۔'' میرا لہجہ اب بھی پرسکون تھا اور میں بڑے اطمینان سے صوفے پر پھیلا ہوا تھا۔

بوٹا مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بھی بار بار کھل بند ہو رہی تھیں۔ آتے تھا جیسے وہ شدید اعصابی تناؤ کا شکار ہو۔ میں اس کی یہ کیفیت دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس طرح جوش اور غصے کا اظہار کرنے والے آسان شکار ثابت ہوتے ہیں اور بہت جلد مات کھا جاتے ہیں۔

دروازے کے قریب کھڑا ہوا دراز قامت گنجا بھی قریب آ گیا تھا۔ میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کوٹھی میں اس وقت چار ہی آدمی تھے۔ ایک باہر گیٹ پر کھڑا تھا اور تین میرے سامنے تھے۔ اگر پانچواں کوئی ہوتا تو اب تک سامنے آچکا ہوتا۔

بوٹے نے شاہ جی کی طرف دیکھا جواب بھی اطمینان سے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ میری طرف دیکھا اور پھر بوٹے کی طرف دیکھ کر غراتے ہوئے بولا۔

''میری شکل کیا دیکھ رہے ہو اس سے معلوم کرو زیورات کہاں ہیں۔ اوئے شادے۔ تم وہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ پکڑ لو اس کو۔''

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس روز رضیہ نے بوٹے کو بتایا تھا کہ زیورات اس کی تحویل میں ہیں لیکن بوٹے نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا تھا اور رضیہ نے بھی شاہ جی کو کچھ نہیں بتایا تھا اور یہ لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ قیمتی زیورات میرے پاس ہیں اور ویسے اس حقیقت کو جھٹلایا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ زیورات اب واقعی دوبارہ میرے قبضے میں آچکے تھے۔

بوٹا مٹھیاں بھینچتا ہوا میری طرف بڑھا۔ میرے اور اس کے درمیان تقریباً چھ فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ میں اچانک ہی پوری قوت سے اپنی جگہ سے اچھلا اور ارنا بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا بوٹے کی طرف لپکا۔ میرے سر کی زوردار ٹکر بوٹے کے پیٹ پر لگی۔ بوٹے کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

میں اسے دھکیلتا ہوا دور تک لے گیا۔ وہ پیچھے پڑے ہوئے صوفے پر گرا۔ صوفہ الٹ گیا اور بوٹا الٹی قلابازی کھاتا ہوا پیچھے جا گرا۔ میں اپنے آپ کو نہ سنبھال لیتا تو اس کے ساتھ ہی گرتا۔

میرا یہ حملہ ان تینوں کے لئے غیر متوقع تھا۔ گنجے سر والا دراز قامت شادا حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''اوئے پکڑ اس کو منہ کیا دیکھ رہا ہے۔'' شاہ جی چیخا۔

شادا دہاڑتا ہوا میری طرف لپکا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے ایک بار پھر پوری قوت سے اوپر اچھلا۔ اور شادا جیسے ہی قریب پہنچا میری فلائنگ کک اس کے سینے پر لگی اور وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

یہ فلائنگ کک مارشل آرٹ کی کک تھی۔ میں نے کبھی مارشل آرٹ نہیں سیکھا تھا۔ راجستھان میں کئی مہینے لڑائی بھڑائی میں گزرے تھے دشمنوں سے پٹ کر بھی میں نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ بڑے تجربوں سے گزرا تھا میں۔ بعض داؤ تو میں نے ایسے بھی سیکھے تھے کہ حریف میری گرفت میں آنے کے بعد زندہ بچ ہی نہیں سکتا تھا۔ ان میں ایک داؤ ایسا تھا جسے مارشل آرٹ کی زبان میں نیک لاک کہتے ہیں لیکن میں اسے گردن توڑ داؤ کہتا ہوں اور یہی داؤ ہندوستان میں لڑائی کے دوران میرے کام آتے رہے تھے اور لگتا تھا اپنے وطن آجانے کے بعد بھی مجھے یہ ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑیں گے۔

ان دونوں کا حشر دیکھ کر شاہ جی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چیخ چیخ کر ان دونوں کو غیرت دلانے لگا۔

''بوٹا پہلے اٹھا تھا۔ صوفے سے الٹ کر قلابازی کھانے کے بعد اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے سر سہلاتا ہوا میری طرف بڑھا اس مرتبہ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ بوٹا نے دہاڑتے ہوئے حملہ کر دیا۔ اس نے میرے منہ پر گھونسہ مارنے کی کوشش کی تھی میں

نے اس کا وار روک لیا۔ ایک ہاتھ سے اس کی بغل کے نیچے ایک زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ یہ بھی میرا ایک پسندیدہ داؤ تھا۔ اس سے حریف کا بازو مفلوج کیا جاسکتا تھا۔

بوٹا کراہتا ہوا تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلا۔ میں نے دوسرا گھونسہ اس کے اس کندھے پر بازو کے عین جوڑ پر لگایا۔ ہتھوڑے کی طرح لگنے والی ضرب نے بوٹے کو چیخنے پر مجبور کر دیا۔ وہ نیچے جھکا تو میں نے اس کے چہرے پر گھٹنے کی ضرب لگائی۔ وہ ایک بار پھر چیخ کر سیدھا ہو گیا۔ اس مرتبہ میں اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے کر موڑنے لگا۔ بوٹا کراہتا ہوا گھومتا گیا اور آخر کار اس کی پشت میری طرف ہو گئی۔

اس دوران شاید میں شادے کو بھول گیا تھا جب دشمنوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو ذہن کو حاضر رکھنا پڑتا ہے اور مجھ سے یہ غلطی ہو گئی تھی جس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑا۔

شادے نے پشت سے ایک بازو میری گردن پر لپیٹ دیا اور دوسرے ہاتھ سے میرے پہلو پر گھونسے برسانے لگا۔ ایک گھونسہ اس نے میری کھوپڑی پر بھی رسید کر دیا۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں نے سر کو جھٹکنے کی کوشش کی مگر شادے نے میرے بال گرفت میں لے لئے۔

شادے نے میرے خلاف وہی داؤ لگایا تھا جو میرا پسندیدہ تھا یعنی نیک لاک اور یہ میرے لئے خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف بوٹا ابھی تک میری گرفت میں تھا۔ سامنے کھڑا ہوا شاہ جی چیخ چیخ کر شادے کو شاباش دے رہا تھا۔

''شاباش شادے۔ مروڑ دے اس کی گردن۔ لگا زور ...'' میں نے اپنا ایک پیر اوپر اٹھا لیا اور بوٹے کے کولہوں پر کک لگاتے ہوئے اس کا بازو بھی چھوڑ دیا۔ کک زیادہ زوردار نہیں تھی مگر بوٹا لڑکھڑاتا ہوا سامنے کھڑے ہوئے شاہ جی سے ٹکرا گیا اور اسے ساتھ لیتا ہوا صوفے پر گرا۔ ان دونوں کے بوجھ سے صوفہ الٹ گیا۔

شاہ جی کے منہ سے پہلے چیخ نکلی پھر مغلظات کا گٹر ابل پڑا۔ اس کی قراقلی فٹ بال کی طرح اچھلتی ہوئی دور جا گری تھی۔

اب میں شادے کی گرفت سے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اگرچہ بانس کی طرح دبلا پتلا تھا لیکن اس میں بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ وہ قد میں بھی مجھ سے خاصا لمبا تھا۔ اس کا سینہ میرے کندھوں کو چھو رہا تھا۔ اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ طاقت استعمال کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ میری گردن پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

میں نے دونوں ہاتھ اس کے بازو پر جما دیئے لیکن گرفت ڈھیلی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا لی تھیں جس سے اس کی گرفت کچھ زیادہ ہی مضبوط ہو گئی تھی۔

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے گردن کو زوردار جھٹکا دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے ہڈی کسی بھی لمحے ٹوٹ جائے گی۔ مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

احساس ہوا کہ جب میں اپنے کسی دشمن کی گردن اس طرح گرفت میں لیتا تھا تو اسے کس طرح اذیت ہوتی ہوگی۔

"اوئے شادے۔ توڑ دے گردن اس کی۔" شاہ جی کی چیختی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "ختم کردے اس کو۔ یہ اب تک کھسروں سے لڑتا رہا ہے۔ آج اسے معلوم ہو جانا چاہئے کہ شاہ جی سے پنگا لینے کا انجام کیا ہوسکتا ہے۔ توڑ دے اس کی گردن۔"

شاہ جی کی آواز مجھے بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ میرے میرے حواس آہستہ آہستہ ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ سانس رکنے لگی تھی اور شاید یہی وہ کیفیت ہوتی تھی جب ایسے موقع پر میرا شکار حوصلہ ہار دیتا تھا اور میں ایک ہی جھٹکے سے اس کی گردن کی ہڈی توڑ دیتا تھا لیکن میں اس طرح بے بسی کی موت نہیں مروں گا۔

میں نے ایک بار پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں شادے کے بازو اور اپنے گلے کے درمیان پھنسالیں اور جسم کی پوری قوت مجتمع کر کے زور دار جھٹکا دیا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے دوسرا حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس میں اگرچہ رسک تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

میں نے شادے کے ہاتھ پر گرفت جمائے رکھی اور آہستہ آہستہ نیچے جھکتا چلا گیا۔ مجھ سے لمبے قد کی وجہ سے شادے کے پیر سختی سے اپنی جگہ پر جمے رہے تھے۔ اسے نیچے جھکانا بہت مشکل ہو رہا تھا اور پھر میری گردن پر اس کی گرفت بھی بہت مضبوط ہوگئی تھی لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری اور آخر کار اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔

میں نے اپنے آپ کو زور دار جھٹکا دیتے ہوئے نیچے جھک گیا اور جب شادہ میرے اوپر جھکا تو مجھے یوں لگا جیسے کسی بھی لمحہ میری گردن ٹوٹ جائے گی۔ لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ بے بسی کی موت تو نہیں مروں گا۔ یہ افسوس تو نہیں رہے گا کہ میں نے اپنا دفاع نہیں کیا تھا۔ میں نے نیچے جھکتے ہوئے اپنے آپ کو ایک اور جھٹکا دیا اور شادا میرے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل میرے سامنے گرا۔

اگر میرے حواس پوری طرح بحال ہوتے تو میں شادے کو چھاپ لیتا لیکن شادے کی گرفت چھوٹتے ہوئے میری گردن کو جو آخری جھٹکا لگا تھا اس سے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ میں اس وقت تقریباً دوزانو تھا۔ ایک ہاتھ سے گردن سہلاتے ہوئے میں سر کو ہلکے ہلکے جھٹکے دینے لگا اور پھر پشت پر پڑنے والی ایک زور دار کک نے مجھے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کردیا۔ اس کے ساتھ ہی شاہ جی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔

پشت پر پڑنے والی ٹھوکر اور شاہ جی کے چیخنے کی آواز مجھے پوری طرح ہوش میں لے آئی۔ وہ چیخ چیخ کر شادے اور بوٹے کو غیرت دلا رہا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوگیا اور میری پہلی ٹھوکر شاہ جی کے گھٹنے پر لگی۔ وہ کتے کے پلے کی طرح چیاؤں پیاؤں کرتا ہوا دوہرا ہوگیا میں نے فٹ بال کی کک کی طرح اس کے تھوبڑے پر ٹھوکر ماری۔ وہ سیدھا ہوگیا۔ اس کے منہ سے بڑی تاریخی اور کلاسیکی قسم کی گالیاں نکلنے لگیں۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے جبڑے پر ایک گھونسہ بھی جما دیا۔

شاہ جی عرف سلطان کمزور یا بزدل نہیں تھا۔ جب میں حمیدا پہلوان کے ہوٹل میں ملازم تھا تو

میں نے اس وقت بھی اسے دیکھا تھا۔ یہ دس نمبری بدمعاش تھا۔ روزانہ کوئی نہ کوئی دنگا ہوتا رہتا تھا۔ لڑائی جھگڑا تو شاید اس کی فطرت میں شامل تھا۔ لیکن اب اس میں تبدیلی آگئی تھی۔

اب وہ سڑک چھاپ غنڈہ نہیں تھا۔ اس کے پاس بے پناہ دولت آگئی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے گروہ کا لیڈر تھا۔ اس نے اپنا ایک اسٹیٹس بنالیا تھا اور اس اسٹیٹس کے لوگ خود کسی سے ہاتھ پائی نہیں کرتے تھے۔ گرگوں کو شطرنج کے مہروں کی طرح آگے بڑھاتے ہیں۔ شاہ جی بھی یہی کچھ کرتا رہا تھا۔ وہ شادے اور بوٹے کو للکار رہا تھا اور اب میرے قابو آگیا تھا تو کتے کے پلے کی طرح چیخنے لگا تھا۔ لیکن مجھے اس کی زیادہ تواضع کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ شادا اور بوٹا بیک وقت مجھ پر پل پڑے تھے۔ اس مرتبہ میں اپنا دفاع نہیں کرسکا اور دونوں میری پٹائی کرنے لگے۔

بوٹے کا ایک زور دار گھونسہ میرے جبڑے پر لگا۔ میرا ایک دانت ہل گیا اور خون بہہ نکلا۔ منہ میں اپنے ہی خون کا ذائقہ محسوس کر کے مجھ پر جنون سا طاری ہوگیا اور پھر میں نے ان دنوں کو گھونسوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ موقع پاکر میں شاہ جی کو بھی ایک آدھ لات یا گھونسہ رسید کر دیتا جو ادھر ادھر ہٹتے ہوئے چیخ چلا رہا تھا۔

وہ دونوں میرے ہاتھوں بری طرح پٹ رہے تھے۔ میں اپنے جنون میں شاید ان میں سے کسی ایک کو ختم ہی کر دیتا لیکن شاہ جی موقع پاکر برآمدے والے دروازے کی طرف چلا گیا اور چیخ چیخ کر چوکیدار کو پکارنے لگا۔

"مقصود..... اوئے مقصود..... بھاگ کے آ... پکڑ اس کو"

باہر گیٹ پر کھڑے ہوئے مقصود نے اندر سے شور اور شاہ جی کے چیخنے چلانے کی آوازیں پہلے ہی سنی ہوں گی لیکن اب تک اس نے یہ سوچ کر نظر انداز کر رکھا ہوگا کہ میں اکیلا تھا اور وہ تین۔ اس لئے مجھ سے ان لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے بوٹے کے پیٹ میں ایک زور دار ٹھوکر ماری۔ وہ دہرا ہوا تو میری دوسری ٹھوکر اس کی کھوپڑی پر پڑی۔ وہ بلبلاتا ہوا ڈھیر ہوگیا۔ اس دوران شادا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی کھوپڑی پر بھی ٹھوکر لگائی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اب میرا یہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ ان دونوں سے تو میں اب تک نمٹتا رہا تھا اگر مقصود بھی پہنچ گیا تو میرے لئے اپنے آپ کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔

دروازے کے راستے باہر جانا ممکن نہیں تھا۔ دروازے میں شاہ جی کھڑا تھا اور اس طرف سے مقصود بھی آرہا تھا۔ یقیناً پچھلی طرف بھی کوئی دروازہ ہوگا لیکن میں کسی غلط راستے پر جاکر رسک نہیں لینا چاہتا تھا اور پھر یہاں سے فرار کا ایک ہی راستہ نظر آیا اور دوسرے ہی لمحہ میں نے اوپر جانے والے گول زینے کی طرف دوڑ لگادی۔

"اوئے شادے ..... بوٹے ..... پکڑ اس کو۔ بھاگ رہا ہے وہ۔" دروازے کے قریب کھڑا ہوا شاہ جی چیخا۔

بوٹے نے اٹھ کر زینے کی طرف دوڑ لگادی اور وہ تیزی سے گول زینے پر چڑھنے لگا۔ میں

www.pdfbooksfree.pk

زینے کے وسط میں پہنچ چکا تھا۔ رک کر ایک دم پلٹا اور اوپر آتے ہوئے بوٹے کے سر پر ٹھوکر ماری۔ وہ چیخ کر گرا اور سیڑھیوں پر قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے لڑھکتا چلا گیا۔

میں آخری سیڑھی پر تھا کہ مقصود اندر داخل ہوا۔ اس نے اوپر دیکھا اور رک کر اپنی قمیص کے اندر ہاتھ ڈالنے لگا۔ جب میں اس کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوا تھا تو سب سے پہلے میرا سامنا مقصود ہی سے ہوا تھا اور میں نے بائیں پہلو پر ابھار سا دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی قمیض کے نیچے پستول یا ریوالور چھپا ہوا ہے اور میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ اس نے قمیض کے نیچے سے پستول نکال لیا تھا۔

میں اس وقت اوپر والی بالکونی میں پہنچ چکا تھا۔ مقصود نے فائر کر دیا۔ ٹھیک اسی وقت میں نے ایک دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ گولی میرے سر کے تقریباً دو فٹ اوپر سے گزر گئی۔ میں جھک کر دوڑتا ہوا اس دروازے میں داخل ہو چکا تھا۔

یہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا اور غالباً سٹنگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔ اس کے دوسری طرف بھی ایک دروازہ تھا۔

زینے پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ غالباً مقصود ہی تھا جو میرے پیچھے آ رہا تھا۔

میں نے کمرے کے دوسرے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ پہلے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ اوپر چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ میں نے چٹخنی گرا کر ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگا دی اور اس کے ساتھ ہی میں چونک گیا۔

یہ برآمدے اور پورچ کی چھت تھی جسے ٹیرس بنایا گیا تھا۔ پورچ کی چھت برآمدے کی چھت سے تقریباً ڈیڑھ فٹ نیچے تھی۔ دونوں چھتوں پر مٹی ڈال کر گھاس لگائی گئی تھی اور اس طرح یہ دونوں چھتیں بھی خوبصورت لان بن گئی تھیں۔ کناروں کے ساتھ ساتھ گملے رکھے ہوئے تھے جن میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ برآمدے والی چھت پر دو گارڈن چیئرز بھی رکھی ہوئی تھیں۔

میں برآمدے والی چھت سے چھلانگ لگا کر پورچ والی چھت پر آ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ چھت زمین سے تقریباً پندرہ فٹ اونچی تھی۔ دائیں بائیں پختہ روش تھی اور سامنے لان تھا۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور لان کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اسی وقت فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ غالباً مقصود نے دروازے سے نکلتے ہی مجھے دیکھ کر گولی چلا دی تھی مگر میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ گھاس دبیز تھی۔ پندرہ فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگا کر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ میں نے اٹھ کر دائیں طرف دوڑ لگا دی جہاں لان کے اختتام پر تین چار درخت نظر آ رہے تھے۔ اگر میں گیٹ کی طرف دوڑ لگاتا تو بڑی آسانی سے گولی کا نشانہ بن سکتا تھا جبکہ اس طرف درختوں کی وجہ سے بچ جانے کے امکانات زیادہ روشن تھے۔

مقصود بھی پورچ والی چھت پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے پے در پے تین فائر کئے لیکن اس طرف اندھیرا تھا اور میں پیچھے بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس سر جھکا کر دوڑ رہا تھا۔

میں بحفاظت درختوں کے پیچھے پہنچ چکا تھا۔ ایک درخت کی آڑ میں رک کر میں نے پورچ کی

طرف دیکھا۔ چھت کے کنارے پر مقصود کے ساتھ اب ایک اور ہیولہ بھی نظر آ رہا تھا۔ اوپر اندھیرا ہونے کی وجہ سے مجھے کسی کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن وہ غالباً مقصود ہی تھا جو چھت کے کنارے پر کسی قدر آگے کو جھکا ہوا تھا۔ وہ شاید چھلانگ لگانا چاہتا تھا لیکن اس کی ہمت نہیں ہوئی اور پھر وہ دونوں مڑ کر پیچھے دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوٹھی کی باؤنڈری وال تقریباً آٹھ فٹ اونچی تھی۔ پلستر چکنا تھا اور پیر جما کر دیوار پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن دیوار کی بلندی میرے لئے مسئلہ نہیں بنی۔ میں دوڑتا ہوا دیوار کے قریب والے درخت پر چڑھ گیا۔ اس درخت کی دو تین شاخیں دیوار پر جھکی ہوئی تھیں۔ مقصود یا بوٹا وغیرہ کسی بھی لمحہ اس طرف آ سکتے تھے۔ میں درخت پر چڑھ کر دیوار کی طرف والی شاخ پر چڑھنے لگا۔ پتے گنجان تھے۔ میرے آگے بڑھنے کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔

”اوئے سودے۔“ شاہ جی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”ادھر دیکھو درختوں کی طرف وہ ادھر چھپا ہوگا۔ جلدی کرو۔ گولی سے اڑا دو اسے۔ زندہ اس چار دیواری سے باہر نہیں نکلنا چاہئے اس کو۔“

میں شاخ پر تیزی سے آگے بڑھا۔ مقصود دوڑتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

وہ شاید آم کا درخت تھا۔ اس کی لکڑی تو ویسے ہی کچی ہوتی ہے۔ وہ شاخ بھی زیادہ موٹی نہیں تھی۔ میرے بوجھ سے جھکنے لگی اور پھر تڑتڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ شاخ ٹوٹ رہی تھی۔

میں نے دوسری شاخ کو پکڑ کر دیوار پر چھلانگ لگا دی۔ مقصود دوڑتا ہوا قریب پہنچ رہا تھا۔ شاخ ٹوٹنے کی آواز اس نے بھی سن لی تھی اور پھر اس نے آواز پر یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلا دیں لیکن وہ گولیاں مجھ سے کئی فٹ دور گنجان پتوں کو چیرتی ہوئی نکل گئیں۔

میں دیوار پر پہنچ چکا تھا۔ پیر ٹکتے ہی میں نے چھلانگ لگا دی۔ اس طرف تقریباً دس فٹ چوڑی کچی گلی تھی۔ زمین پر پیر ٹکتے ہی میں اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

”یہ گلی دراصل کوٹھیوں کے درمیان چھوڑی ہوئی جگہ تھی۔ دونوں طرف کی کوٹھیوں کی پہلو کی دیواریں اس طرف تھیں۔ آگے پیچھے کی گلیوں میں آنے جانے کے لئے لوگ شارٹ کٹ کے لئے یہ راستہ استعمال کرتے تھے۔ میں دوڑتا ہوا شاہ جی کی کوٹھی کی پچھلی گلی میں پہنچ گیا۔ پچھلی قطار کی کوٹھیوں کے سامنے کے رخ اس طرف تھے۔ کئی کوٹھیوں کے سامنے کاریں وغیرہ کھڑی تھیں۔

ابھی تو شاید ساڑھے نو ہی بجے تھے۔ تقریباً تمام ہی بنگلوں کی بتیاں جل رہی تھیں۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی تھی۔ میں ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ گلی میں آتے جاتے لوگوں نے حیرت سے میری طرف دیکھا ضرور تھا لیکن کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

چوتھی کوٹھی کے سامنے ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ میں غیر ارادی طور پر موٹر سائیکل کے قریب رک گیا۔ ہینڈل کو ہلا کر دیکھا۔ وہ لاک نہیں تھی۔ میں سیٹ پر بیٹھ کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت مقصود اس کچی گلی نما راستے پر دوڑتا ہوا اس گلی میں آ گیا۔ اس نے شور مچا دیا۔

”چور ہے...... چور...... چور...... پکڑو...... پکڑو......“

aazzamm@yahoo.com
www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ میں نے مخالف سمت کی طرف موڑ کر اسے گیئر میں ڈال دیا۔ موٹر سائیکل ایک زوردار جھٹکے سے حرکت میں آ گئی۔ مقصود نے مجھے روکنے کے لئے ایک اور گولی چلائی تھی مگر میں موٹر سائیکل کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

میں موٹر سائیکل کو ماڈل ٹاؤن کی مختلف سڑکوں پر دوڑاتا ہوا گلبرگ کی طرف نکل آیا۔ میرا خیال تھا کہ اس موٹر سائیکل کو لبرٹی کے آس پاس کہیں چھوڑ دوں گا۔ لیکن میں ابھی خیابان سہروردی پر لبرٹی سے بہت دور تھا کہ موٹر سائیکل کا انجن بند ہو گیا اور اس کی رفتار بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔

یہ سڑک اس زمانے میں زیادہ آباد نہیں تھی۔ ٹریفک بھی بہت کم ہوا کرتا تھا۔ اس وقت بھی اکا دکا گاڑیوں ہی کی آمد و رفت تھی۔

موٹر سائیکل رک گئی۔ اس میں پٹرول ختم ہو گیا تھا۔ میں نے نیچے اتر کر موٹر سائیکل کو سٹینڈ پر کھڑا کیا ہی تھا کہ پیچھے سے آنے والا ایک رکشہ میرے قریب آ کر رک گیا۔

''کی گل ہے باؤ جی پٹرول مک گیا ہے۔'' ڈرائیور اپنی سیٹ پر باہر کی طرف جھکتے ہوئے بولا پھر میرا حلیہ دیکھ کر چونک گیا۔ ''اوہو۔ آپ تو زخمی بھی ہو۔''

''آ ہو یار۔'' میں نے جواب دیا۔ پچھلے موڑ پر سڑک پر گٹر کا پانی پھیلا ہوا تھا۔ بائیک سلپ ہو گئی اور یہاں آ کر اس میں پٹرول بھی ختم ہو گیا۔ یہ سواری بھی شیطانی چرخہ ہے۔ اس کے فائدے تو بہت ہیں پر بے احتیاطی نقصان بھی بہت پہنچا سکتی ہے۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''مجھے لبرٹی تک پہنچا دو۔ کرایہ لے لینا۔''

''بیٹھو سرکار۔'' رکشہ ڈرائیور نے کہا۔

میں نے موٹر سائیکل سڑک سے ہٹا کر ایک درخت کے نیچے کھڑی کر دی اور رکشے میں بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد ہی رکشہ لبرٹی پہنچ گیا۔ یہاں خاصی رونق تھی۔ ڈرائیور نے رکشہ پٹرول پمپ کے قریب روکا تھا۔ میں نے اسے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر دیا تو وہ بولا۔

''پٹرول لے کر واپس نہیں جانا۔''

''پہلے میں کسی ڈاکٹر سے مرہم پٹی کراؤں گا۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ تم جاؤ۔ میں کوئی اور رکشہ دیکھ لوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

رکشہ چلا گیا۔ میں پٹرول پمپ کے قریب ہی سائیڈ پر ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ دو تین منٹ بعد ایک اور خالی رکشہ وہاں آ گیا۔

''ریس کورس روڈ چلو یار۔'' میں نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ریس کورس روڈ سے میں ایک اور رکشے پر بیٹھ کر لکشمی چوک اور وہاں سے تیسرے رکشے پر آؤٹ فال روڈ پہنچ گیا۔

اس وقت ساڑھے دس بج چکے تھے۔ میں نے رکشہ مین روڈ پر ہی چھوڑ دیا اور گلیوں میں چلتا ہوا اپنی نئی کرائے کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے بیل بجائی تو ایک منٹ سے بھی کم وقفے میں گیٹ کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔

نرگس میرا حلیہ دیکھ کر بدحواس سی ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا کیونکہ برآمدے میں ایک کرسی پر میں نے چودھری امین کو بھی بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا قریب آ گیا۔

''کہاں رہ گئے تھے آپ۔'' وہ مجھ پر توجہ دیئے بغیر بولا۔ ''آپ کی مسز پریشان ہو رہی تھیں اور.....'' اس کی نظر میرے چہرے پر پڑی تو رک کر بولا۔ ''ارے آپ تو زخمی ہیں۔ کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں یار بھائی سے اس طرف مڑتے ہوئے تانگہ الٹ گیا تھا۔ میں آگے بیٹھا ہوا تھا۔ گھوڑے کے گرتے ہی میں بھی قلابازی کھاتے ہوئے گرا۔ معمولی چوٹیں ہیں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اندر چلو۔'' ذرا آئینے میں دیکھو۔ کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری۔'' نرگس مجھے بازو سے پکڑ کر اندر کی طرف لے چلی۔

چودھری امین بھی ہمارے ساتھ ہی تھا۔ وہ برآمدے ہی میں رک گیا۔ نرگس مجھے بیڈ روم میں لے آئی۔ میں اس سے ہاتھ چھڑا کر باتھ روم میں گھس گیا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کا جائزہ لینے لگا۔

ایک دانت ہل جانے سے تھوڑا سا خون نکلا تھا مگر پھر رک گیا تھا۔ منہ میں خون کا ذائقہ اب بھی محسوس ہو رہا تھا۔ بائیں آنکھ کے نیچے رخسار پر ایک روپے کے سکے کے برابر نیلا دھبہ پڑا ہوا تھا اور پیشانی پر بھی دائیں طرف آنکھ سے کچھ اوپر بہت معمولی سا گومڑہ تھا۔

یہ معمولی چوٹیں تھیں اور تکلیف بھی زیادہ نہیں تھی۔ میں برداشت کر سکتا تھا۔ دراصل میں ایسی تکلیفیں برداشت کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔

میں نے ہاتھ منہ دھویا اور باتھ روم سے باہر آ گیا۔ نرگس کمرے میں کھڑی تھی۔

''چودھری امین آٹھ بجے کھانا لے کر پہنچ گیا تھا۔'' نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت سامنے والی پڑوسن شبانہ بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ امین کو جب پتہ چلا کہ تم گھر پر نہیں ہو تو کھانا دے کر چلا گیا۔ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی تو آیا تھا پھر واپس جانا چاہتا تھا مگر میں نے روک لیا۔ اتنی بڑی بھائیں بھائیں کرتی ہوئی کوٹھی میں مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ تمہیں دیر ہو جانے سے میں ویسے بھی پریشان ہو رہی تھی۔''

''پڑوسن کو تم نے کیا بتایا ہے۔ اس نے کچھ پوچھا تو ہو گا؟'' میں نے کہا۔

''میں نے کہا تھا کہ چودھری امین میرے شوہر کا بہت پرانا دوست ہے۔'' نرگس نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا مطلب ہے میرے اور اپنے بارے میں کیا بتایا؟'' میں نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' وہ بولی۔ ''اس کے پوچھنے پر میں نے صرف اتنا بتایا تھا کہ ہم جہلم سے آئے ہوئے ہیں۔ چند روز اپنے ایک عزیز کے ہاں رہے پھر یہ کوٹھی کرائے پر لے لی۔ کاروبار کے بارے میں، میں نے کچھ نہیں بتایا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب تم کھانا گرم کر لو۔ مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نرگس کچن کی طرف چلی گئی اور میں برآمدے میں آ گیا۔ چودھری امین مجھے دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ گیا۔

''اب میں چلوں گا ظفر صاحب۔'' وہ بولا۔ ''کافی دیر ہوگئی۔ آپ کی طبیعت بھی اچھی نہیں۔ آپ آرام کریں۔''

''آپ کھانا کھائے بغیر کیسے جاسکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میری آپ فکر مت کیجئے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بیٹھئے۔ نرگس کھانا گرم کررہی ہے۔''

وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا اور ہم ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ میں چودھری امین سے زیادہ سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش کررہا تھا۔ مجھے کچھ ساتھیوں کی تلاش تھی اور میں نے چودھری امین کے حوالے سے بھی ایک منصوبہ بنالیا تھا اور اس پر بتدریج عمل کرنا چاہتا تھا۔

برآمدے میں ایک گول میز بھی رکھی ہوئی تھی اور یہ میز میں نے خاص طور پر خریدی تھی۔ تاکہ برآمدے میں یا کمپاؤنڈ میں جامن کے سامنے پڑی رہے اور ہم اس پر چائے پیا کریں۔

نرگس کھانا لے آئی۔ چرغہ اور تکے تھے۔ اس کے ساتھ روغنی نان۔ کھانا اتنا زیادہ تھا کہ چھ آدمی پیٹ بھر کر کھالیتے پھر بھی بچ جاتا۔

کھانے کے دوران خوش گپیاں ہوتی رہیں۔ چودھری امین نے مجھ سے میرے کاروبار کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن میں ٹال گیا تھا۔

وہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب رخصت ہوگیا۔ نرگس نے برتن وغیرہ دھولئے تھے۔ ہم برآمدے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ میں اسے شاہ جی کی کوٹھی میں پیش آنے والے واقعہ کی تفصیل بتاتا رہا۔ بات کرتے ہوئے میں بار بار اپنے مجروح رخسار اور پیشانی کو سہلا رہا تھا۔ مجھے اس جگہ کھال میں کچھ تناؤ سا محسوس ہورہا تھا۔

''ایک منٹ، میں ابھی آئی۔'' نرگس کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ چند منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک ڈبیہ تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وکس۔ مجھے پہلے اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔'' نرگس نے کہتے ہوئے ڈبیہ میں سے گہرے نیلے رنگ کی چوڑے منہ والی ایک گول شیشی نکال لی۔

''یہ اپنے گال اور پیشانی پر لگالو۔ سوجن کم ہوجائے گی اور زیادہ تکلیف بھی نہیں ہوگی۔''

''تم ہی لگادو۔'' میں کہتے ہوئے آگے جھک گیا۔

اس نے انگلی بھر کر وکس نکال لی اور میرے مجروح رخسار اور پیشانی کے گومڑے پر لگانے لگی۔

''مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔'' وہ ڈبیہ بند کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''تم تو اسے بہت عرصہ سے جانتے ہو لیکن میں نے اس روز پہلی مرتبہ اسے دیکھا تھا اور سمجھ گئی تھی کہ وہ بہت ہی گھٹیا فطرت کا مالک ہے۔''

''میں بھی اس کے بارے میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کل اس کی

باتوں سے بھی مجھے شبہ ہوا تھا۔ اس نے کتنے اطمینان سے سب کچھ بھلا کر مجھے اپنے ساتھ کام کی پیشکش کردی تھی حالانکہ یہ کاروبار ایسا ہے کہ ایک مرتبہ دھوکا دینے والے کو دوسری مرتبہ سامنا ہونے پر موت کے گھاٹ اتارا تو جاسکتا ہے اس پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اور اس نے مجھے اپنے ساتھ کام کی پیشکش کردی تھی۔ آج میں دراصل یہی جاننا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے اور وہ کرنا کیا چاہتا ہے۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا: ''وہ فوراً ہی کھل گیا اس نے میرے لیے سارا بندوبست کر رکھا تھا۔ وہ حرامی مجھ سے زیورات حاصل کرنا چاہتا تھا۔''

''زیورات؟'' نرگس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

''اے کیا معلوم کہ تمہارے پاس زیورات ہیں لیکن شاید رضیہ.....''

''نہیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ''رضیہ اس سے بھی بڑی حرافہ ہے۔ زیورات اس کے پاس تھے لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے شاہ جی کو ہوا تک نہیں لگنے دی ہوگی اور ویسے بھی شاہ جی کے پاس بوٹا بیٹھا ہوا تھا۔ بوٹے کو زیورات کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ اس نے شاہ جی کو بتایا ہوگا اور آج انہوں نے مجھ سے وہ زیورات حاصل کرنے کے لیے ہی یہ پلاننگ کی تھی لیکن شاہ جی آج کی یہ مار بھی مدتوں یاد رکھے گا۔''

''اور کل صبح جب رضیہ واپس آئے گی تو.....''

''مجھے ڈر ہے اس کا ہارٹ فیل نہ ہوجائے۔'' میں نے نرگس کی بات کاٹ دی۔ ''ویسے وہ تھیلا کہاں ہے؟''

''میں نے الماری میں رکھ دیا تھا۔ آؤ ذرا دیکھتے ہیں تم اس زنبیل میں کیا کچھ لے کر آئے ہو۔'' نرگس کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

اس وقت ایک بجنے والا تھا۔ ہم برآمدے سے اٹھ کر اندر آگئے۔ میں نے دروازہ بند کرکے تالا لگادیا اور اوپر کا بولٹ بھی چڑھا دیا۔

کمرے میں آکر نرگس نے کھڑکیوں کے سامنے پردے برابر کردیئے اور قمیص کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر چابیوں کا ایک چھلا نکالا جس میں صرف دو چابیاں تھیں۔

یہ دونوں چابیاں الماری کی تھیں۔ اس نے ایک چابی سے الماری کا دروازہ کھولا اور تھیلا نکال کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ میلے کپڑے اب بھی تھیلے ہی میں تھے جو اس نے نکال کر نیچے فرش پر پھینک دیئے اور پھر ٹانگیں نکال کر ایک طرف رکھ دیں اور تھیلے کو الٹا کر پلٹ دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ ہزار اور پانچ سو روپے والے نوٹوں کی گڈیاں اور زیورات دیکھ کر اس نے ایک ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔

''تم نے تو واقعی اس کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں چھوڑی۔'' وہ اپنی کیفیت پر قابو پا کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''اگر اس کا ہارٹ فیل نہ ہوا تو مجھے یقین ہے کہ وہ خودکشی ضرور کرلے گی۔''

میں جواب دینے کے بجائے نوٹوں کی گڈیاں اٹھا کر الگ الگ رکھنے لگا۔ وہ رقم گننے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ ایک ایک لاکھ اور پچاس پچاس ہزار کے بنڈل تھے۔ ہر بنڈل پر بینک کی مہر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بھی لگی ہوئی تھی۔

نرگس نے وہ نیکلس اٹھا کر گلے میں پہن لیا جو اس روز بھی اس نے پسند کیا تھا۔ میں نے رضیہ کے زیورات بھی ڈبوں سے نکال کر تھیلے میں ڈال لیے تھے۔ انہیں الگ کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ سونے کی رنگت اور ڈیزائن بالکل الگ تھے' اس لیے دو زیورات الگ کرنے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

میں اپنے کام میں لگا ہوا تھا اور نرگس اپنے کام میں مصروف تھی۔ نیکلس پہننے کے بعد اس نے کلائیوں میں دونوں موٹے موٹے جڑاؤ کنگن بھی پہن لیے تھے اور ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دو انگوٹھیاں بھی پہن لی تھیں۔

"کیسی لگ رہی ہوں۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"ہندوستان کی کسی ریاست کی مہارانی۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو جا کر آئینے میں دیکھ لو۔"

وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ دروازہ کھولا اور بتی جلا کر سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھنے لگی۔

"آؤ..... یہاں آ کر دیکھو۔ میں آئینے میں کیسی لگ رہی ہوں۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں بیڈ سے اٹھ کر اس کے قریب چلا گیا اور اس کے پیچھے کھڑے ہو کر اسے آئینے میں دیکھنے لگا۔ وہ واقعی کوئی مہارانی لگ رہی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیے۔ اس نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر آگے سینے پر رکھ لیے اور گردن گھما کر میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم سرخی کے ڈورے تیرنے لگے تھے۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیے اور مسکراتا ہوا بیڈ کی طرف آ گیا' جہاں سب کچھ بکھرا تھا۔

نرگس بھی اس طرف آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں اب سرخی کے ڈوروں کے بجائے مایوسی کے سائے نظر آ رہے تھے۔

میں نے نوٹوں کے بنڈل اٹھا کر تھیلے میں رکھنا شروع کر دیے۔ نرگس بھی اپنے جسم پر سجے ہوئے زیورات اتارنے لگی اور آخر میں جب اس نے گلے میں پڑے ہوئے نیکلس پر ہاتھ ڈالا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ رہنے دو۔" میں نے کہا۔ "یہ نیکلس تم نے پہلے ہی پسند کر لیا تھا۔ ویسے بھی یہ تمہاری خوبصورت گردن میں اچھا لگ رہا ہے۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟" اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔ "اچھا اب یہ سب کچھ سمیٹ کر رکھو۔ سونے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"

تمام چیزیں دوبارہ تھیلے میں ٹھونس کر تھیلا الماری میں رکھ کر نرگس نے تالا لگایا اور میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے چابی قمیص کے گریبان میں ڈال لی۔

میں بستر پر لیٹ چکا تھا۔ نرگس نے گرین نائٹ بلب جلا کر ٹیوب لائٹ بجھا دی اور بیڈ پر لیٹ گئی۔ میں سرک کر ذرا پیچھے ہٹ گیا۔

اگرچہ ڈھائی بج چکے تھے مگر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ایک تو رخسار پر رہ رہ کر ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور دوسرے رنگ کی بو دماغ کو چڑھی جا رہی تھی۔ تازہ تازہ رنگ ہوا تھا اور میرے خیال میں یہ بو چند روز تک تو پریشان کرے گی اور پھر نیند نہ آنے کی سب سے بڑی وجہ آج کا واقعہ تھا۔

سلطان عرف شاہ جی سے باقاعدہ ٹھن گئی تھی اور یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ وہ شروع ہی میں کھل کر سامنے آ گیا تھا ورنہ ہو سکتا ہے میں کسی وقت دھوکے میں مارا جاتا۔

میں جانتا تھا کہ شاہ جی سے دشمنی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اب وہ کئی سال پہلے والا سڑک چھاپ غنڈہ اور ہیروئن کی پڑیاں بیچنے والا سلطان نہیں تھا۔ میرے حساب سے وہ ایک کروڑ پتی آدمی تھا اور اس نے اپنے ہاتھ پیر بھی بہت پھیلا لیے تھے۔ یقیناً اس کے تعلقات بھی بہت ہوں گے۔ ایسے لوگ تو سب سے پہلے ان لوگوں کو قابو کرتے ہیں جو قانون کی حفاظت کے ذمے دار ہوتے ہیں اور قانون کے یہی محافظ اعلیٰ افسران شاہ جی جیسے لوگوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ لہٰذا شاہ جی کی دشمنی کا مطلب تھا کہ اب میں بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

اب ہمارے پاس اتنی دولت تھی کہ ہم اپنی پوری زندگی عیش و آرام سے گزار سکتے تھے۔ نرگس نے تو مشورہ بھی دیا تھا کہ ہم کسی دوسرے شہر چلے جائیں۔ کہیں ایسی جگہ جہاں شاہ جی یا رضیہ ہمارا سراغ نہ لگا سکیں۔ لیکن میں نے اس کا مشورہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ایک تو میں میدان چھوڑ کر بھاگنا نہیں چاہتا تھا اور پھر میں یہ بات بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ میں کہیں بھی چلا جاؤں' شاہ جی کے گرگے ہمیں ڈھونڈ نکالیں گے۔

میدان چھوڑ کر بھاگ جانے میں کوئی مزہ نہیں تھا۔ ابھی تو میں نے رضیہ اور شاہ جی کو پہلی چپت لگائی تھی۔ دونوں کو لگنے والی یہ چپت میرے خیال سے خاصی زوردار تھی۔ میں ان کے بلبلانے اور تڑپنے کا مزہ لینا چاہتا تھا اور پھر میں نے اس پر تو بازی ختم نہیں کر دی تھی۔ ابھی تو کھیل شروع ہوا تھا۔ اس میں تو ابھی بڑے دلچسپ موڑ آنے والے تھے۔

شاہ جی تو نیچ اور کمینہ تھا ہی رضیہ بھی بڑی کم ظرف نکلی تھی۔ اس نے شاہ جی کی وجہ سے ہی مجھ سے نظریں بدلی تھیں۔ وہ میرے کروڑوں روپے مالیت کے زیور ہضم کرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میں پہلے بھی کئی سنگین مقدمات میں پولیس کو مطلوب تھا اور تازہ ترین کیس مجھ پر نرگس کے اغوا کا بن گیا تھا۔ رضیہ نے ایک دو مرتبہ دبے لفظوں میں ان باتوں کا حوالہ بھی دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کے دباؤ میں رہوں گا اور ان زیورات کو بھول کر اس کے اشارے پر چلنے لگوں گا۔ ہماری بلی ہمیں سے میاؤں۔ اسے لگنے والے چپت شاہ جی کے مقابلے میں زیادہ زوردار تھی۔ مجھے نرگس کے اس خیال سے بہت اتفاق تھا کہ اپنی خفیہ الماری سے سب کچھ غائب پا کر اگر اس کا ہارٹ فیل نہ ہوا تو وہ خودکشی ضرور کر لے گی۔

لیکن ..... میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ رضیہ جیسی بے غیرت اور بے ضمیر عورتیں آسانی سے نہیں مرا کرتیں۔ اس نے اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لیے شوہر کو دھوکا دیا تھا۔ میرے ساتھ طویل عرصہ تک رنگ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رلیاں مناتی رہی تھی اور میں اسے ملتان کے ایک ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا مگر الیاس نامی ایک شخص اور اس کی بیوی نے اسے ہوٹل والوں سے بچا لیا تھا اور اسے اپنے ساتھ لاہور لے آیا تھا اور ہمدردی کی بنا پر اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

دفعتہً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ رضیہ نے بتایا تھا کہ چند روز بعد الیاس کی بیوی صائمہ ایک حادثے میں ہلاک ہوگئی تھی۔ الیاس اسے داشتہ کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا اور پھر رضیہ نے اسے شادی پر مجبور کر دیا تھا اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد الیاس کو بھی گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔

کیا یہ دونوں حادثات محض اتفاقیہ تھے یا ان کے پیچھے کوئی سازش کارفرما تھی۔ الیاس کے گھر آنے کے بعد شاہ جی جیسے لوگوں سے رضیہ کے تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ میں ان دونوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ رضیہ جیسی جوان اور حسین عورت کو دیکھ کر شاہ جی کی رال ضرور ٹپکی ہوگی۔ مجھے وہ دن بھی یاد تھا جب میں ہوٹل میں ملازم تھا تو شاہ جی عرف سلطان ہوٹل کے پچھلی طرف واقع گودام میں ایک بھیک مانگنے والی عورت کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔

اس طرح رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر بھی شاہ جی کو شرم نہیں آئی تھی۔ اور وہ بے غیرتوں کی طرح ہنستا رہا تھا۔

شاہ جی نے بھکارن تک کو نہیں چھوڑا تھا تو رضیہ تو جوان اور اس بھکارن کے مقابلے میں بہت حسین تھی۔ ایک بڑے آدمی کی بیوی بھی بن چکی تھی۔ عالی شان کوٹھی میں رہتی تھی۔ اسے دیکھ کر شاہ جی کی رال ضرور ٹپکی ہوگی۔

اور اب شاہ جی اور رضیہ کے درمیان جس نوعیت کے تعلقات تھے انہیں سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا تھا کہ وہ دونوں حادثے اتفاقیہ نہیں ہو سکتے تھے۔ شاہ جی اس پوزیشن میں تھا کہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

میں جیسے جیسے سوچتا گیا میرے شبہے کو تقویت ملتی گئی۔ ایسے مشتبہ معاملات کی تحقیقات کرنا پولیس کا کام تھا اور پولیس کے ہاتھ پیر باندھ دینا شاہ جی جیسے لوگوں کے لیے مشکل نہیں تھا۔

میں جیسے جیسے یہ سب کچھ سوچتا رہا میرا ذہن الجھتا گیا اور پھر نرگس کو بیڈ سے اٹھتے دیکھ کر میرے خیالات منتشر ہوگئے۔ میں اپنی سوچوں میں اس قدر مستغرق تھا کہ اپنے ساتھ بیڈ پر لیٹی ہوئی نرگس کو بھول ہی گیا تھا۔

''نیند نہیں آ رہی۔ عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے۔'' نرگس نے میرے بولنے سے پہلے ہی میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نئی جگہ ہے۔ شاید اس لیے نیند نہیں آ رہی۔'' میں نے جواب میں کہا۔ ''کوشش کرو۔ نیند آ جائے گی۔''

''دو گھنٹوں سے تو کوشش کر رہی ہوں۔ تم توجہ ہی نہیں دے رہے۔'' نرگس نے کہا۔ اس کے لہجے میں شکوہ نمایاں تھا۔

''سوری ڈیئر۔ میں بھول گیا تھا کہ تم میرے ساتھ ہو۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''اچھا چلو لیٹو۔ میں لوری سناتا ہوں۔ تمہیں ضرور نیند آ جائے گی۔''

''لوری سناتے ہوئے اپنی آواز دھیمی رکھنا' ایسا نہ ہو پڑوس کے گھروں میں سوئے لوگ بھی تمہاری لوری سن کر جاگ جائیں۔'' نرگس نے کہا اور دوبارہ بستر پر لیٹ گئی۔

اس کی بذلہ سنجی پر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا اور پھر نیند کے لیے مجھے بھی خاصی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔

وہ خواب تھا یا حقیقت۔ مجھے فوری طور پر اس کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز مسلسل میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ میں نے ایک دو مرتبہ کروٹیں بدل کر اس آواز سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔

میں آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ذہن پر نیند کا خمار طاری تھا۔ کئی لمحوں تک تو میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ کہاں ہوں۔ نئی جگہ کی وجہ سے ذہن الجھ گیا تھا۔ گھنٹی کی آواز مسلسل میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ نرگس گہری نیند میں تھی۔ گھنٹی کی آواز سن کر میں یہی سمجھا کہ شاید گیٹ کی کال بیل بج رہی ہے۔ ذہن خوابیدہ ہونے کے باوجود چودھری امین کا خیال آ گیا۔ میں نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔

میں نے بیڈ سے اتر کر چپل پہنی اور کمرے سے نکل گیا۔ لاؤنج میں پہنچ کر برآمدے والے دروازے کی طرف گھوما ہی تھا کہ گھنٹی کی آواز پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ میں اچھل پڑا اور مڑ کر بائیں طرف صوفے کے قریب سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگا۔

جس روز ہم یہاں آئے تھے۔ چودھری امین نے بتایا تھا کہ اس گھر میں ٹیلی فون تو موجود ہے مگر کسی وجہ سے بند کروا رکھا ہے۔ ایک دو روز میں کھلوا دیا جائے گا۔ اس نے اپنے دفتر سے ٹیلی فون سیٹ بھی لا کر لگا دیا تھا۔ یہ اس کوٹھی میں ہماری پہلی رات تھی۔ ہم کل دوپہر کے قریب یہاں آئے تھے۔ اس وقت سے اب تک پہلی مرتبہ فون کی گھنٹی بجی تھی جس کا مطلب تھا کہ فون کھل گیا تھا۔

میں مڑ کر ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی دو قدم دور ہی تھا کہ گھنٹی بجنا بند ہوگئی۔ میں نے گھور کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا اور قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ چند منٹ بعد گھنٹی دوبارہ ضرور بجے گی۔

میں صوفے پر بیٹھا خوابیدہ ذہن سے سوچ رہا تھا کہ یہ کس کی کال ہو سکتی ہے۔ کیا رضیہ یا شاہ جی کو پتہ چل گیا ہے کہ ہم کہاں ہیں؟ میں نے اس احمقانہ خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ ہم نے یہ کوٹھی کرائے پر حاصل کرنے' یہاں سامان پہنچانے اور خود بھی یہاں آنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا' رضیہ یا شاہ جی کو کیسے پتہ چل سکتا تھا۔ اگر شاہ جی کو پتہ ہوتا تو وہ رات ہی کو یہاں حملہ کر دیتا۔ جب اسے مکان کا پتہ نہیں تھا تو فون کا نمبر کیسے معلوم ہو سکتا تھا جبکہ یہ ٹیلی فون بھی گزشتہ چھ مہینوں سے بند پڑا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ کال ان کے لیے ہو جو ہم سے چھ مہینے پہلے یہاں رہتے تھے۔ ان کے کسی جاننے والے کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ وہ لوگ یہاں سے جا چکے ہیں اور آج یاد آنے پر فون کر دیا ہو۔

تقریباً دو منٹ بعد فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ میں نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد ریسیور اٹھا لیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ایک نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے فون کا نمبر دہرایا تو میری نظریں بے اختیار ٹیلی فون سیٹ کی طرف اٹھ گئیں۔ ڈائل کے اوپر ایک کاغذ چپکا ہوا تھا جس پر بال پین سے جلی ہندسوں سے نمبر لکھا ہوا تھا۔

''ہیلو۔ میں ٹیلی فون ایکسچینج سے بول رہی ہوں۔'' نسوانی آواز نے کہتے ہوئے ایک بار پھر نمبر دہرایا۔ ''کیا آپ کا فون ٹھیک ہے۔''

''جی ہاں۔ چھ مہینوں بعد پہلی مرتبہ گھنٹی بجی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''فون آپ ہی کی درخواست پر بند کیا گیا تھا اور اب آپ ہی کی درخواست پر دوبارہ کھول دیا گیا ہے۔ شکریہ جناب۔ میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ آپ کا فون ٹھیک کام کر رہا ہے یا نہیں۔''

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کلک کی ہلکی سی آواز سے لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ فون کھل جانے سے میری بہت بڑی مشکل حل ہوگئی تھی۔ اس طرح میں اپنے ان چند پرانے آدمیوں سے رابطے کرسکتا تھا جو پہلے میرے ساتھ مل کر کام کرتے رہے تھے۔ لیکن مجھے اتنی عجلت بھی نہیں تھی۔ کسی کا فون نمبر میرے پاس نہیں تھا۔ پہلے تو میں کسی نہ کسی طرح ان کے نمبر حاصل کرتا اور پھر رابطے۔

مجھے اس وقت پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر غیر ارادی طور پر فریج کھول لیا۔ خالی فریج میرا منہ چڑا رہا تھا۔ کل شام فریج چلا تو دیا تھا لیکن اس میں کوئی چیز رکھی نہیں گئی تھی۔

میں نے کچن میں آ کر کولر سے پانی کا گلاس بھرا۔ نرگس نے کل شام کولر میں برف ڈلوائی تھی لیکن اس وقت کولر کا پانی بھی گرم ہو چکا تھا۔ میں نے پہلے سے خریدی گئی پلاسٹک کی بوتلیں بھر کر فریج میں رکھ دیں۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد ٹھنڈا پانی تو پینے کو مل جائے گا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں کچن میں رکھی ہوئی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ نرگس نے بڑے سلیقے کا ثبوت دیا تھا۔ ہر چیز پلاسٹک کے خوبصورت ڈبوں میں تھی اور ان پر چٹیں بھی لگی ہوئی تھیں جن پر ہر چیز کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے مطلوبہ چیزوں والے ڈبے ریک پر سے اتار لیے اور ہیٹر جلا کر اپنے لیے چائے بنانے لگا۔

اور پھر اس روز دوپہر کے کھانے کے بعد میں رضیہ کے گھر سے لائی ہوئی فائلیں لے کر بیٹھ گیا۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ میں یہ فائلیں دیکھ کر اس جائیداد کی مالیت کا اندازہ لگانا چاہتا تھا جو الیاس چھوڑ کر مرا تھا۔ رضیہ اس کی بیوی تھی اور قانونی طور پر اس کی جائیداد کی وارث بھی۔ مجھے رضیہ سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ پہلی بیوی سے الیاس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ کوئی ایسا قریبی عزیز بھی نہیں تھا جو وراثت کا دعویٰ کرتا۔ اس جائیداد کی وارث اب سو فیصد رضیہ ہی تھی۔ ویسے تو سب کچھ رضیہ کے قبضے و تصرف میں تھا لیکن یہ سب کچھ اپنے نام منتقل کروانے کے لیے عدالتی کارروائی ضروری تھی۔ جو اب تک نہیں ہوئی تھی۔ اس کا طریقہ اگرچہ بہت سادہ سا تھا۔ رضیہ عدالت میں وراثت کی درخواست دے دیتی۔ کارروائی کے بعد یہ ساری جائیداد اس کے نام منتقل ہو جاتی مگر رضیہ نے ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ خوفزدہ تھی ایک تو اس کا اپنا کردار مشکوک تھا اور دوسرے اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ عدالتی کارروائی کے دوران کوئی اور دعویدار سامنے نہ آ جائے۔ اس طرح معاملہ الجھ جاتا۔ اس لیے رضیہ اس حوالے سے خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

''میں ان فائلوں کا جائزہ لیتا رہا اور حیران ہوتا رہا۔ کروڑوں کی جائیداد تھی۔ ماڈل ٹاؤن میں

شاندار وسیع و عریض ڈبل اسٹوری کوٹھی' لبرٹی مارکیٹ میں دکانیں اور بہت کچھ..... رضیہ اگر چاہتی تو بڑے آرام و سکون سے زندگی گزار سکتی تھی مگر وہ شاہ جی جیسے آدمی کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔

میں نے تیسری فائل کھولی تو اس میں رکھا ہوا ایک کاغذ دیکھ کر چونک گیا۔ میں وہ کاغذ نکال کر دیکھنے لگا۔ اس کا کسی جائیداد سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن میرے لیے بہت زیادہ اہم تھا۔

اس کاغذ پر مختلف لوگوں کے نام' پتے اور ٹیلی فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔ تیرہ نام تھے۔ میں اس فہرست کا جائزہ لینے لگا۔ دو نام عورتوں کے تھے۔ ان میں صرف ایک کے نام کے سامنے فون نمبر لکھا تھا۔ باقی کے سامنے گھروں کے ایڈریس تھے۔

اس فہرست میں دو نام مجھے جانے پہچانے نظر آئے۔ ان میں ایک نام جیرے بلیڈ کا تھا جس سے میں لاہور میں میرا نہکا تھا' جیرا میرے ساتھ کام کیا کرتا تھا۔ نہایت جی دار اور جگرے والا آدمی تھا اور نہایت قابل بھروسہ بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس پر اندھا اعتماد کیا کرتا تھا اور اس نے بھی میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی۔ انہی دنوں جیرا بلیڈ نام سے ایک پنجابی فلم بھی ریلیز ہوئی تھی اور میرے ہی ایک ساتھی نے جیرے کے نام کے ساتھ بلیڈ کا اضافہ کر دیا تھا اور وہ جیرا بلیڈ کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ ویسے اس زمانے میں کئی جیرا بلیڈ پیدا ہو گئے تھے۔ اور اب میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی جیرا بلیڈ تھا یا کوئی اور۔ میرا جیرا بلیڈ باغبانپورہ میں رہا کرتا تھا اور ٹیلی فون کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور یہ جیرا بلیڈ سمن آباد کا رہائشی تھا اور ٹیلی فون بھی تھا لیکن..... حالات بھی بہت بدل گئے تھے۔ گردش زمانہ سے باعزت' معزز اور دولت مند لوگ خاک نشیں ہو گئے تھے اور سڑک چھاپ غنڈے اور بدمعاش عالیشان کوٹھیوں میں پہنچ گئے تھے۔ یہ سب ہیروئن کا کمال تھا۔ اس ہیروئن نے تو کسی کو زمین کے اندر پہنچا دیا تھا اور کسی کو آسمان پر۔ بہرحال' میں نے جیرا بلیڈ کے نام پر نشان لگا دیا۔ میں اس سے رابطہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

دوسرا جانا پہچانا جان زبیر تھا۔ اس نام کا ایک آدمی بھی میرے ساتھ کام کیا کرتا تھا۔ وہ بھی ایک قابل اعتماد آدمی تھا۔ وہ مصری شاہ میں رہا کرتا تھا' لیکن اس فہرست میں اس کے نام کے آگے بھی سمن آباد کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس نام پر بھی نشان لگا دیا اور دوسرے ناموں پر غور کرنے لگا۔ لیکن کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ میں عورتوں کے دونوں ناموں پر زیادہ توجہ دے رہا تھا۔ ان میں ایک لیلیٰ تھی اور دوسری شبنم۔ لیلیٰ گلبرگ کی رہنے والی تھی اور شبنم اقبال ٹاؤن کی۔ فون نمبر شبنم کے نام کے سامنے لکھا ہوا تھا۔

''ان فائلوں میں کیا تلاش کر رہے ہو؟''

نرگس کی آواز سن کر میں نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور چونک گیا۔ اس نے آسمانی رنگ کا وہ سوٹ پہنا ہوا تھا جو چند روز پہلے ہم نے انارکلی سے خریدا تھا۔ یہ سوٹ اس نے پہلی مرتبہ پہنا تھا۔ قمیص کا گلا خاصا فراخ تھا اور وہ خوبصورت نیکلس اس کے گلے میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''میں ان فائلوں کو دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ رضیہ کتنی بڑی آسامی ہے۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''کروڑوں کی جائیداد ہے۔ وہ چاہتی تو کچھ کیے بغیر عیش و آرام کی زندگی گزار سکتی تھی۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''ہوس کبھی کم نہیں ہوتی۔ وہ دولت کی ہو یا کسی اور چیز کی۔'' نرگس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تم سے پہلے میں صرف دو تین مرتبہ رضیہ سے ملی ہوں۔ میں نے اس وقت بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ رضیہ کس قماش کی عورت ہے۔ دولت کی ہوس کے لیے اس سے کسی بھی بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔ جو عورت اپنے خوبصورت جسم کو دولت کے حصول کا ذریعہ بنا لیے اس کے بارے میں کوئی اچھی بات نہیں سوچی جاسکتی۔''

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ یہی بات خود نرگس کے بارے میں بھی کہی جاسکتی تھی۔ وہ اپنے ناکارہ اور نکمے شوہر کے ساتھ مفلسی کی زندگی گزار رہی تھی۔ میرے پاس دولت دیکھ کر اس نے ملاقات کی پہلی ہی رات میرے ساتھ بستر پر گزاری تھی اور پھر شوہر کو چھوڑ کر میرے ساتھ بھاگ آئی تھی۔ اگر مجھ سے پہلے اسے ایسا کوئی موقع ملتا تو وہ اس سے بھی ضرور فائدہ اٹھاتی لیکن میں یہ بات نرگس سے کہہ نہیں سکتا تھا۔ وہ ناراض ہو جاتی' جبکہ ابھی مجھے اس کی ضرورت تھی۔

''ویسے تمہارے خیال میں یہ جائیداد کتنی مالیت کی ہوگی؟'' اس نے پوچھا۔

''ان کاغذات کے حساب سے تو کروڑوں کی مالیت بنتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ قیمت پندرہ سال پہلے کی ہے اور آج تو ان میں بہت اضافہ ہو چکا ہوگا۔''

''کیا یہ جائیداد بیچی نہیں جاسکتی۔'' نرگس بولی۔

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''رضیہ نے میری جو توہین کی ہے اسے میں کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ اس نے کیسے کیسے کچوکے لگائے ہیں مجھے۔ میں نے ایک ایک لمحہ بڑی اذیت میں گزارا ہے۔ میں اس سے ایسا انتقام لینا چاہتی ہوں کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک یاد رکھے۔''

''ہم نے اس کی ساری جمع پونجی تو اڑا لی ہے۔ اس کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں چھوڑی۔ کیا یہ کافی نہیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں اسے سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' نرگس نے کہا۔ ''یہ جائیداد بک سکتی ہو تو بیچ دو۔ اسے دھکے دے کر اس کوٹھی سے نکالا جائے تو مجھے حقیقی خوشی ہوگی۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ ''چودھری امین تو پراپرٹی کا بزنس کرتا ہے۔ تم اس سے بات کر کے دیکھو۔ شاید وہ اس جائیداد کو فروخت کرنے کا کوئی راستہ نکال لے۔''

چودھری امین کے نام پر میں چونک گیا۔ پراپرٹی ڈیلر تو جائیداد کو ادھر سے ادھر کر دینے میں ایسے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ چودھری امین کوئی ایسا شریف آدمی تو نہیں ہوگا کہ اس نے کبھی ایسا کوئی کام نہ کیا ہو۔

''بات تو تم نے عقلمندی کی کی ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے نرگس کی طرف دیکھا۔

''ڈیل بہت بڑی ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا اور پھر یہ بھی پتہ نہیں کہ چودھری امین ایسا کوئی کام کرنے پر آمادہ ہوگا بھی یا نہیں۔''

''کیسے آمادہ نہیں ہوگا۔'' نرگس نے کہا۔ ''لاکھوں روپے ملنے کی توقع ہو تو وہ کام کیوں نہیں

کرے گا اور پھر میں بھی تو موجود ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے اسے گھورا۔

''میں ساتھ رہوں گی تو اس کی حوصلہ افزائی ہوگی۔'' نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''جانتے ہو کسی اور طریقے سے کوئی کام نہ ہو سکتا ہو تو خوبصورت عورت چٹکی بجاتے میں وہ کام کرا لیتی ہے۔''

''تو گویا تمہیں بھی شہر کی ہوا لگ گئی ہے۔'' میں نے کہا۔

''حالات انسان کو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔'' نرگس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے میں ایک دو دن میں چودھری امین سے بات کروں گا۔ لیکن اسے آمادہ کرنے کے لیے تمہارا کردار زیادہ اہم ہوگا مگر.....''

''مگر کیا؟'' نرگس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''مجھے ڈر ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر اس کی جھولی میں نہ جا گرو۔'' میں نے کہا۔

''اطمینان رکھو۔ یہاں تک نوبت نہیں آئے گی۔'' نرگس مسکرا دی۔

نرگس پر مجھے فی الحال کسی قسم کا شبہ نہیں تھا لیکن رضیہ کے بارے میں اس کی تجویز سن کر میں اس کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ رضیہ سے تو میں بھی خار کھائے بیٹھا تھا۔ میں اگرچہ اسے اچھا خاصا نقصان پہنچا چکا تھا لیکن شاید اندر سے میرے انتقام کی آگ بھی سرد نہیں ہوئی تھی۔ اور میری بھی خواہش تھی کہ میں بھی اسے سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھوں۔

یہ بات میں بھی جانتا تھا کہ اگرچہ الیاس کی جائیداد فروخت کرنے کے لیے جعل سازی کے ہتھکنڈے استعمال کیے جائیں گے لیکن رضیہ اسے چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ وہ بھی میری طرح جرائم میں ملوث رہی تھی۔ اور اب بھی منشیات کے ایک بین الاقوامی سینڈیکیٹ سے وابستہ تھی۔ وہ جائیداد کے معاملے میں عدالت کا سامنا نہیں کر سکے گی۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ باہر ہی باہر اپنے تعلقات استعمال کرے گی۔ شاہ جی جیسے لوگ اس کی مدد کو آئیں گے لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ انہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ لیکن ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے بہت سوچ بچار اور احتیاط کی ضرورت تھی۔

''وہ کتیا شیخوپورہ سے واپس آگئی ہوگی۔ ٹیلی فون کر کے معلوم تو کرو کہ وہ زندہ ہے یا حرام موت مر گئی۔'' نرگس نے کہا۔

مجھے نرگس کا یہ مشورہ بھی پسند آیا۔ اس وقت ہم بیڈروم میں تھے۔ میں نے فائلیں تکیے کے نیچے رکھ دیں اور اٹھ کر لاؤنج میں آ گیا۔ نرگس بھی میرے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔ میں صوفے کے کنارے پر بیٹھ کر ذہن پر زور دے کر رضیہ کا فون نمبر یاد کرنے لگا اور پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔

تیسری گھنٹی پر کال ریسیور کر لی گئی۔ ایک نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ رضیہ کی آواز تو ہرگز نہیں تھی۔ میرے ذہن میں اچانک ہی نوری کا خیال ابھرا۔

''نوری۔'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ آپ کون ہیں جی؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"میں ناجی بول رہا ہوں نوری۔" میں نے کہا۔ "رضیہ کہاں ہے۔ وہ شیخوپورہ سے واپس آ گئی یا نہیں۔"

"آ گئی ہے جی۔ صبح نو بجے ہی آ گئی تھی۔" نوری کی آواز سنائی دی۔

"آپ کہاں غائب ہو جی۔ یہاں تو صبح سے قیامت مچی ہوئی ہے۔ شاہ جی بھی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ وہ دونوں آپ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ رضیہ بی بی تو آپ دونوں کو جھولیاں بھر بھر کر بددعائیں دے رہی ہیں۔"

"کیوں..... کیا ہوا..... ہم نے کیا بگاڑا ہے اس کا؟" میں نے کہا۔

"آپ نے تو اس کا ککھ نہیں چھوڑا جی۔" نوری نے جواب دیا۔ "ویسے آپ نے بہت اچھا کیا جی۔ اس کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ایک منٹ رضیہ بی بی آ رہی ہے۔ اس کو مت بتانا میں نے کیا کہا تھا۔" آخر میں نوری کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

چند لمحے خاموش رہی پھر ریسیور پر رضیہ کی دہاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اوئے ناجی دے بچے۔ تیرا بیڑہ غرق ہو۔ تم نے میرا ککھ نہیں چھوڑا۔ میں...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اور وہ کتیا..... نرگس..... اس کی تو بوٹیاں کاٹ کر کتوں کو کھلاؤں گی۔ ٹکڑے کر دوں گی تم دونوں کے۔ کیڑے پڑیں تمہاری لاشوں میں۔" گالیوں اور بددعاؤں کا طوفان تھما تو بھائیں بھائیں رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔

"بس یا کچھ اور۔" میں نے کہا۔ "اگر بھول گئی ہو تو کچھ گالیاں میں یاد دلا دوں۔"

"تیری لاش کو کتے کھائیں ... مم..... میں تمہیں زندہ ..... نہیں ..... چھوڑوں گی..... ڈھونڈ لوں گی تمہیں۔" رونے کی آواز کے ساتھ ایسی آوازیں بھی سنائی دیتی رہیں جیسے وہ ریسیور منہ کے سامنے سے ہٹا کر کسی اور سے بات کر رہی ہو۔ پھر دہاڑتی ہوئی مردانہ آواز سنائی دی۔ "اوئے حرامزادے۔" وہ شاہ جی کی آواز تھی۔ وہ بھی بہت بھنایا ہوا تھا۔ "میں تمہیں تین دن کی مہلت دے رہا ہوں۔ اگر تم تین دن کے اندر رضیہ کی خفیہ الماری سے لوٹی ہوئی رقم اور زیورات واپس کر دو تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ بصورت دیگر تمہیں لاہور میں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔"

"سلطانے۔" میں نے طیش دلانے والے انداز میں کہا۔ "اپنی حفاظت تو تم کر نہیں سکتے۔ دوسروں کی حمایت میں بلاوجہ بڑھکیں کیوں مار رہے ہو۔ اگر تم میرے ساتھ شرافت کا مظاہرہ کرتے تو میں تمہارے بہت کام آ سکتا تھا لیکن اب سمجھ لو کہ تمہاری بادشاہت ختم ہو گئی۔ وہی پرانا دور آ گیا ہے۔ کئی سال پہلے والا۔ گندی نالی کا کیڑا اگر رینگتا ہوا کسی محل کے قالین پر آ جائے تو اس کی حیثیت نہیں بدل جاتی۔ رہتا تو وہ گندی نالی کا کیڑا ہی ہے اور تمہاری بادشاہت کے دن بھی اب گنے جا چکے ہیں۔ بہت جلد تم دوبارہ گندگی نالی میں جانے والے ہو جس سے نکلے تھے۔"

"بند کرو یہ بکواس۔ میں تمہیں تین دن ....."

"مجھے تم سے ایک منٹ کی بھی مہلت نہیں چاہیے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم دیکھ چکے ہو کہ تمہارے گھسرے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے تھے۔ آئندہ بھی وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اس لیے تم

کتوں کی طرح بھونک کر اپنی توانائی ضائع مت کرو۔ اگر تم مجھے تلاش کر سکو تو یہ تمہارا بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔"

"اگر تم لاہور سے نہیں بھاگے تو میں تین دن میں تمہیں تلاش کر لوں گا۔ اور پھر تمہارا جو حشر ہو گا۔ دنیا دیکھے گی۔" وہ چیخا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں لاہور سے نہیں جاؤں گا۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "میں ... سے باہر جا بھی کیسے سکتا ہوں۔ تم سے تو ابھی لمبی دوستی چلے گی۔"

"تم میرے ہاتھوں سے بچ نہیں سکو گے۔" وہ دہاڑا۔ "تمہاری کمینگی میں کوئی شبہ نہیں۔ رضیہ نے تمہیں یہاں پناہ دی اور تم اس کے لیے گڑھا کھود گئے۔ بہت ہی کمینے ہو تم۔"

"تم سے زیادہ نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ویسے تم رضیہ کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ وہ خباثت میں تم سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس سے بچ کر رہنا۔ وہ تمہیں بھی بلف کر رہی ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" شاہ جی غرایا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے وہ زیورات کہاں تھے جو تم مجھ سے حاصل کرنا چاہتے تھے؟"

"تمہارے ہی پاس تھے اور کہاں ہوتے؟" شاہ جی نے کہا۔

"نہیں سلطانے۔" میں نے جواب دیا۔ "جس روز میں رضیہ کے گھر آیا تھا اسی روز میں نے وہ زیورات رضیہ کے حوالے کر دیے تھے جو اس نے اپنی خفیہ الماری میں رکھ لیے تھے اور مجھے ٹرخا دینا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کروڑوں کی اس دولت کو ہضم کر لے گی۔ اس نے تو یہ ساری باتیں تم سے بھی چھپائی تھیں۔ اگر یقین نہیں آ رہا تو رضیہ سے پوچھ لو۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اب میں زیادہ دیر تمہاری بکواس نہیں سن سکتا۔ ویسے بہت جلد ہماری ملاقات ہو گی۔" وہ کچھ کہہ رہا تھا لیکن میں نے فون بند کر دیا اور مسکراتے ہوئے نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو اسے پتہ چل گیا۔" نرگس میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑی۔

"ہاں۔ وہ صبح نو بجے شیخوپورہ سے واپس آ گئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر کوئی غیر معمولی بات ہونے والی ہو تو پہلے ہی سے بے چینی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "رضیہ کو بھی شاید رات بھر بے چینی رہی ہو گی۔ رات تو اس نے جیسے تیسے گزار لی اور صبح ہوتے ہی واپس آ گئی۔ کوٹھی میں پہنچتے ہی اس نے اپنی خفیہ الماری کھول کر دیکھی ہو گی اور ہنگامہ شروع کر دیا ہو گا۔ ویسے ایک اچھی بات یہ ہے کہ اس گھر میں ہماری ایک ہمدرد بھی موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟" نرگس نے مجھے گھورا۔ "اس گھر میں کون ہمارا ہمدرد ہو سکتا ہے۔ وہاں ہمارے خون کے پیاسے تو ہو سکتے ہیں کوئی ہمدرد نہیں۔"

"نوری۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میری کال اس نے ریسیو کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا بہت اچھا کیا۔"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''اوہ۔'' نرگس بولی۔ ''اس کا مطلب ہے کہ رضیہ نے اس کے ساتھ کسی وقت کوئی زیادتی کی ہوگی۔ اس لیے اس کی بربادی پر وہ خوش ہے۔''

''اس میں تو کسی بات کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''رضیہ جس قماش کی عورت ہے وہ تم جان چکی ہو۔ منشیات کے اس بزنس میں خوبصورت عورت کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ جو کام کوئی اور نہیں کرسکتا وہ کام ایک خوبصورت اور جوان عورت چٹکی بجاتے میں کرا لیتی ہے۔ منشیات کے بزنس میں سرکاری اہلکاروں کو رشوت تو دینی پڑتی ہے۔ یہ رشوت نقدی کی صورت میں بھی ہوتی ہے دیگر قیمتی تحائف کی صورت میں بھی اور سب سے زیادہ موثر رشوت ایک حسین اور جوان عورت ہے۔ یہ حربہ کبھی ناکام نہیں رہتا۔'' میں اس کی طرف دیکھ کر بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''نوری کی عمر چالیس سے زیادہ نہیں اور اس کے حسین ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ ہوسکتا ہے رضیہ نے اس کی مرضی کے خلاف اسے......''

''یقیناً یہی بات ہوگی۔'' نرگس نے میری بات کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔ ''اس لیے وہ رضیہ کی بربادی پر خوش ہو رہی ہے لیکن تمہیں خوشی سے بغلیں بجانے کی ضرورت نہیں۔ ہوسکتا ہے یہ بھی کوئی چال ہو۔ ہمیں پھنسانے کے لیے۔''

''ہاں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ انہیں پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ میں خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ بات تو ہے لیکن کسی پر بھروسہ کرنے کے بجائے ہمیں زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔'' نرگس نے کہا۔

''تمہارا مشورہ سر آنکھوں پر مگر......'' میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ''اس وقت ڈھائی بج رہے ہیں۔ پیٹ پوجا کا کوئی ارادہ نہیں ہے کیا۔ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔''

''میں نے تو کچھ پکایا ہی نہیں۔'' نرگس نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

''شد وجھی۔'' میں نے کہا۔ ''لگتا ہے تمہارے ساتھ رہ کر اکثر فاقے ہی کرنے پڑیں گے۔ اب مجھے ہی بازار سے کچھ لانا پڑے گا۔''

''تم باہر جاؤ گے۔'' نرگس کے لہجے میں تشویش ابھر آئی۔

''وہ سب حرامی رضیہ کی کوٹھی پر جمع ہیں' اس لیے فی الحال مجھے کہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

میں کوٹھی سے نکل کر گلیوں کے پچھلی طرف ایک مختصر سے بازار میں پہنچ گیا۔ یہ داتا دربار کا عقبی علاقہ تھا۔ میں نے ایک ہوٹل سے ایک وقت کا کھانا لیا۔ گوشت کی دکان سے بکرے کی دو رانیں بنوالیں۔ کچھ سبزیاں وغیرہ خریدیں اور واپس آ گیا۔ اب تین چار دن تک باہر نکلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک میڈیکل اسٹور سے میں نے اپنے چہرے پر لگانے کے لیے کریم بھی لے لی تھی۔

کھانا کھاتے ہوئے بھی ہم رضیہ اور شاہ جی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

''کاش! میں اس کی حالت دیکھ سکتی۔'' نرگس کہہ رہی تھی۔ ''ویسے یہ بات طے ہے کہ اگر کبھی تم اس کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔''

''تمہارے لیے بھی اس کے یہی ارادے ہیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس نے کہا تھا کہ وہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردے گی اور تمہاری بوٹیاں کتوں کو کھلا دے گی۔''

''اس کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔'' نرگس نے جواب دیا۔

کھانے کے بعد مجھ پر سستی سی طاری ہونے لگی اور میں بستر پر لیٹ گیا۔ میری آنکھیں فوراً ہی بند ہوگئی تھیں۔

بیدار ہوا تو شام کے سات بج رہے تھے۔ لاؤنج کی طرف سے باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک تو نرگس کی آواز تھی اور دوسری آواز بھی نسوانی ہی تھی۔ کبھی کبھی بچے کی قلقاری بھی سنائی دے جاتی۔

میں نے اٹھ کر دروازے سے جھانکا تو وہ سامنے والی پڑوسن شبانہ تھی۔ اس کا شیرخوار بچہ نرگس کی گود میں تھا اور وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے قلقاریاں بھر رہا تھا۔

میں مڑ کر باتھ روم میں گھس گیا اور جب نہا کر باہر نکلا تو شبانہ جا چکی تھی۔ نرگس اس وقت کچن میں تھی۔ میں باہر آ گیا اور برآمدے میں سے میز اور کرسیاں اٹھا کر کھلی جگہ پر رکھ لیں۔ کچھ ہی دیر بعد نرگس چائے لے کر آ گئی۔

''شبانہ کا اس طرح آنا جانا مجھے پسند نہیں۔'' میں نے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں تو دوسروں کی نظروں سے چھپ کر رہنے کی ضرورت ہے۔ پڑوسنوں کی آمدورفت ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ شبانہ ایسی نہیں کہ ہمارے بارے میں کسی کو کچھ بتائے۔'' نرگس نے چائے بناتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ تو بیچاری بہت دکھی ہے اور''

''اوہ۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تو اس نے تمہیں اپنی کوئی دکھ بھری کہانی بھی سنا دی۔ لیکن ایک بات یاد رکھو دوسروں سے ہمدردی کہیں ہمیں نہ لے ڈوبے۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' نرگس بولی۔ ''کوئی اور پڑوسن آئے گی تو میں اس کی اس طرح حوصلہ شکنی کروں گی کہ وہ دوبارہ آنے کی ہمت نہیں کرے گی۔ لیکن شبانہ''

''کوئی خاص بات۔'' میں نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس نے تمہیں ایسی کیا دکھ بھری کہانی سنا دی کہ تم اس قدر زیادہ متاثر ہوگئیں۔''

''وہ واقعی بہت دکھی ہے۔'' نرگس نے جواب دیا۔ ''یہ لوگ اندرون لوہاری میں رہتے تھے۔ اس کا شوہر تانگہ چلاتا تھا۔ روکھی سوکھی جیسی بھی ملتی تھی صبر شکر کے ساتھ بڑے عزت کے دن گزار رہے تھے۔ پتہ نہیں امیر دین کیسے بری سوسائٹی میں پڑ گیا۔''

''تانگے والے' رکشہ اور ٹیکسی ڈرائیور تو ویسے ہی چھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے لیے بری لت کوئی بڑی بات نہیں۔''

''میری بات تو پوری سن لو۔'' نرگس نے میری بات کاٹ دی۔ ''کوئی ضروری نہیں کہ ہر تانگے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

والا رکشہ یا ٹیکسی ڈرائیور بدمعاش ہو۔'' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ ''شبانہ بتا رہی تھی کہ امیر دین واقعی بہت شریف آدمی تھا جو کچھ بھی کماتا رات کو اس کی جھولی میں لا کر ڈال دیتا۔ اسے بیڑی پینے کے علاوہ کوئی نشہ نہیں تھا لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بدل گیا۔ پہلے وہ چالیس پچاس کی دہاڑی کماتا تھا۔ اس میں اچانک ہی دو ڈھائی سو کا اضافہ ہو گیا۔ اس نے شبانہ کو بھی نئے کپڑے بنا کر دیے۔ بیٹے کو بھی اور خود بھی نئے کپڑے پہننے لگا۔ وہ روزانہ بیوی اور بیٹے کے لیے تحائف لے کر آتا۔ پہلے مہینے میں ایک آدھ بار گوشت پکا کرتا تھا پھر امیر دین روزانہ بکرے کا گوشت لے کر آنے لگا۔ پہلے وہ صبح منہ اندھیرے تانگہ لے کر چلا جاتا تھا، پھر دس بجے کے بعد گھر سے نکلتا۔ دو تین بجے واپس آ جاتا۔ پانچ بجے تک گھر پر رہتا اور چلا جاتا۔ اس کی واپسی بارہ بجے کے قریب ہوتی۔

''وہ شاہی محلے میں تانگہ چلاتا تھا جہاں شوقین لوگ آتے ہیں۔ امیر دین نے تانگہ بھی نیا بنا لیا تھا اور اسے خوب سجایا تھا۔ وہ شبانہ سے کہا کرتا تھا کہ اس کے تانگے پر شوقین لوگ بیٹھتے ہیں اور منہ مانگا کرایہ دیتے ہیں، اس لیے اس کی آمدنی بھی زیادہ ہو رہی ہے۔

''شبانہ خوش تھی کہ رب نے اس کی بھی سن لی تھی اور ان کے دن بھی پھر گئے تھے۔ پہلے وہ اپنی قسمت کا رونا روتی تھی کہ ماں باپ نے اسے ایک تانگے والے کے پلو سے باندھ دیا تھا مگر اب وہ خوش تھی کہ وہی تانگے والا اب اسے عیش کرا رہا تھا۔

''اور پھر یہ دن بھی اچانک ہی رخصت ہو گئے۔ اس رات کسی آدمی نے آ کر بتایا کہ امیر دین کو پولیس نے ہیروئن فروشی کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔ شبانہ آٹھ جماعت پڑھی ہوئی ہے لیکن ان دنوں اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ہیروئن کیا ہوتی ہے۔ یہ اطلاع ملنے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد پولیس بھی امیر دین کو لے کر پہنچ گئی۔ امیر دین کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ اس وقت رات کے نو ہی بجے تھے۔ گلی میں لوگ جمع ہو گئے۔

''پولیس نے گھر کی تلاشی لی تو ایک ٹرنک میں کپڑوں کے نیچے چھپی ہوئی ایک تھیلی ملی جس میں سفید پاؤڈر بھرا ہوا تھا۔ اسے بالکل علم نہیں تھا کہ امیر دین نے وہ تھیلی کب وہاں لا کر رکھی تھی۔''

''پولیس والے شبانہ سے بھی پوچھ گچھ کرتے رہے۔ وہ ہر بات سے لاعلمی کا اظہار کرتی رہی۔ اسے جب بتایا گیا کہ اس تھیلی میں ہیروئن ہے تو اسے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ وہ اب تک فلم سٹار نیلو، فردوس وغیرہ کو ہی ہیروئن سمجھتی تھی۔ لیکن یہ ہیروئن تو انوکھی چیز نکلی تھی۔

''پولیس وہ گھنٹوں تک گھر کی تلاشی لیتی رہی لیکن اس ایک تھیلی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ اس میں بھی آدھا [illegible] کے لگ بھگ پاؤڈر تھا۔ جو پولیس اپنے ساتھ لے گئی اور امیر دین کو بھی۔ شبانہ کو پولیس نے کچھ نہیں کہا۔ پولیس کے جانے کے بعد محلے کے لوگ اس کے گھر میں آتے رہے اور اسے طعنے دیتے رہے۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور بیٹے کو سینے سے لگا کے روتی رہی۔ کوئی اس سے ہمدردی کرنے والا تھا۔''

میں بڑے غور سے نرس کی بات سن رہا تھا۔ کہانی واقعی دلچسپ تھی لیکن مجھے اس میں کسی انج

خطرے کی بہت ہلکی سی آنچ بھی محسوس ہونے لگی تھی۔

''شبانہ رات بھر روتی رہی۔ وہ کسی انجانے ڈر اور خوف سے رات کو سو بھی نہیں سکی تھی اور پھر صبح منہ اندھیرے دروازے پر دستک کی آواز سن کر وہ اچھل پڑی۔ اس کا خیال تھا کہ امیر دین واپس آ گیا ہے۔ اس نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا۔ مگر سامنے امیر دین کے بجائے ایک اور شخص کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ غلام سرور نام کا یہ شخص پچھلے چھ مہینوں کے دوران امیر دین کے ساتھ دو مرتبہ ان کے گھر آ چکا تھا۔ امیر دین اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں دیر تک بیٹھا رہتا۔

''شبانہ نے سرور کو اندر بلا لیا۔ سرور ماں بیٹے کے لیے کھانے اور ناشتے کا سامان بھی لے کر آیا تھا۔ شبانہ بار بار اس سے امیر دین کے بارے میں پوچھتی رہی۔

''پریشان نہ ہو بھابی۔ امیر دین بالکل ٹھیک ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوا۔ ایسے کاموں میں معمولی پکڑ دھکڑ تو ہوتی رہتی ہے۔ ایک دو دن میں وہ چھوٹ کر آ جائے گا۔ مجھے معلوم تھا تم نے رات کو کچھ نہیں کھایا ہوگا۔ میں تمہارے لیے ناشتہ لے کر آیا ہوں۔ پہلے ناشتہ کر لو۔ پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ قادر کو جگا کر اسے بھی کھلاؤ۔ وہ بھی رات کو بھوکا ہی سویا ہوگا۔''

''امیر دین نے پتہ نہیں کچھ کھایا ہوگا یا نہیں۔ وہ کس حال میں ہوگا۔'' شبانہ روہانسی آواز میں بولی۔ ''کل جب پولیس اسے یہاں لائی تھی تو اس کی حالت بہت بری تھی۔ پولیس نے اسے مارا تھا۔''

''اس میں غلطی امیر دین ہی کی تھی۔'' غلام سرور نے کہا۔ ''اگر وہ خاموشی سے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیتا تو پولیس اس پر ہاتھ نہ اٹھاتی۔ تم جانتی ہو پولیس والے اپنے آپ کو شہنشاہ سمجھتے ہیں۔ امیر دین کا ایک پولیس والے پر ہاتھ اٹھانا ہی غضب ہو گیا تھا۔ اب پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ پولیس والے اسے ہاتھ نہیں لگائیں گے اور تم اس کی فکر مت کرو۔ میرا ایک بندہ اس کے لیے بھی ناشتہ لے گیا ہے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ وہ اب تک کھا بھی چکا ہوگا۔ لو تم بھی کھانا شروع کرو۔ ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''اپنا ایک ہمدرد پا کر شبانہ کی ڈھارس بندھی۔ اس نے اپنے بیٹے قادر کو جگا دیا اور اس کا منہ دھلا کر اسے ناشتہ کرانے لگی اور خود بھی کھانے لگی۔

شبانہ کے پوچھنے پر غلام سرور نے بتایا کہ وہ امیر دین کا پرانا دوست ہے اور وہ ایک دو دن میں امیر دین کو پولیس سے چھڑا کر گھر لے آئے گا۔ اس نے شبانہ کو تسلی دی اور خرچ وغیرہ کے لیے دو ہزار روپے بھی۔

مگر دن پہ دن گزرتے چلے گئے۔ امیر دین گھر نہیں آیا۔ غلام سرور وقتاً فوقتاً شبانہ کو اس کے بارے میں تسلیاں دیتا رہا۔ امیر دین کا کیس عدالت میں پہنچ گیا تھا۔ ایک روز غلام سرور اسے امیر دین سے ملانے کے لیے عدالت بھی لے گیا تھا۔

''اگلے ہفتے امیر دین کو پولیس کانسٹیبل پر ہاتھ اٹھانے اور ہیروئن فروشی کے جرم میں تین سال کی قید ہوئی اور اسے جیل بھیج دیا گیا۔

شبانہ کا میکہ نارووال میں تھا۔ یہاں اس کے میکے کا کوئی رشتہ دار بھی نہیں تھا۔ سسرالی رشتے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

داروں نے تو اس روز منہ موڑ لیا تھا جب امیر دین پکڑا گیا تھا۔ شبانہ نے غلام سرور کے مشورے پر نارووال میں اپنے گھر والوں کو بھی اطلاع نہیں دی تھی۔ امیر دین کے جیل ہو جانے کے بعد شبانہ نارووال جانا چاہتی تھی۔

''وہاں جا کر کیا کرو گی۔'' غلام سرور نے کہا۔ ''تمہارے ماں باپ بھی پریشان ہوں گے۔ خاندان والوں کو پتہ چلے گا تو رسوائی الگ ہو گی۔ یہیں آرام سے بیٹھی رہو۔ تین سال پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے۔''

''لیکن میں یہاں کیا کروں گی۔ خرچ کہاں سے ہو گا۔ کون دے گا مجھے۔ مکان کا دو مہینے کا کرایہ چڑھ گیا ہے۔ آج وہ کہہ کر گیا ہے کہ اگر اگلے مہینے کرایہ نہ دیا تو وہ مکان خالی کر دے گا۔''

''اس کی تم فکر مت کرو۔'' غلام سرور نے کہا۔ ''امیر دین میرا دوست ہے۔ وہ میرے لیے کام کرتا تھا۔ میں اس کے گھر والوں کو بے آسرا تو نہیں چھوڑ سکتا۔ جب تک امیر دین رہا نہیں ہو جاتا تمہارے تمام اخراجات میری ذمے داری ہے۔''

اس روز غلام سرور اسے پانچ ہزار روپے دے گیا تھا۔ شبانہ نے اس رقم میں سے مکان کا دو مہینے کا کرایہ بھی ادا کر دیا۔ غلام سرور کی آمدورفت جاری رہی۔

چھ مہینے گزر گئے۔ اس دوران وہ غیر محسوس انداز میں ایک دوسرے کے قریب آتے گئے۔ غلام سرور ہر طرح سے اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ اس نے پہلے ہی روز شبانہ سے کہا تھا کہ وہ اسے امیر دین کی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا اور ایسا ہی ہوا۔

شبانہ کا پاؤں بھاری ہو گیا۔ اس کے پیٹ میں گناہ پلنے لگا۔ محلے والے اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ دبے لفظوں میں اس کے ہاں غلام سرور کی آمدورفت پر اعتراض کرتے رہے لیکن کھل کر کبھی کسی نے زبان نہیں کھولی۔ غلام سرور قد و قامت اور شکل و صورت سے ہی بدمعاش لگتا تھا۔ لوگ اس سے ڈرتے بھی تھے لیکن جب شبانہ کے پیٹ کا گناہ نمایاں ہونے لگا تو محلے والے بھی کھل گئے۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر پندرہ دن کے اندر اندر انہوں نے یہ مکان نہیں چھوڑا تو وہ پولیس کے ذریعے اسے نکلوا دیں گے اور پھر انہوں نے مالک مکان پر بھی دباؤ ڈالا جس کے نتیجے میں اسے مکان خالی کرنا پڑا۔

غلام سرور اسے مصری شاہ کے ایک کھولی نما مکان میں لے آیا۔ شبانہ چند مہینے وہیں رہی۔ وہیں پر اس کی بیٹی کی ولادت ہوئی۔ وہاں بھی محلے والوں کو پتہ چل گیا کہ وہ میاں بیوی نہیں۔ ان کے درمیان ناجائز تعلقات ہیں۔

غلام سرور اسے یہاں سامنے والے مکان میں لے آیا۔ یہاں شبانہ نے محلے والوں سے زیادہ تعلقات نہیں رکھے۔ ساتھ والی پڑوسن کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کا شوہر دبئی گیا ہوا ہے۔ غلام سرور اس کا ایک قریبی رشتے دار ہے جو اس کا خیال رکھتا ہے۔ ویسے غلام سرور نے یہاں آنا جانا کم کر دیا اور پچھلے دو مہینوں سے تو وہ بالکل غائب ہے۔

جب شبانہ کے بچی ہونے والی تھی تو نارووال میں اس کے گھر والوں کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ

امیر دین ایک سال سے جیل میں ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ وہ ایک ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہے۔ انہوں نے کسی طرح شبانہ تک یہ پیغام پہنچا دیا کہ وہ نارووال نہ آئے۔

یہ بیچاری فریب کا شکار ہوئی ہے۔ ہمدردی کی آڑ میں اسے لوٹا گیا ہے۔ اس نے اگرچہ لوگوں سے کہہ رکھا ہے کہ اس کا شوہر دبئی چلا گیا ہے لیکن وہ پریشان ہے۔ امیر دین جب جیل سے رہا ہو گا تو وہ اس کا سامنا کیسے کرے گی۔ سب سے بڑی پریشانی اخراجات کی ہے۔ یہ غنیمت ہے کہ غلام سرور نے یہ مکان لیتے وقت چھ مہینے کا کرایہ ایڈوانس دے دیا تھا لیکن اس میں بھی چار مہینے نکل گئے ہیں۔ اگر یہ کرایہ نہ دے سکی تو اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا جائے گا۔ اس سے بڑی پریشانی روزمرہ کے اخراجات کی ہے۔ وہ خود تو بھوکی رہ سکتی ہے لیکن بچے۔'' نرگس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس ادھورے جملے میں بھی بات کا مکمل مفہوم موجود تھا۔

''تم عورت کو نہیں سمجھ سکتے۔'' ہمدردی کے دو بول سن کر وہ موم کی طرح پگھل جاتی ہے اور یہ ہمدردی دراصل اس کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ دوسری طرف عورت فولاد سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اسے جھکنے پر مجبور نہیں کر سکتی لیکن ان باتوں کا انحصار ان حالات پر ہے جن سے وہ دوچار ہوئی ہے۔''

''تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے اسے گھورا۔

''اس کی کچھ مدد کر دی جائے۔'' نرگس بولی۔

''کس طرح؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اسے کام کے لیے اپنے پاس رکھ لیا جائے۔'' نرگس نے جواب دیا۔ ''شبانہ نے خود ہی کہا تھا [illegible] سہارا مل جائے گا۔ زندگی بھر دعائیں دیتی رہے گی۔''

''نرگس بیگم۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں معلوم ہے ہم کن حالات سے دوچار ہیں۔ ایک طرف پولیس ہماری تلاش میں ہے تو دوسری طرف رضیہ اور شاہ جی [illegible] کتوں کی طرح ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہیں اور اتفاق سے شبانہ کے بدنیت ہمدرد غلام سرور کا تعلق [illegible] مافیا سے ہے۔ وہ اگر ڈیڑھ دو مہینے سے یہاں نہیں آیا تو کوئی بات نہیں۔ میں ایسے لوگوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ شبانہ جوان اور حسین ہے۔ سرور جیسے لوگ آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ دوبارہ یہاں آئے گا۔ یہاں اس کی آمدورفت ہوئی تو گلی میں کسی وقت میرا اور اس کا آمنا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کا تعلق شاہ جی کے گروپ سے ہو لیکن وہ وابستہ تو اسی بزنس سے ہے۔ سب لوگ [illegible] کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اگر اس نے مجھے پہچان لیا تو بات پورے لاہور میں پھیل جائے گی [illegible]'' یہ صورتحال ہمارے لیے خطرناک [illegible]''

''سرور اب یہاں نہیں آئے گا۔'' نرگس نے جواب دیا۔ ''اس میں شبہ نہیں کہ شبانہ جوان بھی [illegible] حسین بھی لیکن سرور کا جی اس سے بھر گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی اور لڑکی [illegible] شبانہ سے [illegible] لیکن بہرحال اس غریب کی مدد کر [illegible]

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ویسے ضروری نہیں کہ سرور تمہیں جانتا ہی ہو۔ تم کئی سال بعد یہاں آئے ہو۔ تمہارا حلیہ بھی بدلہ ہوا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ تمہیں دیکھتے ہی پہچان لے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن ایک بات اسے اچھی طرح سمجھا دینا۔ ہمارے گھر کی کوئی بات باہر نہیں جانی چاہیے۔"

"میں اسے سمجھا دوں گی۔" نرگس کے چہرے پر رونق سی آ گئی۔ "اس کی وجہ سے ہمیں بھی بہت آرام مل جائے گا۔ میرا مطلب ہے سودا وغیرہ لانے کے لیے ہم میں سے کسی کو بازار نہیں جانا پڑے گا۔"

"لیکن ہم اس طرح گھر میں بند ہو کر بھی تو نہیں رہ سکتے۔ ہمیں باہر تو نکلنا ہی پڑے گا۔" میں نے جواب دیا۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر مجھے ناموں کی اس فہرست کا خیال آ گیا۔ میں اٹھ کر اندر آ گیا اور وہ کاغذ لے کر ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گیا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور سب سے پہلے جیرے بلیڈ کا نمبر ملانے لگا۔ کال ریسیور ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دوسری طرف سے ایک بھاری آواز میں ہیلو کہا گیا تو کئی سال بعد بھی میں نے اس آواز کو پہچان لیا۔

"ہیلو۔ جیرے بلیڈ کیسے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کون ہو تم؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"میں بوتا بول رہا ہوں۔ شاہ جی کا بندہ۔" میں نے جواب دیا۔

"شاہ جی کا تمہارے لیے ایک پیغام ہے۔ تم کل شام آٹھ بجے....."

"بند کرو یہ بکواس۔" جیرے نے غراتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔ "میں شاہ جی کو بتا چکا ہوں کہ اب ایسا کوئی کام نہیں کروں گا۔ میں ایسے سارے دھندے چھوڑ چکا ہوں۔"

"اس دھندے میں آنے کے بعد کوئی بھی شخص اپنے آپ کو اس سے الگ نہیں کر سکتا۔ ایک ایسا گہرا جال ہے جس سے نکلنے کو کسی کا دل نہیں چاہتا اور تم۔"

"میں نے کہا نا کہ میں سارے دھندے چھوڑ چکا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی۔ "اب کوئی لالچ یا دھمکی مجھے دوبارہ اس دھندے پر آنے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔"

"سوچ لو جیرے بلیڈ۔" میں نے کہا۔ "اس مرتبہ شاہ جی کی طرف سے بہت بڑی آفر ہے۔ ایک رات میں کم از کم دس لاکھ کمانے کا چانس ہے۔"

"دس لاکھ تو کیا دس کروڑ بھی ہوں تو میرا جواب انکار میں ہوگا۔ اور شاہ جی سے کہنا آئندہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرے ورنہ میں اس کے سارے [illegible] کھول دوں گا۔ اس کے رنگوں کی ایک کھیپ پکڑی گئی تو وہ تباہ ہو جائے گا اور کوئی اسے بچانے بھی نہیں آئے گا۔"

[illegible] نے فون بند کر دیا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے [illegible] پہلے [illegible] میں پچھلا [illegible] جیرے بلیڈ تھا جس کی مجھے تلاش تھی۔ [illegible] اب اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس [illegible] کے بعد وہ شاہ جی کے گروپ میں شامل ہو گیا [illegible]

کاروبار سے کنارہ کش ہو چکا ہے اور اب وہ کسی قیمت پر شاہ جی کے لیے کام کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے رنگوں کی کھیپ پکڑوانے کی دھمکی بھی دی تھی اور اس دھمکی پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یہ بات تو مجھے رضیہ نے بھی بتائی تھی کہ رنگوں کی آڑ میں بڑی مقدار میں ہیروئن جنوبی افریقہ کو اسمگل کی جاتی تھی اور اب جیرے بلیڈ نے بھی وہی بات دہرائی تھی۔

میں نے فون کا ریسیور اٹھالیا اور دوبارہ جیرا بلیڈ کا نمبر ملانے لگا۔ یہ شخص میرے کام آ سکتا تھا۔ اس مرتبہ بھی کال فوراً ہی ریسیور کر لی گئی۔

"میں تو سمجھا تھا کہ دس لاکھ کی بات سن کر تم سب کچھ بھول جاؤ گے مگر تم تو ارادے کے پکے نکلے اور....."

"بند کرو بکواس اور آئندہ مجھے فون مت....."

"فون بند مت کرنا جیرے....." میں جلدی سے بولا۔ "میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔ میں تو تمہارا ایک پرانا دوست ہوں بہت پرانا۔ میرا نام سنو گے تو تمہیں حیرت ہوگی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔ تم کون ہو؟" جیرے کی آواز سنائی دی۔

"تمہارا پرانا دوست۔ تاجی باؤ۔ شاید یہ نام تمہارے ذہن میں محفوظ ہو۔" میں نے کہا۔

"تاجی باؤ۔" جیرے نے یہ نام دہرایا۔ پھر اس کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم..... تم واقعی تاجی باؤ ہو۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے ہی بوتے کے نام سے فون کیا تھا اور مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم اس گندگی سے نکل چکے ہو۔"

"ہاں تاجی باؤ۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ "شاہ جی اور اس کے آدمی وقتاً فوقتاً مجھے دوبارہ اس دلدل میں کھینچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن"

"تم واقعی ارادے کے پکے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں تم سے ملنا چاہتا ہوں جیرے۔"

"تاجی باؤ۔" جیرے کی آواز سنائی دی۔ "ایک پرانے دوست کی حیثیت سے مجھے تم سے مل کر خوشی ہوگی لیکن اگر تم بھی اس سلسلے میں....."

"بالکل نہیں....." میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں بھی یہ دھندے چھوڑ چکا ہوں۔ ایک پرانا دوست سمجھ کر ملنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر ایسا کرو کل رات نو بجے گن آباد میں مون لائٹ ریسٹورنٹ میں آ جاؤ۔ ہم وہاں آرام سے بیٹھ کر باتیں کر سکیں گے۔" جیرے نے جواب دیا۔

کچھ دیر اور باتیں ہوتی رہیں پھر میں نے فون بند کر دیا۔

میں کچھ دیر جیرے کی باتوں پر غور کرتا رہا پھر فون کا ریسیور اٹھا کر دوسرے [illegible] پر [illegible] نے [illegible] اس مرتبہ میں نے پہلے شبنم کا نمبر ملایا۔ کال کسی آدمی نے ریسیور کی تھی جس نے بتایا کہ شبنم راولپنڈی گئی ہوئی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہے۔ اس کی واپسی تین چار دن بعد ہوگی۔ میں نے کریڈل ٹیپ کر کے زبیر کا نمبر ملایا۔ یہاں دیر تک گھنٹی بجتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے دو تین مرتبہ کوشش کرنے کے بعد بھی ناکامی ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ یہ نمبر یا تو کٹ چکا تھا یا کوئی گھر پر موجود نہیں تھا۔ میں نے مزید کوشش ترک کر دی اور صوفے سے اٹھ کر کچن میں آ گیا جہاں نرگس کھانا پکانے کی تیاری کر رہی تھی۔

''آج تو تم میرے ہاتھ کا پکا ہوا کھاؤ گے۔ اور کل سے کھانا وغیرہ شبانہ پکائے گی۔ میں نے اسے رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' نرگس نے کہا۔

''ایک بات کا خیال رکھنا۔'' میں نے کہا۔ ''ہر شخص شریف ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم شبانہ کیسی عورت ہے۔ اس کے سامنے کبھی الماری مت کھولنا اور الماری کو ہر وقت تالا لگا کر رکھنا۔''

''اطمینان رکھو۔'' میں نے شبانہ کی باتوں سے اندازہ لگا لیا ہے وہ ایسی عورت نہیں ہے۔ اور تم بھی ذرا خیال رکھنا۔'' وہ مسکرائی۔

''میں کس بات کا خیال رکھوں۔'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''شبانہ جوان ہے اور حسین بھی۔'' نرگس نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''اپنے آپ پر قابو رکھنا اور اس کے سامنے کبھی پھسلنے کی کوشش مت کرنا۔''

''تمہارے ہوتے ہوئے میں ایسی کوئی کوشش کر سکتا ہوں۔'' میں نے کہتے ہوئے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''رات کو بھوکا رہنے کا ارادہ ہے کیا؟'' نرگس نے میرے چہرے پر نظریں جما کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھئی' پیٹ کی بھوک برداشت نہیں ہوتی۔'' میں نے جلدی سے اس کے کندھوں سے بانہیں ہٹا لیں۔ ''تم کھانا تیار کرو۔ میں باہر بیٹھا ہوں۔''

''اگر اپنے آپ پر قابو رکھو تو یہاں بھی رہ سکتے ہو۔'' نرگس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام کرتی رہو۔ میں تمہیں دیکھتا رہوں گا۔ شاید اس طرح مجھے بھی کھانا پکانا آ جائے۔ یہ فن کبھی کام آئے گا۔'' میں نے کہا اور پھر واقعی میں ایک طرف کھڑا اسے کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

جب میں نرگس کے ساتھ سمن آباد کے مون لائٹ ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تو رات کے ٹھیک نو بج رہے تھے۔ بہت شاندار اور ایئر کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ تھا۔ مدھم نیلگوں روشنی میں اندر کی فضا سحر آگیں ہو گئی تھی۔ کسی طرف سے ہلکی موسیقی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہال خاصا وسیع و عریض تھا۔ میزیں ایک دوسرے سے فاصلے پر تھیں۔ اطراف میں دیواروں کے ساتھ کیبن بھی بنے ہوئے تھے اور اوپر گیلری بھی تھی جس کا زینہ دروازے کے دائیں طرف تھا۔ زینے کے نیچے کاؤنٹر بنا ہوا تھا جہاں ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی۔

ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔ زیادہ تعداد نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تھی جو سر جوڑے سرگوشیانہ انداز میں باتوں میں مصروف تھے۔

میں کاؤنٹر کے قریب رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مجھے کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آیا جس پر جیرا بلیڈ ہونے کا گمان ہوتا۔ چھ سات سال پہلے اس کی عمر پینتیس کے لگ بھگ تھی اور اب اکتالیس بیالیس کی لپیٹ میں ہونا چاہیے تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش میرے ذہن پر نقش تھے۔ لیکن مجھے ایسا کوئی چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''آپ کو کسی کی تلاش ہے؟'' کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اس نے یہ سوال مجھ سے ہی کیا تھا۔

''ہاں۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''جیرا بلیڈ۔ مم.... میرا مطلب ہے نذیر احمد۔''

''میں سمجھ گئی۔'' لڑکی مسکرا دی۔ ''ایک منٹ آپ یہیں رکیے۔'' لڑکی نے کاؤنٹر کے پیچھے دیوار پر لگا ہوا انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر نہایت مدھم لہجے میں کسی سے کوئی بات کی پھر ریسیور ہک پر لٹکا کر مسکراتی ہوئی نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔

ٹھیک ایک منٹ بعد سیڑھیوں سے اترنے والے ایک آدمی کو دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ جیرا بلیڈ تھا۔ جیرے بلیڈ کو میں نے ہمیشہ بدحالی میں ہی دیکھا تھا۔ وہ کئی کئی مہینے بال نہیں کٹواتا تھا۔ ہمیشہ دھوتی کرتا پہنتا جو اکثر میلے ہوتے۔ پیروں میں عام سی چپل ہوتی تھی لیکن اس وقت وہ بالکل بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ سفید پینٹ' سفید شرٹ اور نوکدار شوز بھی سفید۔ کلین شیو' سلیقے سے کٹے اور سنورے ہوئے بال۔ وہ بہت ہی شاندار شخصیت کا مالک لگ رہا تھا۔

وہ کچھ دیر الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بے اختیار مجھ سے لپٹ گیا۔

''تم تو بالکل ہی بدل گئے تاجی باؤ۔'' اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ پھر نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اسے آنکھ ماردی۔

''آؤ اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔'' جیرے نے کہا۔

ہم سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر گیلری میں آ گئے۔ یہاں بھی کیبن تھے جو سب کے سب بھرے ہوئے تھے۔ جیرا بلیڈ نے گیلری کے آخر میں ایک دروازہ کھلوا اور ہمیں اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

بہت شاندار دفتر تھا۔ آرام دہ کرسیاں بھی تھیں اور صوفے بھی۔ ہم صوفوں پر بیٹھ گئے۔ جیرا بلیڈ بھی میرے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اور پھر یہ انکشاف میرے لیے خاصا دلچسپ ثابت ہوا کہ یہ ریسٹورنٹ جیرا بلیڈ کی ملکیت تھا۔

جیرا بلیڈ نے ہمارے لیے ٹھنڈے مشروب منگوائے اور اس کے ساتھ ہی باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ پرانی باتیں' پرانی یادیں اور پھر رضیہ اور شاہ جی کا ذکر بھی آ گیا۔ ہم دیر تک ان کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''تم نے فون پر رنگوں کی کھیپ پکڑوا دینے کی دھمکی دی تھی۔'' میں نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ شاہ جی کا سنڈیکیٹ رنگوں کی آڑ میں ہیروئن کی بڑی مقدار ساؤتھ افریقہ اسمگل کرتے ہیں لیکن..... میں سمجھ نہیں سکا کہ اس کا طریقہ کار کیا ہوگا۔''

''سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔'' جیرے بلیڈ نے کہتے ہوئے نرگس کی طرف دیکھا۔

''اس کی پروا مت کرو۔ یہ بھی رضیہ کی ڈسی ہوئی ہے۔ تم اپنی بات جاری رکھو۔'' میں نے کہا۔

اور پھر جیرا بلیڈ نے رنگوں کی آڑ میں جو انکشاف کیا وہ واقعی بڑا سنسنی خیز تھا۔

ہم ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ دھڑ سے دروازہ کھلا۔ ہم تینوں نے بیک وقت مڑ کر اس طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

شاہ جی اور بوٹا دروازے میں کھڑے تھے۔ بوٹا کے ہاتھ میں پستول تھا۔ شاہ جی کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ مسکراہٹ تھی اور وہ خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

اس صورت حال سے میں بالکل خوفزدہ نہیں ہوا بلکہ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں نے کھا جانے والی نظروں سے جیرا بلیڈ کی طرف دیکھا۔ یہ اس کی چال تھی۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ مجھے یہاں بلا کر شاہ جی کو اطلاع دے دی تھی اور شاہ جی نے چھاپہ مار دیا۔

لیکن مجھے جیرا بلیڈ کے بارے میں اپنا یہ خیال بدلنا پڑا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ ٹانگوں میں بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ اس نے ایک قدم سرک کر میز کا سہارا لیا اگر اس نے مخبری کی ہوتی تو اس طرح خوفزدہ نہ ہوتا۔ شاہ جی کے آ جانے سے تو اس کی ہمت بڑھتی لیکن میں جانتا تھا کہ جیرا بلیڈ اداکار بھی تھا۔ بہت عرصہ پہلے وہ فلموں میں ایکسٹرا کی حیثیت سے کام کر چکا تھا۔ وہ ایک اچھا اداکار تھا۔ آگے بھی چل سکتا تھا لیکن وہ ہیروئن کے جال میں پھنس گیا اور فلموں سے دور ہوتا چلا گیا۔ میرے ذہن میں اس کے ماضی کے حوالے سے یہ خیال ابھرا تھا کہ ہوسکتا ہے اس وقت بھی وہ خوفزدہ ہونے کی اداکاری کر رہا ہو۔

''بہت اچھے جیرے.....'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ تم واقعی مخلص اور سچے دوست ہو لیکن تم تو بڑے یار مار نکلے۔''

''اوئے نا جی۔'' شاہ جی کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ ''اس کو کیا کہتے ہو اس کے تو فرشتوں کو بھی پتا نہیں کہ ہم یہاں چھاپہ مارنے والے ہیں۔'' وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا ''میری عقل مندی کو شاباش دو، مجھے معلوم تھا کہ تم اپنے پرانے دوستوں سے ضرور رابطہ کرو گے۔ میں نے تین چار کی نگرانی شروع کرا دی۔ جیرے پر مجھے زیادہ شک تھا۔ اس زمانے میں یہی تمہارا سب سے قریبی ساتھی تھا۔ اس پر میں نے زیادہ دھیان دیا تھا اس کے گھر کی بھی نگرانی کراتا رہا اور اس ہوٹل کی بھی۔ میرا شک ٹھیک نکلا۔ ایک گھنٹہ پہلے تم دونوں ہوٹل میں داخل ہوئے تو میرے آدمی نے تمہیں دیکھ لیا پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ تم لوگ شاید کچھ کھانے پینے کے لئے یہاں آئے ہو لیکن جب اس نے تمہیں اس کے ساتھ اوپر جاتے دیکھا تو مجھے فون پر اطلاع دے دی۔ مجھے کچھ دیر ہوگئی مگر مایوسی نہیں ہوئی۔'' وہ خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر بولا۔ ''تم لوگ خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو گے یا یہاں پٹھو توڑ چھوڑ کرانا پسند کرو گے۔''

''تم نہ تو ہمیں یہاں سے لے جاؤ گے نہ تمہیں توڑ پھوڑ کی اجازت دی جائے گی۔'' میں نے کہا۔

''تم مجھے اچھی طرح جان چکے ہو اگر تم لوگ خاموشی سے واپس نہ چلے گئے تو.....''

''ہم چلے جائیں گے، خاموشی سے واپس چلے جائیں گے۔'' شاہ جی نے میری بات کاٹ دی۔ ''اگر تم رضیہ کے گھر سے لوٹی ہوئی رقم اور وہ زیورات میرے حوالے کر دو تو ہم خاموشی سے واپس چلے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

جائیں گے۔"

وہ دونوں بات کرتے ہوئے دو قدم آگے بڑھ آئے تھے۔ بوٹے کے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنے پیچھے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔

"تاجی باؤ۔" بوٹے نے پستول سے اشارہ کیا۔ "تم بھی اس طرف ہو جاؤ، جیرے کے ساتھ..... اور..... دیکھو کوئی گڑبڑ مت کرنا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ پستول شور مچانا پسند نہیں کرتا۔ چلو اس طرف۔"

میں نے پہلی مرتبہ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول پر توجہ دی۔ اس پر سائی لینسر لگا ہوا تھا۔ میں اپنی جگہ سے سرک کر جیرا بلیڈ کے قریب آ گیا اور میرے خیال میں یہاں سے گڑبڑ کے مواقع زیادہ تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے میز کی طرف دیکھا۔ یہ آفس ٹیبل تھی چند اور چیزوں کے علاوہ ٹیلی فون سیٹ، انٹرکام سیٹ اور اس کے قریب ہی ایک بھاری ایش ٹرے بھی پڑا ہوا تھا۔ میں جیرے بلیڈ کے ساتھ مل کر کھڑا ہو گیا میری پشت میز کے ساتھ لگی ہوئی تھی میں نے اپنا ہاتھ بھی میز کے کنارے پر ٹکا دیا اور شاہ جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ارادہ ہے کاکا؟" شاہ جی نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم وہ رقم اور زیورات ہمارے حوالے کرنے کو تیار ہو یا نہیں۔"

"سلطان! تم جانتے ہو کہ میں اپنی زبان اور ارادے سے کبھی نہیں پھرتا۔ میں نے کہہ دیا ہے نا کہ ایک تنکا بھی تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ اگر تم میری لاش کے ٹکڑے بھی کر دو تو تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ گھی نکالنے کے لئے مجھے انگلیاں ٹیڑھی کرنی ہی پڑیں گی۔" شاہ جی نے کہا اور پھر بوٹے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بوٹے، انہیں لے کر نیچے چلو، اور اگر یہ کوئی گڑبڑ کریں تو چلا دینا گولی۔"

شاہ جی واقعی اس دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف آدمی تھا۔ چند روز پہلے ہی وہ اپنی کوٹھی میں میری قوت کا مظاہرہ دیکھ چکا تھا اس کے آدمی مجھ پر قابو نہیں پا سکے تھے اور میں انہیں مار پیٹ کر بھاگ نکلا تھا۔ یہاں تو میرے ساتھ نرگس اور جیرا بلیڈ بھی تھے۔ وہ کچھ نہ بھی کریں تو ان کی موجودگی ہی بڑی حوصلہ افزا تھی۔

میرا میز کے کنارے پر ٹکا ہوا ہاتھ سرکتا ہوا پیچھے پہنچ گیا تھا اور پھر میری انگلیوں نے میز پر پڑے ہوئے ماربل کے وزنی ایش ٹرے کو چھو لیا اور اس کے ساتھ ہی میں چونک گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے جیرے بلیڈ کی طرف دیکھا وہ بھی ہاتھ پیچھے کر کے ایش ٹرے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اور میری انگلیاں اس کی انگلیوں سے ٹکرا گئی تھیں۔ میں نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑی تھی اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے شاہ جی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

"ہم تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہیں مگر یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہئے۔ اگر یہاں توڑ پھوڑ

ہوئی تو میں تمہاری توڑ پھوڑ کر دوں گا۔"

"تمہاری اس دن کی توڑ پھوڑ سے میرے پاسے تو ابھی تک دکھ رہے ہیں۔ میں نے تو ابھی تم سے بڑا لمبا چوڑا حساب کتاب کرنا ہے۔" شاہ جی نے کہا۔

میں بوٹے کا اشارہ پا کر اپنی جگہ سے ایک قدم آگے بڑھ گیا اور پھر ٹھیک اسی لمحہ جیرے بلیڈ نے وزنی ایش ٹرے پوری قوت سے بوٹے کے پستول والے ہاتھ پر دے ماری۔ پستول تو اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا لیکن وہ چیختا ہوا دہرا ہو گیا تھا۔ یہ میرے لئے بہترین موقع تھا۔ میں نے بوٹے پر چھلانگ لگا دی اور اسے ساتھ لیتا ہوا صوفے پر گرا۔ نرگس اچھل کر ایک طرف ہٹ گئی تھی اگر وہ پھرتی کا مظاہرہ نہ کرتی تو صوفے کی زد میں آ کر وہ بھی گرتی۔

ہم دونوں کے بوجھ سے صوفہ الٹ گیا۔ گرتے ہوئے میں بوٹے کے اوپر تھا لیکن صوفہ الٹنے کے باعث میں قلابازی کھاتا ہوا قالین پر گرا تو بوٹا میرے اوپر آ گیا۔

پستول اب بھی بوٹے کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے مجھے قابو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول میرے سینے پر رکھنے کی کوشش کی مگر میں نے بڑی پھرتی سے اس کا پستول والا ہاتھ موڑ دیا۔ اسی وقت بوٹے کی انگلی کا دباؤ پڑنے سے ٹرائیگر دب گیا۔ سٹک کی آواز سے نکلنے والی گولی سامنے والی دیوار میں پیوست ہو گئی۔

میں بوٹے کے ہاتھ کو موڑتا چلا گیا۔ اب پستول کی نال بوٹے کے سینے سے لگ گئی تھی۔ اس نے ٹرائیگر سے انگلی ہٹا لی اور پستول کا رخ موڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ میں نے اچھل کر سر کی ٹکر اس کے چہرے پر ماری۔ ٹکر بوٹے کی ناک پر لگی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اسے اپنے اوپر سے گرا دیا۔

پستول کے لئے ہم دونوں میں جدوجہد ہو رہی تھی اور پھر بوٹے کا داؤ چل گیا۔ اس نے گھٹنے سے میری ٹانگوں کے بیچ میں ضرب لگائی تھی۔ میں کراہ اٹھا لیکن پستول پر گرفت ڈھیلی نہیں ہونے دی۔ بوٹے نے دوسری ضرب لگائی اس مرتبہ میں اپنے آپ کو بچا گیا تھا۔

میرے سر کی ضرب سے بوٹے کی ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔ خون کی دھار اس کے ہونٹوں کو بھی تر کر رہی تھی۔

مجھے اسی وقت دوسری طرف دیکھنے کا موقع مل گیا۔ شاہ جی اور جیرا بلیڈ بھی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ شاہ جی نے جیرے کو زوردار گھونسا مارا وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا میز سے ٹکرایا اور میز الٹ گئی۔ میز الٹنے سے ساری چیزیں بھی گریں جس سے اچھا خاصا شور ہوا تھا۔ دروازے کے باہر کچھ فاصلے پر فیملی کیبن تھے جہاں گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ شور کی آواز سن کر وہ ضرور چونکے ہوں گے مجھے اندیشہ تھا کہ اگر کسی گاہک نے اندر جھانک کر دیکھا تو شور مچا دے گا اور اسی طرح ساری گڑبڑ ہو جائے گی۔

شاہ جی نے الٹی ہوئی میز کے اوپر سے جیرا بلیڈ پر چھلانگ لگا دی اور اسے بری طرح رگیدنے لگا تھا۔ عرصہ پہلے جب جیرا بلیڈ میرے ساتھ تھا تو اسے لڑائی اور مار دھاڑ کا ماہر سمجھا جاتا تھا لیکن اب وہ شاہ جی سے بری طرح پٹ رہا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ اس قسم کے سارے دھندے چھوڑ چکا تھا اور شریفانہ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بزنس شروع کر کے سہل پسند ہو چکا تھا۔

نرگس نے جیرے بلیڈ کو پٹتے دیکھا تو جلدی سے اس طرف بڑھ گئی اور زمین پر پڑا ہوا وزنی گلدان اٹھا کر شاہ جی کے سر پر دے مارا۔ شاہ جی کراہ اٹھا۔ جیرے کے گلے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس طرح جیرے بلیڈ کو شاہ جی پر غالب آنے کا موقع مل گیا۔

میرے اور بوٹے کے بیچ پستول کے لئے کشمکش جاری تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ کو دیکھا اور زوردار جھٹکا دیا۔ اس مرتبہ پستول بوٹے کے ہاتھ سے نکل کر الٹے ہوئے صوفے کے دوسری طرف جا گرا۔

بوٹے کا داؤ ایک بار پھر چل گیا۔ اب میں اس کے نیچے دب گیا تھا وہ میرے گلے پر گرفت جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی لمحہ نرگس ہماری طرف لپکی اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلدان اوپر اٹھایا، وہ بوٹے کے سر پر ضرب لگانا چاہتی تھی مگر اسی وقت میں نے بوٹے کو پلٹ دیا اور گلدان بوٹے کے بجائے میرے سر پر لگا۔

ضرب خاصی زوردار تھی میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں نے سر کو دو تین جھٹکے دیئے اور حواس پر قابو پاتے ہی بوٹے کے تھوبڑے پر گھونسے برسانے لگا۔

دوسری طرف اب جیرا بلیڈ شاہ جی کی ٹھکائی کر رہا تھا کہ اچانک شاہ جی نے جیرے بلیڈ کو اٹھا کر پٹخ دیا۔ جیرا دیوار سے ٹکرا کر گرا۔ میرا خیال تھا کہ شاہ جی اس پر حملہ کر دے گا لیکن دوسرے ہی لمحہ اس نے اٹھ کر دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی اسے بھاگتے دیکھ کر میں نے بوٹے کو چھوڑ کر شاہ جی کی طرف چھلانگ لگا دی۔

شاہ جی دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا چکا تھا میں ہوا میں اڑتا ہوا دروازے میں گرا۔ شاہ جی کی ایک ٹانگ میرے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔ اس نے جھٹکا دے کر اپنی ٹانگ چھڑائی اور بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا میں نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ شاہ جی باہر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس مرتبہ میں نے موقع نہیں دیا اور لاتوں اور گھونسوں سے اس کی تواضع کرنے لگا۔

فیملی کیبنوں میں بیٹھے ہوئے گاہک چیختے چلاتے ہوئے کیبنوں سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف دوڑے، گاہکوں میں زیادہ تعداد نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تھی۔ وہ سب بری طرح چیخ رہی تھیں۔

شاہ جی ایک گھونسا کھا کر سیڑھیوں کی طرف گرا اس نے سنبھل کر سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگا دی اور لوگوں کو دھکے دیتا ہوا سیڑھیاں اترنے لگا۔

میں سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ نچلے ہال میں بھی افراتفری سی مچ گئی تھی۔ لوگ منہ اٹھا کر دروازے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ شاہ جی لوگوں کو دھکے دیتا ہوا دروازے سے باہر نکل چکا تھا اور جب میں باہر نکلا تو وہ نیلے رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن میں بیٹھ چکا تھا۔ میں اسی طرف لپکا۔ لیکن میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اسٹیشن ویگن حرکت میں آ کر زوردار جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

میں واپس آ گیا اور لوگوں کو دھکیلتا ہوا ریسٹورنٹ میں گھس گیا، اوپر پہنچا تو نرگس اور جیرا بلیڈ، بوٹے کی مرمت کر رہے تھے۔ نرگس نے بوٹے کے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ رکھا تھا اور جیرا اس پر گھونسے برسا رہا تھا۔ بوٹے کی ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا اسی دوران دو ویٹر بھی وہاں آ گئے۔

"ناجی۔" جیرا بوٹے کو چھوڑ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ نکل جاؤ۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"شاہ جی بھاگ گیا وہ....."

"اس کی تم فکر مت کرو میں معاملے کو سنبھال لوں گا۔" جیرے نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

دونوں ویٹروں نے بوٹے کو سنبھال لیا تھا۔ میں نرگس کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر کھینچتا ہوا لے گیا نچلے ہال میں اب بھی کچھ لوگ موجود تھے جو ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے دوسروں سے پہلے باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عورتیں اب بھی خوف سے چیخ رہی تھیں۔ میں نرگس کا ہاتھ پکڑے اسے کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔

یہ ایک بارونق شاپنگ ایریا تھا۔ اگرچہ گیارہ بج چکے تھے مگر بہت سی دکانیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں البتہ ادھر ہنگامے کی وجہ سے کچھ دکانیں بند ہو رہی تھیں اور سڑک کے دوسری طرف بہت سے لوگ جمع ہو چکے تھے۔

ہمیں بھی لوگ گاہکوں ہی میں سے سمجھے تھے۔ میں نرگس کا ہاتھ پکڑے تیزی سے ایک طرف چلتا چلا گیا۔ چوک کے دوسری طرف ایک خالی رکشا کھڑا تھا ڈرائیور رکشے کے قریب فٹ پاتھ پر کھڑا اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیوں بھئی۔ چلنے کا موڈ ہے یا نہیں؟" میں نے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں چلنا موتیا والیو۔" ڈرائیور بولا۔ "کہاں چلنا ہے؟ پر وہاں کیا ہوا ہے جی۔ آپ بھی تو اسی طرف سے آ رہے ہو؟"

"ریسٹورنٹ پر غنڈوں نے حملہ کر دیا تھا۔" میں نے رکشے کا دروازہ کھلتے ہوئے کہا اور نرگس کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "پہلے دو غنڈے ہوٹل سے بھتہ لینے آئے تھے مالک نے انکار کر دیا تو وہ اپنے دو چار ساتھیوں کو بلا لائے اور توڑ پھوڑ شروع کر دی۔"

"بہت ہی بے غیرت ہیں یہ لوگ، بے ضمیر۔" ڈرائیور اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"کون؟ ریسٹورنٹ والے۔" میں بولا۔

"نہیں جی۔ ان غنڈوں کی بات کر رہا ہوں۔" ڈرائیور نے کہا۔

سمن آباد سے اگرچہ اسلامیہ کالج کا راستہ قریب تھا مگر ایسے موقعوں پر میں نے کبھی بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اس لئے میں نے رکشے والے کو موچی دروازے چلنے کو کہا تھا۔

موچی دروازے پر میں نے رکشا رکوایا۔ اس جگہ خاصی رونق تھی۔ موچی دروازہ سیاسی جلسوں کے لئے خاص شہرت رکھتا ہے۔ ویسے بھی اس کا شمار شہر کے ان علاقوں میں ہوتا تھا جہاں رات بھر رونق رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہاں بڑی رونق تھی۔

رکشے سے اتر کر میں نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور موچی دروازے کے اندر کی طرف چل پڑے۔

"یہاں کس طرف جا رہے ہو؟" نرگس نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''چلتی رہو۔'' میں نے جواب دیا۔

چند گز آگے جا کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دو آدمی اس رکشے میں بیٹھ رہے تھے۔ وہ رکشا آگے روانہ ہوگیا تو میں نرگس کو اشارہ کرتا ہوا واپس مڑ گیا۔ میں چلتے ہوئے اس طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا جیسے کسی خاص دکان کی تلاش ہو۔

کسی والے کے ساتھ فالودے کی دکان تھی اور اس سے ذرا آگے پان، سگریٹ کی دکان، یہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ کوئی لسی پی رہا تھا، کوئی فالودے سے اپنا جگر ٹھنڈا کر رہا تھا اور کوئی پان چباتے ہوئے سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا میں نے کئی نوجوانوں کے گلے میں موتیے کے ہار دیکھے تھے یہ اگرچہ چھچھورا پن ہی تھا مگر اس کا احساس کسے تھا۔

ہم سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے کچھ دور تک پیدل چلنے کے بعد ہمیں ایک رکشا مل گیا۔ جس نے ہمیں داتا دربار کے پچھلی طرف پہنچا دیا وہاں سے ہم گلیوں میں پیدل چلتے ہوئے اپنی کوٹھی پر پہنچ گئے اس وقت گھڑی ایک بجا رہی تھی۔

میں نے احتیاط سے باہر کا گیٹ بند کیا برآمدے میں پہنچا تو نرگس دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی۔ میں نے بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ نرگس نے پورے گھر کی بتیاں روشن کر دی تھیں۔

''یہ چراغاں کس خوشی میں ہو رہا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''جس کمرے میں روشنی کی ضرورت ہے وہاں بتی جلتی رہنے دو اور باقی بجھا دو۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' نرگس نے ہال کمرے میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''گھر آ کر ڈر لگ رہا ہے اور وہاں تو ہنٹر والی کی بیٹی بنی ہوئی تھیں اتنے زور سے گلدان مارا تھا کہ سر میں اب تک ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔'' میں نے کہا اور میرا ہاتھ بے اختیار سر پر پہنچ گیا جہاں واقعی اب بھی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

''مجھے افسوس ہے۔'' نرگس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

''تم دونوں تو ان کے قابو آ گئے تھے۔ مجھے مجبوراً گلدان اٹھانا پڑا۔''

میں جواب دیے بغیر اٹھ کر بیڈ روم میں آ گیا الماری سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گیا۔ میرا دماغ اب تک بھنا رہا تھا۔

میں کتنی دیر تک شاور کے نیچے کھڑا رہا اور پھر کرتا پاجامہ پہن کر باہر نکلا تو اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا اور اس وقت نرگس چائے کے کپ اٹھائے ہوئے کچن میں سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ کمرے میں آ کر اس نے دونوں کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ میں بیڈ پر پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''مجھے لگتا ہے کہ یہ تمہارے دوست جیرے بلیڈ کی شرارت تھی۔'' نرگس نے کپ اٹھا کر چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ ''اس نے شاہ جی کو ہمارے بارے میں اطلاع کر دی ہوگی۔''

''پہلے مجھے بھی یہی شبہ ہوا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن بعد میں شاہ جی کی بات سے پتا چل گیا کہ میرا شبہ غلط تھا۔ غلطی میری ہی تھی۔ وہاں جانے کے بجائے جیرا بلیڈ کو کسی اور جگہ بلانا چاہئے تھا

لیکن یہ بات بھی میرے وہم و گمان میں نہیں تھی کہ شاہ جی میرے پرانے دوستوں کی نگرانی کروا رہا ہوگا اور پھر جیرا بلیڈ نے اگر ہمارے خلاف کوئی سازش کی ہوتی تو وہ ہمیں شاہ جی کے بارے میں ایسی باتیں نہ بتاتا۔ ان لوگوں کے آنے کے بعد جیرے نے بھی ہمارا ہی ساتھ دیا۔ اگر ہمارے خلاف سازش ہوتی تو صورت حال مختلف ہوتی۔''

''اس نے شاہ جی کے بارے میں جو باتیں بتائی ہیں۔ مجھے تو ان کی صداقت پر بھی شبہ ہے۔'' نرگس بولی۔

''مجھے کوئی شبہ نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ لوگ واقعی رنگوں کی ایکسپورٹ کرتے ہیں۔ رضیہ بھی مجھے بتا چکی ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں، جب کہ جیرے نے ان کا یہ راز بھی فاش کر دیا ہے۔''

''کیا ایسا ممکن ہے؟'' نرگس نے کہا۔

''کوئی بھی بات ناممکن نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہیروئن کی اسمگلنگ کے لئے ایسے ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان کے اس راز کا مجھے پتا چل گیا ہے۔ اب مجھے کچھ اور معلومات حاصل کرنی ہیں اور اس کے بعد انہیں ایسی چوٹ لگاؤں گا کہ زندگی بھر یاد کریں گے۔''

''رضیہ تو بری طرح تلملا رہی ہوگی۔'' نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ تو انگاروں پر لوٹ رہی ہوگی۔'' میں نے جواب دیا اور یہ شاہ جی جو اس کی حمایت کر رہا ہے نا تم سمجھتی ہو کہ یہ مجھ سے رقم اور زیورات لے کر رضیہ کو دے دے گا نہیں مائی ڈیئر۔'' میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ شاہ جی کا تعلق نچلے طبقے سے ہے ایسے لوگ ایک ایک پیسے پر جان دیتے ہیں، لاکھوں روپے نقد اور کروڑوں کی مالیت کے زیورات ہیں اگر کسی طرح یہ دولت اس کے ہاتھ لگ بھی جائے تو وہ ان میں سے ایک پیسہ بھی رضیہ کو نہیں دے گا اور رضیہ تو اب سمجھو ختم ہوگئی اب وہ لوگوں پر بھیک ہی مانگتی ہوئی نظر آئے گی۔''

''میں رضیہ کو اچھی طرح سمجھ چکی ہوں ایسی عورتیں آسانی سے ہار نہیں مانتیں ایک شاہ جی اسے چھوڑ دے گا تو وہ دوسرا شاہ جی یا باجی تلاش کر لے گی۔'' نرگس نے کہا۔

''ہاں ایسی عورتوں کو واقعی اس کے قسم کے لوگوں کی کمی نہیں ہوتی لیکن ہر شخص شاہ جی یا باجی نہیں ہوتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹیلی فون کر کے معلوم تو کرو ہمارے آنے کے بعد وہاں کیا ہوا ہوگا؟'' نرگس نے کہا۔

''اس وقت ڈیڑھ بج رہا ہے۔'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''ریسٹورنٹ بند ہو چکا ہوگا۔''

''اگر پولیس آئی ہوگی تو بہت دیر بعد جیرے کی گلوخلاصی ہوئی ہوگی اور پھر ویسے بھی وہاں اچھی خاصی توڑ پھوڑ کی گئی تھی سب کچھ سنبھالنے میں بھی خاصا وقت درکار ہوگا۔ معلوم تو کرو وہاں کوئی موجود ہوگا اس سے پتا چل جائے گا۔'' نرگس نے کہا۔

میں اٹھ کر ہال کمرے میں آ گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا میں نے ریسیور اٹھا کر جیرا بلیڈ کے

www.pdfbooksfree.pk

ریسٹورنٹ کا نمبر ملایا دوسری گھنٹی پر ہی کال ریسیو کر لی گئی۔

''میں مون لائٹ ریسٹورنٹ سے بول رہا ہوں جی، ریسورنٹ بند ہوگیا ہے آپ کون ہیں جی؟'' یہ بھاری مردانہ آواز غالباً کسی ویٹر کی تھی۔

''نذیر احمد سے بات کراؤ، میں اس کا دوست بول رہا ہوں ساہیوال سے۔'' میں نے کہا۔

''وہ تو تھانے گئے ہوئے ہیں جی آپ صبح فون کریں۔'' جواب ملا۔

''تھانے کیوں خیریت؟'' میں نے پوچھا۔

''یہاں کچھ غنڈوں نے حملہ کر دیا تھا جی، بڑی تھوڑ پھوڑ ہوئی ہے کچھ غنڈے تو بھاگ گئے ایک کو چودھری نذیر صاحب نے پکڑ لیا یہاں پولیس آئی تھی وہ آدھا گھنٹہ پہلے تھانے گئے ہیں جی پتا نہیں واپس کب آئیں۔''

''اور ملزم اس کا کیا ہوا؟ میرا مطلب ہے وہ غنڈہ جسے پکڑا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''اس کی یہاں بڑی چھترول ہوئی تھی جی۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''تھانے جا کر تو اس کو الٹا ٹانگ دیا ہوگا پولیس والوں نے۔''

وہ اور بھی کچھ کہتا رہا مگر میں نے ریسیور رکھ دیا اور نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بوٹے کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ جیرا بلیڈ بھی تھانے گیا ہوا ہے اب صبح ہی اس سے بات ہوگی۔'' میں نے جواب دیا اور ہم بیڈ روم میں آ گئے۔

مجھے نیند آ رہی تھی۔ میں بستر پر لیٹ گیا۔ نرگس سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے سونے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''گرمی لگ رہی ہے میں نہانے جا رہی ہوں، تم سو جاؤ۔'' نرگس نے جواب دیا۔

میں نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند منٹ بعد چٹ کی ہلکی سی آواز دو مرتبہ سنائی دی میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ نرگس نے تیز روشنی کا بلب بجھا کر نیلی روشنی والا نائٹ بلب جلا دیا تھا اس کے کچھ دیر بعد باتھ روم میں پانی گرنے کی آواز سنائی دینے لگی۔

میں نے غیر ارادی طور پر کروٹ بدل کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔ باتھ روم کا دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا اندر بتی نہیں جل رہی تھی لیکن نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں باتھ روم کا منظر کچھ اور بھی سنسنی خیز ہوگیا تھا۔

نرگس شاور کے نیچے کھڑی تھی شاور کا پانی بارش کی طرح اس کے جسم پر برس رہا تھا میں زیادہ دیر تک یہ منظر نہیں دیکھ سکا اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔

چند منٹ بعد پانی گرنے کی آواز بند ہوگئی اور اس کے تین چار منٹ بعد نرگس بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ میرا سانس لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور پھر پشت پر گداز سا لمس محسوس کر کے میری صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور میں نے نرگس کی طرف کروٹ بدل لی۔

صبح دس بجے سے پہلے میری آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔ نرگس بستر پر موجود نہیں تھی۔ میں چند لمحے کروٹیں بدلتا رہا پھر باہر سے باتوں کی آواز سن کر اٹھ گیا۔ کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر دیکھا تو نرگس اور

aazzamm@yahoo.com

شبانہ جامن کے درخت کے نیچے کرسیوں پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، شبانہ کی شیر خوار بچی نرگس کی گود میں تھی اور شبانہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

میں باتھ روم میں گھس گیا اور چند منٹ بعد فارغ ہو کر باہر آ گیا، شبانہ مجھے دیکھ کر جلدی سے کرسی سے اٹھ گئی۔

''چائے بنا کر لاؤں صاحب جی؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں لے آؤ۔'' میں کہتے ہوئے اسی کرسی پر بیٹھ گیا۔

شبانہ برآمدے کی طرف چلی گئی۔ نرگس جھک کر گود میں سوئی ہوئی بچی کو پیار کرنے لگی۔ جب وہ سیدھی ہوئی تو اس کی آنکھوں اور چہرے پر عجیب سی کیفیت نظر آئی۔

میں نے اکثر نرگس کو اس بچی کو گود میں لئے ہوئے دیکھا تھا اور اب بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ رمضان سے نرگس کی شادی کو کئی سال بیت گئے تھے لیکن وہ اولاد کی نعمت سے محروم رہی تھی اولاد ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے اور جب یہ خواہش پوری نہ ہو تو اس کی زندگی کرب میں بدل جاتی ہے۔ نرگس بھی اسی کرب کو سینے سے دبائے ہوئے تھی، ہوسکتا ہے گاؤں میں بھی اسے چھوٹے بچوں سے لگاؤ رہا ہو اور اب اس معصوم اور پیاری سی بچی کو دیکھ کر اس کی ممتا میں پھر ابال آ گیا تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد شبانہ چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے دونوں کپ میز پر رکھ دیئے اور نرگس کی طرف چلی گئی۔

''لائیے اس بچی کو مجھے دے دیجئے۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔

''اسے اندر بیڈ پر لٹا دو اور دوپہر کے کھانے کا کچھ بندوبست کرو۔'' نرگس نے بچی کو اس کی گود میں دیتے ہوئے کہا۔

''ناشتے کا پروگرام نہیں ہے کیا جو دوپہر کے کھانے کی فکر ہو رہی ہے۔'' میں نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ابھی تو تم ایک گھنٹہ چائے پینے میں لگاؤ گے اس کے بعد باتھ روم میں جاؤ گے، اس طرح تم بارہ بجے کے قریب تیار ہو گے اس وقت تمہیں ناشتا مل جائے گا۔'' نرگس نے کہا۔

''اور تم؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں بھی اس وقت تک صبر کر لوں گی۔'' نرگس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگی۔

میں جواب دینے کے بجائے خاموشی سے چائے پینے لگا۔

چائے پینے کے بعد میں اندر آ گیا اور ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر جیرا بلیڈ کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔ کال تیسری گھنٹی پر ریسیو کی گئی تھی آواز جیرے ہی کی تھی۔

''رات کا معاملہ کیا رہا جیرے؟'' میں نے کسی تمہید کے بغیر پوچھا۔

''اوہ، ناجی تم؟'' جیرے کی آواز سنائی دی۔ تھوڑی سی گڑبڑ ہوگئی۔''

''کیسی گڑبڑ؟'' میں چونک گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"میں نے بوٹے کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔" جیرے نے کہا اور ہمارے وہاں سے آ
کے بعد کے حالات بتانے لگا۔ "پولیس نے بوٹے کی اتنی چھترول کی ہے کہ بہت عرصہ تک اسے اپنا نام
یاد نہیں آ سکے گا۔ میں تو شاہ جی، بوٹا اور ان کے دوسرے آدمیوں کے خلاف ایف آئی آر کٹوانا چاہتا تھا
ایک فون کال آڑے آ گئی۔"

"کیسی فون کال؟" میں نے پوچھا۔

"شاہ جی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔" جیرے نے جواب دیا۔ "یہاں سے فرار ہونے کے بعد
ایک ایم پی اے کی کوٹھی پر پہنچ گیا تھا، اگر ایم پی اے اس وقت کوٹھی پر موجود ہوتا تو بوٹا پولیس کی مار سے
جاتا۔ اس کا حلیہ بگاڑنے کے بعد جب ایس ایچ او رپٹ لکھنے کی تیاری کر رہا تھا تو ایم پی اے کا فو
آ گیا۔" جیرا چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "ایس ایچ او نے اسے دوسرے
کمرے میں بھیج دیا اور خود تقریباً آدھا گھنٹہ فون پر بات کرتا رہا پھر مجھے بلا لیا اور مجھے یہ سمجھانے کی کوشش
کرنے لگا کہ میرے ہوٹل میں جو کچھ بھی ہوا وہ کسی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔

"تھوڑی دیر بعد شاہ جی ایم پی اے کے دو آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اس نے پولیس
ایک نئی کہانی سنائی۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ کہانی اس ایم پی اے نے اس کے دماغ میں ڈالی تھی۔"

"وہ کہانی کیا تھی؟" میں نے پوچھا۔

"شاہ جی کے کہنے کے مطابق وہ اپنے دوست محمد بوٹا کے ساتھ میرے ریسٹورنٹ میں چائے
پینے کے لئے آیا تھا وہاں اس نے ایک مفرور اور اشتہاری مجرم ناجی کو دیکھ لیا اس کے ساتھ نرگس نامی وہی
عورت تھی جسے وہ قصور سے اغوا کر کے لایا تھا۔

"شاہ جی کے کہنے کے مطابق ناجی کئی سال بعد اس شہر میں نظر آیا تھا۔ اس نے بوٹے کی مدد
سے ناجی کو پکڑنا چاہا تا کہ اسے پولیس کے حوالے کیا جا سکے لیکن وہاں ناجی کے کچھ اور ساتھی بھی موجود تھے
جنہوں نے شاہ جی اور بوٹے پر حملہ کر دیا اور ہوٹل میں توڑ پھوڑ شروع کر دی۔"

"شاہ جی کا کہنا ہے کہ اس کا جیرے یعنی مجھ سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ یہ ہنگامہ تو ناجی کی طرف
سے شروع ہوا تھا، تاہم وہ ہوٹل میں ہونے والا میرا نقصان پورا کرنے کو تیار ہے۔ راضی نامے کے لئے اس
نے دو لاکھ کی پیشکش کی ہے۔"

"اور تم نے کیا فیصلہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں ایف آئی آر درج کرانے پر بضد ہوں۔" جیرے نے جواب دیا۔ "میرے بھی کچھ
تعلقات ہیں ناجی۔ ایک ایم پی اے سے میری بھی یاد اللہ ہے وہ ہمارے ہی علاقے میں رہتا ہے۔ میں نے
تھوڑی دیر پہلے اس سے بات کی تھی اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ شاہ جی کے سفارشی ایم پی اے سے بات
کرے گا۔ دونوں کا تعلق ایک ہی پارٹی سے ہے اور وہ آج شام میرے ساتھ تھانے بھی جائے گا تا کہ ایس
ایچ او کو شاہ جی کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے پر مجبور کر سکے۔"

"اس طرح بات بہت لمبی ہو جائے گی جیرے۔" میں نے کہا۔ "میرا مشورہ ہے کہ تم تھوڑی سی
حیل و حجت کے بعد راضی نامے والی بات مان لو اور دو لاکھ روپے وصول کر لو۔ چند روز میں ہم دوسرے

طریقے سے شاہ جی کا بندوبست کر لیں گے۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے؟" جیرے نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن ابھی کچھ واضح نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم آج رات گیارہ بجے مجھ سے
مال روڈ پر سائیں کے ہوٹل میں ملو۔ اپنا یہ پرانا اڈا یاد ہے نا؟"

"بالکل یاد ہے میں بھلا اس جگہ کو کیسے بھول سکتا ہوں۔" جیرے نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے میں گیارہ بجے تمہارا انتظار کروں گا۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ کوئی اور تمہارا
تعاقب کرتا ہوا وہاں نہ پہنچ جائے۔" میں نے کہا۔

"تم فکر ہی مت کرو ناجی۔" جیرے نے جواب دیا۔ "میں ٹھیک گیارہ بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ ریسیور رکھتے ہوئے میری نظر کچن کی طرف اٹھ گئی۔ ہال کمرے کے
ایک حصے میں ڈائننگ ٹیبل بچھی ہوئی تھی۔ اس طرف کچن کی ایک کشادہ کھڑکی تھی جس کے سامنے ایک چوڑا
ماربل کا سلیب لگا ہوا تھا۔ کھانا اس کھڑکی ہی سے ڈائننگ ٹیبل تک پہنچا دیا جاتا تھا جس جگہ میں بیٹھا ہوا تھا
وہاں سے کھڑکی کے راستے پورا کچن نظر آ رہا تھا۔ فون کا ریسیور رکھتے ہوئے میری نظر اس طرف اٹھی تو شبانہ
بالکل سامنے کچن میں کھڑی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر گڑبڑا سی گئی اور دوسری
طرف مڑ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

میں اپنے کمرے میں آیا تو شبانہ کی بیٹی ہمارے ہی بیڈ پر سو رہی تھی۔ اس کے نیچے ربر کا تھ بھی
بچھا ہوا تھا تا کہ اگر کچھ فرما دے تو بستر خراب نہ ہو۔ میں اس معصوم سی بچی کی طرف دیکھتا ہوا باتھ روم میں
گھس گیا۔

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد میں اور نرگس ناشتا کر رہے تھے۔ شبانہ نے جب سے ہمارے پاس
کام شروع کیا تھا کھانا وغیرہ ہمارے ساتھ ہی کھاتی تھی لیکن اس وقت اس کی بچی اٹھ گئی تھی اور وہ اسے
سنبھالے ہوئے تھی۔

ناشتے کے بعد ہم باہر آ کر جامن کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔

"جیرے بلیڈ سے کیا بات ہوئی؟" نرگس نے پوچھا۔

میں اسے جیرے سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا۔ "آج شام
تھانے میں ان کا راضی نامہ ہو جائے گا۔"

"ایک بار پھر سوچ لو۔" نرگس نے میرے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "جیرا تمہیں بلف تو
نہیں کر رہا۔"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔ "جیرا بلیڈ ان لوگوں میں سے ہے جن پر میں
آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتا ہوں۔ مجھے یاد ہے جب میں یہاں تھا لاکھوں روپے کا لین دین اسی کے
ذریعے ہوتا تھا۔ سارا حساب کتاب وہی کرتا تھا۔ بڑی بڑی رقمیں اس کی تحویل میں رہتی تھیں۔ اس نے کبھی
ایک پیسے کی ہیرا پھیری نہیں کی تھی اگر اس کے دل میں کھوٹ ہوتا تو کل یہ سارا ہنگامہ نہ ہوتا بلکہ صورت
حال کچھ مختلف ہوتی۔" میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "وہ تو اب بھی شاہ جی اور بوٹے وغیرہ کے خلاف

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

الف آئی آر درج کرانے پر مصر ہے لیکن اسے یہ مشورہ میں نے ہی دیا ہے کہ اگر وہ لوگ راضی نامے کی بات کر رہے ہیں تو راضی نامہ کرلیا جائے۔ اگر ایف آئی آر کٹتی ہے تو دوسری پارٹی بھی خاموش نہیں بیٹھے گی۔ میں بہت عرصے سے پولیس کو کئی سنگین وارداتوں میں مطلوب ہوں۔ بات بڑھے گی تو جیرا بلیڈ بھی زد میں آئے گا۔ پولیس اس سے میرے بارے میں بھی پوچھے گی ہوسکتا ہے اسے حراست میں بھی لے لیا جائے۔ اس طرح الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں گی۔ معاملہ ٹل رہا ہے تو اچھا ہے۔''

بات نرگس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے اس موضوع کو مزید نہیں چھیڑا تاہم بات کرنے کے لئے اور بھی بہت سے موضوعات تھے۔ ایک موضوع ختم ہوا تو اس نے دوسری بات شروع کر دی۔

''تم نے چودھری امین سے رضیہ والی کوٹھی کے بارے میں بات کی؟''

''ابھی نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ اس سے بات اس طرح کی جائے کہ وہ انکار نہ کر سکے۔ اس کا بھی ایک طریقہ ہے میرے ذہن میں۔''

''وہ کیا؟'' نرگس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت پڑے گی۔'' میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے سمجھانے لگا کہ وہ اس معاملے میں میری مدد کس طرح کر سکتی ہے۔

''م...... میں...... تمہارا مطلب ہے کہ مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔'' نرگس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''مجھے تو سوچتے ہوئے ہی شرم آ رہی ہے۔''

''دیکھو ڈیئر!'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''یہ گاؤں نہیں ہے شہر کی زندگی گاؤں سے بہت مختلف ہوتی ہے اور پھر تم نے جس ڈگر پر قدم رکھا ہے وہاں تو شرم و حیا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رضیہ کو دیکھ لو اس نے دولت کے حصول کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ تم بھی اپنے شوہر کو چھوڑ کر آئی ہو، عزت کا سوال تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب تم نے گھر کی دہلیز سے قدم باہر نکالا تھا۔ تمہیں میری بات بری تو لگی ہو گی لیکن حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اب تم بھی اسی کشتی پر سوار ہو چکی ہو جس میں رضیہ نے سفر شروع کیا تھا۔'' میں خاموش ہو کر نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ ہر لمحہ رنگ بدل رہا تھا۔

''تم نے کبھی مس نادرہ کا نام سنا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مس نادرہ لاہور کی ایک بہت معروف ہستی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کی عمر اگرچہ چالیس کے لگ بھگ ہے، درجنوں مردوں کے بچے ادھیڑ چکی ہے لیکن آج بھی وہ مس ہی کہلاتی ہے۔''

میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''نادرہ کا تعلق مصری شاہ کے ایک بہت غریب گھرانے سے تھا۔ اس کا باپ ماشکی تھا۔ لوگوں کے گھروں میں پانی بھرتا تھا اور ماں بھی لوگوں کے گھروں میں جھاڑو پوچا کرتی تھی۔ نادرہ ان کی واحد اولاد تھی۔ ان کے گھر پر غربت کے سائے بہت گہرے تھے لیکن نادرہ حسن کی دولت سے مالا مال تھی۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی جوانی پھٹی پڑ رہی تھی۔

''ایک روز نادرہ کی ماں بیمار ہو گئی۔ حاکم علی کمبوہ کی بیگم بیمار تھی۔ ان کے ہاں کام کے لئے جانا

ضروری تھا اس نے نادرہ کو بھیج دیا۔ نادرہ پہلی مرتبہ کسی کے گھر کام کرنے گئی تھی۔

''حاکم علی کمبوہ نے نادرہ کو دیکھا تو انگشت بدنداں رہ گیا اس نے ماشکی کی گودڑی میں یہ لعل پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس کی رال ٹپک پڑی۔

حاکم علی کمبوہ کی بیوی عرصے سے بیمار پڑی ہوئی تھی اس نے نادرہ کو دیکھا تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اس روز نادرہ دوشیزہ سے عورت بن گئی وہ چیخی چلائی، مگر وہاں اس کی آواز سننے والا کون تھا۔ حاکم کمبوہ علاقے کا کونسلر تھا۔ اس نے نادرہ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے کسی کے سامنے زبان کھولی تو اسے مار دیا جائے گا اور یہ کہ آئندہ اس کے گھر میں کام کرنے وہی آیا کرے گی اور اگر اس نے انکار کیا تو اسے غنڈوں سے اٹھوا دیا جائے گا۔

نادرہ باقاعدگی سے حاکم کمبوہ کے گھر جانے لگی۔ حاکم کمبوہ اس پر مہربان تھا۔ نادرہ کے گھر کے حالات بھی بدلنے لگے۔ اس کے باپ نے ماشکی گری چھوڑ دی۔ ماں نے بھی گھروں میں کام کرنا چھوڑ دیا۔ وہ ٹوٹی ہوئی کھولی سے ایک ڈھنگ کے مکان میں منتقل ہو گئے۔

حاکم کمبوہ کے گھر میں تقریب تھی۔ علاقے کا ایم پی اے بھی آیا ہوا تھا۔ نادرہ کو دیکھ کر اس کی بھی رال ٹپک پڑی۔ ایم پی اے نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو حاکم کمبوہ نے نادرہ کو اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔

نادرہ کے دن بدلتے گئے۔ وہ مصری شاہ سے سمن آباد کی ایک کوٹھی میں منتقل ہو گئی۔ ایم پی اے کوٹھی کا مہمان بنتا رہا پھر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی آنے لگے۔

نادرہ نے آٹھ جماعتیں پڑھ رکھی تھیں لیکن اونچی سوسائٹی میں آ کر اسے نہ صرف جینے کا سلیقہ آ گیا تھا بلکہ وہ اردو اور انگریزی بھی فرفر بولنے لگی تھی۔ یہ سمن آباد والی کوٹھی ایم پی اے نے اس کے نام کر دی تھی۔ نادرہ نے کچھ اور بڑے لوگوں سے بھی تعلقات بڑھا لئے تھے۔ لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ایک اعلیٰ آفیسر کی وجہ سے اسے گلبرگ میں چار کنال کا ایک پلاٹ بھی برائے نام قیمت پر مل گیا اور ایک اور مہربان نے اپنے خرچ پر اس پلاٹ پر کوٹھی بھی تعمیر کروا دی۔

نادرہ اب بہت اونچی ہوا میں اڑ رہی تھی۔ حاکم کمبوہ اور اس کے ایم پی اے کو بھی اس سے ملاقات کے لئے پہلے سے وقت لینا پڑتا۔ بڑے بڑے سیاستدان اور اعلیٰ سرکاری افسران اب اس کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ ہر دوسرے تیسرے روز کسی نہ کسی وزیر کی گاڑی اس کے دروازے پر کھڑی نظر آتی۔ انہی سیاستدانوں اور وزیروں کے توسط سے نادرہ نے اسلام آباد تک اپنے تعلقات بڑھا لئے۔

نادرہ نے ایک بڑے پرکشش نام سے این جی او بنا لی۔ اس این جی او کے نام پر اسے حکومت سے بھی گرانقدر گرانٹ ملنے لگی اور اس کی آڑ میں اس نے دوسرے بھی کئی دھندے شروع کر دیئے جن میں ایک اخبار کا اجراء بھی شامل تھا۔

اس ہفت روزہ اخبار کا ایڈیٹر اس نے ایک ایسے شخص کو رکھا جو بلیک میلنگ، عریاں فلموں کے کاروبار اور فحش کتابوں کی اشاعت اور فروخت کے حوالے سے خاصا بدنام تھا۔ اس اخبار کو بھی بلیک میلنگ کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نادرہ اب چودھرانی بن گئی تھی۔ اس نے معززین کی "خدمت" کے لئے کئی لڑکیاں رکھ لی تھیں۔

نادرہ آج بھی مس کہلاتی ہے اور راج کر رہی ہے۔ وہ ایک ماشکی کی بیٹی تھی۔ زندگی بڑی عسرت میں گزر رہی تھی لیکن حاکم کمبوہ کے ہتھے چڑھنے کے بعد اس کے دن بدل گئے اس نے عزت کا چولا اتار کر پھینک دیا اگر وہ یہ سب کچھ نہ کرتی تو ماشکی کی بیٹی ہی رہتی اور تم....." میں نے خاموش ہو کر نرگس کی طرف دیکھا۔ "تم نے تو اس دھندے میں پہلا قدم رکھا ہے۔ تم بھی دولت حاصل کرنا چاہتی ہو نا، اس کے لئے تمہیں کچھ کھونا پڑے گا اور شوہر کو چھوڑ کر تم اس کی شروعات کر چکی ہو۔ اب اگر تم آگے نہیں چلنا چاہتیں تو....."

"تم نے ٹھیک کہا۔" نرگس نے میری بات کاٹ دی۔ "اپنے شوہر کو چھوڑ کر اور تمہارے ساتھ گھر سے بھاگ کر میں بے غیرتی کی زندگی کی ابتدا کر چکی ہوں۔ میرے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ آگے اگر دلدل بھی ہے تو میں نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ ٹھیک ہے، میں نے یہ سب کچھ دولت کے لئے کیا۔ تمہارے پاس وہ گنجے دیکھ کر میری مت ہی ماری گئی تھی۔ اب تو....." اس نے گہرا سانس لیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا کہ میں بھی اسی کشتی پر سوار ہو چکی ہوں جس پر رضیہ نے سفر شروع کیا تھا۔ اب یہ کشتی مجھے کہاں لے جائے گی میں اس بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتی۔"

"عقل مند ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ مت سمجھنا کہ میں تم پر کسی قسم کا دباؤ ڈال رہا ہوں لیکن حالات سے سمجھوتا کر لینا ہی عقل مندی ہے ویسے میں تمہیں کسی بات پر مجبور نہیں کروں گا لیکن اگر تم رضیہ والی کوٹھی کی قیمت وصول کرنا چاہتی ہو تو تمہیں ہاتھ سے بھی کچھ دینا پڑے گا۔"

"میں نے کہہ دیا نا کہ میں نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔" نرگس نے جواب دیا۔ "اب تم مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا ہوگا؟"

"رضیہ والی جائیداد فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ چودھری امین کو اعتماد میں لیا جائے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ ایک شریف آدمی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے کبھی کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا ہوگا، پراپرٹی کا بزنس ہے ہی ایسا۔ اس میں تھوڑی بہت اونچ نیچ کرنی ہی پڑتی ہے۔ چودھری امین بھی ایسا کرتا ہوگا لیکن یہ بڑا کام ہے ہو سکتا ہے وہ اس میں ہاتھ ڈالنے سے انکار کر دے لیکن تمہیں اس کے گرد اس طرح جال بننا ہوگا کہ وہ انکار کر ہی نہ سکے۔"

"میں تمہاری بات کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" نرگس نے جواب دیا۔

"میں آج رات جیرا بلیڈ سے ملنے کے لئے جاؤں گا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوشش کروں گا کہ چودھری امین میری عدم موجودگی میں کچھ دیر کے لئے یہاں آ جائے، تم....."

"ٹھیک ہے۔" نرگس نے میری بات کاٹ دی۔ "میں کوشش کروں گی۔"

"لیکن کوشش اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ انکار نہ کر سکے۔" میں نے کہا۔ "اگر بات باہر نکل گئی تو گڑبڑ ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ہی تمہیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ اس وقت شبانہ یہاں موجود نہ ہو۔"

"شبانہ کو میں رات آٹھ بجے ہی رخصت کر دوں گی۔" نرگس نے جواب دیا اور پھر شبانہ کو آتے دیکھ کر ہم نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد میں اٹھ کر ہال کمرے میں آ گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر چودھری امین کا نمبر ملانے لگا۔

کال چودھری امین نے ہی ریسیو کی تھی۔ چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد میں اصل موضوع پر آ گیا۔

"آج کل ماڈل ٹاؤن میں پراپرٹی کا کیا حساب کتاب چل رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ماڈل ٹاؤن وہ علاقہ ہے جہاں پراپرٹی کی قیمتیں اوپر ہی جاتی ہیں نیچے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے کیا کچھ خریدنے کا ارادہ ہے؟" چودھری امین نے کہا۔

"خریدنا نہیں بیچنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "دراصل میری ایک بہت بڑی کوٹھی ہے جو کرائے پر چڑھی ہوئی ہے، سوچ رہا ہوں کہ اگر اچھے دام لگیں تو اسے بیچ دیا جائے۔"

"کوٹھی کہاں پر ہے، میرا مطلب ہے کون سے بلاک میں۔" اس نے پوچھا۔

میں نے اسے وہ بلاک بتا دیا جہاں رضیہ کی کوٹھی تھی اور پھر کہا۔

"بہتر ہے آج شام تم میرے ہاں آ جاؤ، بلکہ رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔ تفصیل سے گفتگو ہو جائے گی۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" چودھری امین نے جواب دیا۔

میں نے اسے بتا دیا کہ وہ سوا دس بجے کے قریب آئے اور پھر چند اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

نرگس بھی اس دوران اندر آ چکی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھی خاموشی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد شبانہ اپنی بچی کو لے کر چلی گئی۔ نرگس باہر کا گیٹ بند کر کے آ گئی اور کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ میں ہال کمرے ہی میں صوفے پر لیٹا رہا۔

شام کی چائے کے بعد میں نے ایک بار پھر رضیہ کی جائیداد والے کاغذات نکال لئے اور گہری نظروں سے ان کا مطالعہ کرنے لگا۔ یوں تو اس جائیداد میں تین چار دکانیں بھی شامل تھیں لیکن میری نظریں ان دو کوٹھیوں پر تھیں جن میں سے ایک میں رضیہ کی رہائش تھی اور دوسری کرائے پر دے رکھی تھی۔ دوسری کوٹھی بھی ایک مرتبہ رضیہ نے مجھے باہر سے دکھائی تھی۔ میں نے ان دونوں کوٹھیوں کا تیا پانچا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں رات ساڑھے نو بجے گھر سے نکل گیا۔ نرگس کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ مجھے جیرا بلیڈ سے رات گیارہ بجے سائیں کے ہوٹل میں ملنا تھا اور یہ ہوٹل زیادہ دور بھی نہیں تھا میں ٹہلتا ہوا لوہاری گیٹ کی طرف نکل گیا۔

آوارہ گردی میں کچھ وقت گزارنے کے بعد میں بھاٹی گیٹ کی طرف چل پڑا۔ بڑی رونق تھی یہاں میں ٹہلتا ہوا چلتا رہا اور چوک پار کر کے پائلٹ ہوٹل کے سامنے سے گزر کر سڑک پر بائیں طرف مڑ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

گیا۔

اسی طرف ایک بلڈنگ میں سائیں کا ہوٹل تھا۔ یہ دراصل بہت پرانا تین منزلہ مکان تھا۔ پاکستان بننے سے پہلے یہ مکان کسی ہندو کی ملکیت تھا، مرکزی دروازے کے اوپر اب بھی ہندی زبان میں سیمنٹ سے ابھرا ہوا نام لکھا ہوا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد یہ مکان کسی نے کلیم میں حاصل کر کے فروخت کر دیا تھا اور پتا نہیں کس طرح سائیں کے قبضے میں آ گیا تھا۔ اب وہی اس کا مالک تھا۔ اس نے مکان میں بہت سی تبدیلیاں کر کے اسے ہوٹل بنا لیا تھا۔ اوپر رہائشی کمرے تھے اور گراؤنڈ فلور پر ریسٹورنٹ تھا۔

سائیں کے اصل نام سے شاید کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ سب لوگ اسے سائیں ہی کہتے تھے۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی لیکن وہ کسی پہلوان کی طرح ہٹا کٹا تھا، سر گنجا اور مونچھیں ایسی کہ دیکھ کر ہی خوف آتا۔ میں سائیں کو زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن اس کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ کئی سال پہلے وہ سامنے سڑک کے دوسری طرف تانگوں کے اڈے کا ٹھیکیدار تھا۔ اس کے اپنے بھی کئی تانگے تھے جو وہ کرائے پر دیا کرتا تھا اور پھر پتہ نہیں کس طرح وہ اس بلڈنگ کا مالک بن گیا اور یہاں اس نے ہوٹل کھول لیا۔

یہ ہوٹل بھی دراصل جرائم پیشہ لوگوں کا اڈہ بن گیا تھا سائیں کو منشیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن یہاں چرس بھی بکتی تھی اور ہیروئن بھی۔ سامنے داتا دربار کی وجہ سے ہوٹل کا رہائشی حصہ بھی بھرا رہتا تھا یہاں زیادہ تر نچلے طبقہ کے وہ لوگ رہتے تھے جو دوسرے شہروں سے داتا دربار میں حاضری دینے کے لئے آتے تھے۔ دربار قریب ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ یہاں ٹھہرتے تھے۔

کئی سال پہلے میں اور جیرا بلیڈ اکثر اس ہوٹل میں بیٹھا کرتے تھے۔ آج بھی اس ہوٹل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ دروازے کے سامنے کشادہ ڈیوڑھی تھی جس سے ذرا آگے کاؤنٹر بنا تھا۔ گدی پر سائیں چوکڑی مارے بیٹھا ہوا تھا اس کے جسم پر دھوتی اور شلوکا تھا جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور سفید بالوں سے بھرا ہوا سینہ برہنہ ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ دوسری طرف پولیس کا ایک سب انسپکٹر بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے سائیں سے باتیں کر رہا تھا کسی پولیس والے کا یہاں موجود ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ سائیں نے ہر قسم کے لوگوں سے سلیک سلیک رکھی ہوئی تھی اور مزے کی بات تو یہ تھی کہ پولیس والوں کی موجودگی میں بھی یہاں چرس اور ہیروئن چلتی رہتی تھی۔

میں اندر داخل ہوا تو اس سب انسپکٹر نے سرسری نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔ سائیں نے بھی مجھے دیکھا، ظاہر ہے میں کئی سال بعد آیا تھا حلیہ بھی بدلا ہوا تھا اور وہ مجھے پہچان نہیں سکا تھا۔

اس وقت گیارہ بجنے میں دس منٹ تھے۔ میں کونے کی ایک میز پر جا کر بیٹھ گیا۔ میلے کچیلے لباس میں ملبوس ویٹر نے بغیر پوچھے میرے سامنے چائے کا کپ رکھ دیا۔ میں چائے کی ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

سائیں کے پاس بیٹھا ہوا وہ سب انسپکٹر جا چکا تھا اور پھر ٹھیک گیارہ بجے جیرا بلیڈ ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی، کندھے پر پٹکا رکھا ہوا تھا اور پیروں میں کھسا تھا۔ اسے اس حلیے میں دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ من آباد میں مون لائٹ جیسے ریسٹورنٹ کا مالک ہو سکتا ہے۔

اس نے کاؤنٹر کے قریب رک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر میزوں کے درمیان گھومتا ہوا میری طرف آ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد بھی ویٹر نے پوچھے بغیر چائے لا کر رکھ دی۔

"کیا رہا؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"راضی نامہ۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تو ان لوگوں کے خلاف ایف آئی آر کٹوانے پر بضد تھا مگر تم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ راضی نامہ کر لوں اور پھر کچھ اور لوگ بھی بیچ میں پڑ گئے تھے۔"

"اچھا ہوا۔" میں نے کہا۔ "بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ تمہاری بھی کھینچا تانی ہوتی رہتی۔"

"ہاں اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"رنگوں والی بات مجھے رضیہ نے بھی بتائی تھی اور پھر تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔" میں نے کہا۔ "اب معلوم کرنا ہے کہ ان کی کھیپ کب جائے گی، یہ پتہ چل جائے تو شاہ جی کو ایسی چوٹ لگاؤں گا کہ وہ زندگی بھر اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔"

"مجھے ایک اور آدمی پیچھے لگانا پڑے گا۔" جیرا بلیڈ نے جواب دیا۔

"کوئی ایسا آدمی ہے نظروں میں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نصرو....." جیرے نے جواب دیا۔ "اسے تلاش کرنا پڑے گا۔ بہت دنوں سے وہ کہیں نظر نہیں آیا۔"

"کیا اس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں وہ بھروسے کا آدمی ہے۔ میں ایک دو دن میں اسے تلاش کر لوں گا۔" جیرے نے جواب دیا۔

ہم تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھ باتیں کرتے رہے پھر باہر آ گئے۔ جیرا بلیڈ تو ایک رکشے پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا اور میں سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گیا اور گلیوں ہی گلیوں میں چلتا ہوا اپنے گھر کے قریب آ گیا۔

اس وقت بارہ بج رہے تھے۔ بیل بجانے کے ایک منٹ بعد نرگس نے دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں آ کر میں نے اس کی طرف دیکھا تو چونک گیا۔ نرگس کے چہرے پر اور آنکھوں میں وحشت سی بھری ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟ تم اس قدر سہمی ہوئی کیوں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"وہ پندرہ منٹ پہلے گیا ہے۔" نرگس نے خشمگیں نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "تم اسے بہت شریف سمجھتے تھے مگر وہ تو بہت حرامی نکلا۔ میں نے جیسے ہی ڈھیل دی وہ پھیل گیا۔"

"تم جیسی حسین عورت ڈھیل دے تو وہ کون بے وقوف ہوگا جو اپنے آپ پر قابو پائے رکھے۔ بہر حال کوئی مطلب کی بات بھی ہوئی یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی کے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ وہ کس کے نام ہے اور تم اسے کیوں بیچنا چاہتے ہو وغیرہ۔" نرگس نے جواب دیا۔ "میں نے اسے کہہ دیا کہ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتی جو بھی بات کرنی ہو تم سے کی جائے۔"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"اس کا مطلب ہے کہ اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔ البتہ تمہیں تھوڑی سی محنت اور کرنی پڑے گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ بہت چالاک ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر بات کرنی ہوگی۔" نرگس نے کہا۔

"وہ ایک مرتبہ قابو آجائے تو اس کی ساری چالاکی دھری کی دھری رہ جائے گی۔" میں نے کہا۔

میں بیڈ پر لیٹ گیا اور نرگس کو جیرابلیڈ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔

"یہ دونوں کام بیک وقت ہو جائیں تو اچھا ہے۔" میں کہہ رہا تھا۔ "یہ کام ہوتے ہی ہم لاہور چھوڑ دیں گے۔"

"کہاں جاؤ گے؟" نرگس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"کراچی۔" میں نے جواب دیا۔ "کراچی میں انسانوں کا ایک جنگل آباد ہے وہاں کسی کو تلاش کرلینا آسان نہیں، ہم اطمینان سے باقی زندگی وہاں گزار سکتے ہیں۔"

نرگس کی آنکھوں میں چمک سی ابھری۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی اور میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔

میں چودھری امین کو گھر آنے کا موقع دیتا رہا۔ وہ جب بھی آتا میں کسی نہ کسی بہانے ادھر ادھر ہو جاتا۔ نرگس بڑی ہوشیاری سے اپنا کام کررہی تھی۔ اس نے چودھری کو پوری طرح اپنے جال میں جکڑ لیا تھا اور میرا خیال تھا کہ اب اگر اسے کوئی کام کہا جائے تو وہ انکار نہیں کرے گا۔

اس رات میں دس بجے کے قریب گھر سے نکلا اور گیارہ بجے واپس آیا تو گلی کے دوسری طرف چودھری امین کی گاڑی دیکھ کر میں دل ہی دل میں مسکرادیا۔

دروازہ دو مرتبہ بیل بجانے کے بعد کھلا تھا۔ نرگس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور لباس بھی مسلا ہوا تھا۔

"وہ نشے میں دھت ہورہا ہے۔" اس نے میرے ساتھ برآمدے کی طرف چلتے ہوئے سرگوشی کی۔ "جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرلو۔ اس سے اچھا موقع پھر نہیں آئے گا۔"

"تم کمرے میں چلو۔ میں آرہا ہوں۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

یہ تجویز بھی میری ہی تھی کہ چودھری امین کو شراب کے نشے میں مدہوش کرکے اس کے خلاف کوئی ایسا ٹھوس ثبوت حاصل کیا جائے کہ وہ ہماری بات ماننے سے انکار نہ کرسکے۔ نرگس بڑی مشکل سے اس پر آمادہ ہوئی تھی کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ چودھری شراب پی کر کوئی نیا ہنگامہ کھڑا نہ کردے لیکن میں نے اسے اطمینان دلایا تھا کہ اگر اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میں اسے اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔

ہال کمرے میں داخل ہوکر میں نے بیڈروم میں جھانکا۔ چودھری امین بیڈ پر آڑھا ترچھا پڑا تھا۔ میں نے نرگس کو اشارہ کیا اور خود دوسرے کمرے میں گھس گیا اور ایک دیوار میں نصب الماری کا دروازہ کھول کر پولورائیڈ کیمرہ نکال لیا۔ یہ کیمرہ بھی تین روز پہلے اسی مقصد کے لئے خریدا گیا تھا اور آج اس کے استعمال کا وقت آگیا تھا۔

میں نے کیمرے میں فلم لوڈ کی، اسے اچھی طرح چیک کیا اور کمرے سے نکل آیا۔ نرگس بیڈروم میں جاچکی تھی میں دبے قدموں دروازے کے قریب پہنچ گیا اور جھانک کر دیکھا۔

چودھری امین اگرچہ نشے میں دھت تھا مگر وہ نرگس کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لینے کی کوشش کررہا تھا۔ نرگس نے میری طرف دیکھا اور پھر میرا اشارہ پاکر اس نے کھینچا تانی کرتے ہوئے چودھری امین کی شرٹ اتار دی۔ چودھری نشے میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

میں نرگس کو اشارہ کرکے دروازے کے سامنے آگیا۔ اس نے چودھری امین کو اپنے ساتھ اس طرح لپٹا لیا کہ اس کا اپنا چہرہ تو جھکا ہوا تھا البتہ چودھری امین کا چہرہ سامنے تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر کیمرہ آنکھ سے لگالیا اور بٹن دبادیا۔

تیز روشنی کے جھماکے سے چودھری امین کچھ چونکا تھا لیکن پھر اسے ہوش نہیں رہا تھا کہ روشنی کا یہ جھماکا کیسا تھا۔ میں بیڈروم سے نکل کر دوسرے کمرے میں آگیا۔ کیمرے سے پلیٹ نکالی اور اسے آہستہ آہستہ ہوا میں حرکت دینے لگا۔

صرف ایک منٹ سے بھی کم وقفے میں فوٹوگرافک پیپر پر تصویر کا عکس ابھرنے لگا اور پھر جیسے جیسے وقت گزرتا رہا وہ تصویر واضح ہوتی چلی گئی۔

تصویر دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس تصویر کی بنیاد پر تو چودھری امین کی پراپرٹی بھی اپنے نام منتقل کروائی جاسکتی تھی۔

ہلکی سی آہٹ پر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ نرگس دروازے میں داخل ہورہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ وحشت تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے تصویر اس کے سامنے کردی۔ وہ تصویر دیکھتے ہی اچھل پڑی اس کے چہرے پر وحشت کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

"یہ..... یہ..... تم نے مجھے ذلیل کردیا۔" اس کے حلق سے آواز بھی بمشکل نکل سکی تھی۔ "اگر یہ تصویر کسی اور کے ہاتھ لگ گئی تو؟"

"کس کے ہاتھ لگے گی۔" میں نے کہتے ہوئے تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی اور ایک بار پھر اسے دیکھنے لگا۔ اس میں نرگس کا چہرہ بھی واضح تھا۔

"تت..... تم نے تو مجھے....."

"تم جذبات میں آرہی ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "شرافت، شرم وحیا اور ضمیر جیسی چیزوں کو اب بھول جاؤ۔ تم دولت حاصل کرنا چاہتی ہو نا۔ ذرا یہ دیکھو کہ اس تصویر کے پیچھے ماڈل ٹاؤن میں واقع دو عالی شان کوٹھیوں کی قیمت پوشیدہ ہے۔"

"تم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں ان کوٹھیوں کی قیمت مل جائے گی۔" نرگس نے کہا۔ "ہوسکتا ہے چودھری یہ کام کرنے سے انکار کردے اور ہماری بات ماننے کے بجائے پولیس میں ہمارے خلاف رپورٹ کردے۔"

"نہ تو وہ ہماری بات ماننے سے انکار کرے گا اور نہ ہی ہمارے خلاف پولیس کے پاس جائے گا۔" میں نے کہا۔ "تم چاہو تو اس تصویر سے چودھری کی اپنی جائیداد بھی نیلام کرواسکتی ہو ویسے میں تمہیں

www.pdfbooksfree.pk

یقین دلاتا ہوں کہ وہ انکار نہیں کرے گا اس میں اس کا اپنا بھی لاکھوں کا فائدہ ہے۔"

نرگس جواب دینے کے بجائے چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔

"وعدہ کرو تم آئندہ مجھ سے ایسا کوئی کام نہیں لو گے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں نے تمہارے لئے اپنے شوہر کو چھوڑا تھا۔ تم اپنے لئے جو کچھ کہو گے میں کبھی انکار نہیں کروں گی لیکن کسی دوسرے کے ساتھ..... تم اندازہ نہیں لگا سکتے میں اس وقت کیسی اذیت ناک صورتحال سے دوچار ہوں۔"

"وعدہ رہا کہ آئندہ تمہیں ایسا کوئی کام نہیں کہوں گا۔" میں نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ پھر میں نے کیمرہ اور تصویر الماری میں رکھ دی اور نرگس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر آ گیا۔

"بیڈ روم سے شراب کی بوتل اور گلاس وغیرہ لا کر یہاں سینٹر ٹیبل پر رکھ دو۔ میں اسے اٹھا کر باہر لاتا ہوں۔"

"کیا کرو گے اس کا؟" نرگس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"اسے یہاں صوفے پر ڈال دیتے ہیں۔ صبح ہوش میں آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

نرگس نے بیڈ روم سے شراب کی بوتل اور گلاس اٹھا کر ہال کمرے میں سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔ میں نے بڑی مشکل سے چودھری امین کو کندھے پر اٹھایا اور صوفے پر لا کر ڈال دیا۔ وہ پوری طرح اناغفیل ہو چکا تھا۔

بستر کی چادر پر دو تین جگہ شراب گری ہوئی تھی۔ نرگس نے وہ چادر اٹھا کر ایک طرف ڈال دی اور دوسری چادر بچھا دی، میں نے دوسرے کمرے سے کیمرہ اور تصویر لا کر بیڈ روم کی الماری میں رکھ دیا اور الماری کو تالا لگا دیا۔

رات کا باقی حصہ ہم دونوں نے جاگ کر ہی گزارہ تھا۔ میں تو اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔ راجستھان میں زندگی کے سنگین ترین تجربات سے گزرا تھا۔ لیکن نرگس کے لئے ہر قسم کا پہلا تجربہ ہوگا اور وہ بدحواس سی ہو رہی تھی اور بار بار اس خدشے کا اظہار کر رہی تھی کہ اگر چودھری امین نے اس کی بات ماننے کے بجائے پولیس میں ان کے خلاف رپورٹ کر دی تو کیا ہوگا۔

"اگر اس نے ایسا کر بھی دیا تو یہ ہمارے خلاف پہلی رپورٹ تو نہیں ہوگی۔ اس لائن میں ڈر اور خوف جیسی چیزیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔" میں نے کہا۔ "ایسی باتوں کو ذہن سے نکال دو اور اس بات کا یقین کر لو کہ چودھری امین نہ تو ہمارے خلاف پولیس کے پاس جائے گا اور نہ ہی وہ ہماری بات ماننے سے انکار کرے گا۔"

ہم رات بھر سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے صبح چھے بجے کے قریب ہال کمرے کی طرف سے آہٹ سن کر ہم دونوں ہی چونک گئے میں نے نرگس کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر ہال کمرے میں چلی گئی۔

چودھری امین ہوش میں آ گیا تھا اور غالباً خاصا بدحواس ہو رہا تھا اور نرگس اسے سرگوشیوں میں کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ساڑھے چھے بجے کے قریب چودھری امین چلا گیا تو نرگس باہر کے دروازے بند کر کے کمرے میں آ گئی اور دھڑ سے بستر پر گر گئی۔

"چلا گیا۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "بہت ڈرا ہوا تھا بار بار مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ

تمہارے شوہر نے تو کچھ نہیں کہا۔ اسے یہ بھی خوف تھا کہ رات بھر گھر سے غائب رہنے پر بیوی بھی اس سے باز پرس کرے گی۔"

"آج کا دن اسے کچھ پریشانی رہے گی۔ اس کے بعد وہ سب کچھ بھول جائے گا۔" میں نے کہا۔ "اچھا بھئی، میں تو اب سو رہا ہوں تم بھی سو جاؤ۔"

میں ایسی گہری نیند سویا کہ دوپہر دو بجے سے پہلے آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔

تین چار روز گزر گئے۔ اس دوران چودھری امین اس طرف نہیں آیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کے دل میں کس قسم کا خوف تھا۔ دو تین دن اور گزر گئے اور پھر ایک روز شام کے وقت میں خود اس کے دفتر پہنچ گیا مجھے دیکھ کر اسے کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔

میں تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھا رہا اس دوران میں نے اس رات کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔

"اچھا بھئی۔ اب میں چلتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں دفتر بند کر کے میرے ہاں آ جانا۔ میں تمہیں اپنی ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی کی فائل دکھانا چاہتا ہوں۔ اب میں نے اس کوٹھی کو بیچنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے فائل دیکھ لو تو بات آگے بڑھائی جائے۔"

میرے اس کے دفتر جانے سے چودھری کا حوصلہ کچھ بڑھا تھا اس لئے ساڑھے نو بجے کے قریب وہ دفتر بند کر کے میرے ہاں آ گیا۔ اس مرتبہ اس نے عقل مندی کی کہ کار اپنے دفتر کے سامنے والی گلی میں چھوڑ آیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد میں ماڈل ٹاؤن والی دونوں کوٹھیوں کے فائل لے آیا۔ وہ کتنی دیر تک فائلوں کا مطالعہ کرتا رہا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ دونوں کوٹھیاں تو محمد الیاس کے نام پر ہیں۔ آپ کا تو کاغذات میں کہیں نام نہیں ہے۔ پاور آف اٹارنی بھی نہیں۔"

"ہاں، میں نے سر کو حرکت دی۔" اس کے باوجود تمہیں یہ دونوں کوٹھیاں فروخت کرنی ہیں۔ میں تمہیں پس منظر بتا دیتا ہوں۔ تمہیں صورت حال سمجھنے میں آسانی رہے گی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔

"ان دونوں کوٹھیوں کا مالک محمد الیاس اسمگلر تھا۔ اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا اس کی پہلی بیوی چند مہینے پہلے ایک ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو گئی تھی۔ دوسری بیوی رضیہ کی شادی الیاس کی موت سے چند ہفتے پہلے ہوئی تھی۔ رضیہ کا تعلق بھی اسمگلروں کے ایک گروہ سے ہے اس کا ماضی بھی داغدار ہے۔ بہت عرصہ پہلے ہونے والے قتل کے ایک کیس میں اس کا نام ہے۔ اگر دیکھا جائے تو قانونی طور پر رضیہ ہی اس جائیداد کی وارث بنتی ہے۔ الیاس کا کوئی اور قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے جو اس جائیداد کا دعویدار ہو۔ لیکن غیر عدالت میں وارثت کی درخواست بھی نہیں دینا چاہتی کہ اس کا اپنا ماضی داغدار ہے اور اس کو خدشہ ہے کہ وہ خود کسی چکر میں نہ پھنس جائے۔ اس لئے وہ صورت حال کو جوں کا توں رکھے ہوئے ہے اور شوہر کے نام پر ہی جائیداد پر قابض ہے۔" میں خاموش ہو کر چودھری امین کے چہرے کو تکنے لگا پھر بولا۔ "یوں تو اس کی اور بھی بڑی پراپرٹی ہے مگر تمہیں یہ دونوں کوٹھیاں فروخت کرنی ہیں کوئی ایسا گاہک تلاش کرو جو زیادہ مین

aazzamm@yahoo.com

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میخ نہ نکالے۔"

"یہ ممکن نہیں۔" چودھری امین نے جواب دیا۔ "سب سے پہلی بات تو یہ کہ میں نے اس بزنس میں آج تک بددیانتی نہیں کی۔ میری ایک ساکھ ہے اور پھر کوئی ایسا گاہک بھی ملنا ممکن نہیں جو تفصیل میں جانے کی کوشش نہ کرے۔"

"سوچ لو۔ اس ڈیل میں تمہیں بیس فیصد کمیشن مل سکتا ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"سوری سر۔" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں تو آپ کو بہت شریف آدمی سمجھتا تھا لیکن آپ تو فراڈ میں مجھے بھی پھنسانا چاہتے ہیں۔"

"تمہاری گردن تو پھنس چکی ہے۔" میں نے کہا۔ "میں بھی تمہیں بہت شریف آدمی سمجھتا تھا۔ لیکن میری عدم موجودگی میں میرے گھر آ کر تم جو کچھ کرتے رہے ہو وہ سب مجھے معلوم ہو چکا ہے اور تمہاری شرافت کا ایک ثبوت تو یہ ہے۔" میں نے جیب سے تصویر نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھ دی۔ اس وقت تک نرگس بھی ہمارے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے جیب سے تصویر نکالتے دیکھ کر وہ بیڈ روم میں چلی گئی۔

چودھری امین نے تصویر اٹھا کر دیکھی تو اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔

"یہ..... یہ....." اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"تمہاری ہی تصویر ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہاری یہ تصویر تمہاری بیوی اور تمہارے دوسرے رشتہ داروں کے پاس پہنچ جائے تو تمہاری کیا عزت رہ جائے گی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کے بعد بھی تمہاری بیوی تمہارے پاس رہے گی اور تمہاری گیارہ سال کی بچی پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔"

"مم..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے مار کر بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" میں نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے تصویر لے لی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ غصے میں تصویر کو پھاڑ نہ دے۔ پولورائیڈ تصویر کا تو نگیٹو بھی نہیں بنتا۔

"میں یہ تصویر لفافے میں ڈال دیتا ہوں۔ تم چاہو تو اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہو میرے پاس اس کی بہت سی کاپیاں ہیں جنہیں میں تمہارے تمام رشتہ داروں میں بانٹ سکتا ہوں۔"

وہ چند لمحے خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر دھڑ سے صوفے پر گر گیا۔ میں بھی بیٹھ گیا۔

"تم واقعی بہت کمینے اور نیچ آدمی ہو....."

"میرے کمینے اور نیچ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے گالیاں دینے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مطلب کی بات کرو۔ تم اس کام کے لئے تیار ہو یا نہیں۔ ویسے اس میں تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ تھوڑی سی محنت اور بیس فیصد کمیشن، لاکھوں روپے کا معاملہ ہے اور دوسری طرف ایسی ذلت اور رسوائی کہ جو تمہیں خودکشی پر مجبور کر دے گی۔"

"مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہئے۔" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

"میں تمہیں سوچنے کے لئے کل شام تک کی مہلت دے سکتا ہوں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ یہ کام جتنی جلد ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے تم تو اس بزنس کی اونچ نیچ کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ ویسے یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے۔ ان دونوں فائلوں میں الیاس کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپیاں موجود ہیں۔ کاغذات کے ساتھ رجسٹرار کے سامنے چند ہزار کے نوٹ رکھو گے تو وہ نظریں اٹھا کر دیکھے گا بھی نہیں کہ پراپرٹی خریدنے والا کون ہے اور بیچنے والا کون۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل شام کو تمہیں جواب دوں گا۔" اس نے جواب دیا اور پھر وہ زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھا۔ میں اسے دروازے تک رخصت کرنے گیا اور گیٹ بند کر کے آ گیا۔

"کیا وہ ہمارے خلاف پولیس میں رپورٹ تو نہیں کرے گا۔" نرگس نے کہا۔ وہ بیڈ روم سے نکل کر ہال کمرے میں آ گئی تھی۔

"وہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر وہ پولیس کے پاس گیا تو اس کی اپنی ہی رسوائی ہوگی یہ تصویر اس کے گھر والوں کے پاس پہنچ جائے گی۔ نہیں وہ کوئی حماقت نہیں کرے گا۔"

"میں نے وہ فائلیں الماری میں رکھ دیں اور تصویر الگ سے سنبھال کر رکھ دی۔

اگلے روز شام کو چودھری امین خود نہیں آیا لیکن اس نے فون پر بتا دیا کہ وہ ہمارا کام کرنے کو تیار ہے۔

"گڈ۔" میں نے کہا۔ "مجھے توقع تھی کہ تم جو بھی فیصلہ کرو گے بہت سوچ سمجھ کر کرو گے۔ لیکن میرا خیال ہے فون پر تفصیل سے بات نہیں ہو سکتی۔ تم اپنا دفتر بند کرنے کے بعد میرے ہاں آ جاؤ۔ آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔" اس نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

ساڑھے نو بجے کے قریب وہ ہمارے ہاں پہنچ گیا۔ ایک مرتبہ پھر فائلیں نکال لی گئیں۔

"تمہارے خیال میں ان دونوں کوٹھیوں کی مالیت کتنی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا اندازہ کوٹھیوں کو دیکھنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے کل صبح میں ساتھ جا کر تمہیں باہر سے دونوں کوٹھیاں دکھا دوں گا۔ اس کے بعد ان کی مالیت طے کر لیں گے۔" میں نے کہا۔

"وہ تصویریں اور نگیٹو۔"

"وہ تصویریں میرے پاس تمہاری امانت ہیں۔" میں نے کہا۔ "سودا ہونے کے بعد رقم ملتے ہی تمہاری امانت تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔ لیکن اس دوران اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو....." میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور وہ میرا مطلب سمجھ گیا۔

اس دوران نرگس چائے بنا کر لے آئی لیکن چودھری امین اس قدر ناراض تھا کہ چائے پیئے بغیر رخصت ہو گیا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران میں جیرا بلیڈ سے بھی رابطے میں رہا۔ اس نے دو آدمیوں کو شاہ جی وغیرہ کے پیچھے لگا دیا تھا۔ ایک تو نصرو تھا اور دوسرے کا تعلق شاہ جی کے سینڈیکیٹ ہی سے تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اور پھر مزید ایک ہفتہ گزرنے کے بعد جیرا بلیڈ نے اطلاع دی کہ دس دن بعد رنگوں کی ایک بہت بڑی کھیپ ساؤتھ افریقہ بھیجی جانے والی ہے۔ یہ مال جنوبی افریقہ کی بندرگاہ کیپ ٹاؤن کے لئے بک کروایا جائے گا۔ جیرا بلیڈ کے کہنے کے مطابق مال لاہور کی ڈرائی پورٹ سے بک کرایا جائے گا۔ یہاں سے کراچی بھیجا جائے گا اور کراچی کی بندرگاہ سے کیپ ٹاؤن جانے والے جہاز پر لادا جائے گا۔

میں نے فوراً ہی منصوبہ بندی شروع کردی۔ میں شاہ جی کے سینڈیکیٹ کا یہ مال کراچی کی بندرگاہ پر پکڑوانا چاہتا تھا اور اس کے لئے کراچی جانا ضروری تھا۔

میں چودھری امین پر دباؤ بڑھانے لگا کہ جلد از جلد کوئی گاہک تلاش کرے اور آخر کار تین دن بعد اس نے بتایا کہ ایک ایسی پارٹی موجود ہے جو اس قسم کے گھپلے کے سودے کرتی ہے لیکن قیمت وہ نہیں ملے گی جو میں لینا چاہتا ہوں۔"

اس پارٹی سے بھی میری ملاقات کرادی گئی۔ ان سے گفتگو کے دوران پتہ چلا کہ ان کا دھندہ ہی یہ تھا۔ انہوں نے بڑے بڑے فراڈ کئے تھے لیکن کبھی پکڑے نہیں گئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان گھپلوں میں متعلقہ افسران بھی شامل ہوتے تھے اور انہیں گھر بیٹھے ان کا حصہ مل جاتا تھا۔

دونوں کوٹھیوں کی مالیت دو کروڑ سے زیادہ تھی لیکن انہوں نے دونوں کے لئے ایک کروڑ کی آفر دی تھی۔ کھینچ تان کر بات ایک کروڑ پچیس لاکھ تک پہنچ گئی۔

تین دن بعد ڈیل ہوگئی۔ کاغذات دو سال پہلے کی تاریخ میں تیار کئے گئے تھے۔ یہ محمد الیاس کی طرف سے پاور آف اٹارنی تھی اور میں نے رجسٹرار کے سامنے الیاس کے نام سے دستخط کئے تھے۔

رجسٹرار آفس کا ہیڈ کلرک اس ڈیل میں شامل تھا۔ اس نے اس پاور آف اٹارنی کا اندراج بھی دو سال پرانے رجسٹر میں کیا تھا۔

میں نے ایک کروڑ کی رقم وصول کرلی۔ پچیس لاکھ چودھری امین کو بطور کمیشن دے دیئے اور وہ تصویر بھی اس کے حوالے کردی۔

"باقی تصویریں اور نگیٹو؟" اس نے کہا۔

"اگر تم اس تصویر کو غور سے دیکھتے تو تمہیں اسی دن پتا چل جاتا کہ یہ پولورائیڈ کیمرے کی تصویر ہے اور پولورائیڈ کیمرے سے کھینچی گئی تصویر کا نگیٹو نہیں بنتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ واحد تصویر ہے جو اس روز اگر تم اپنے قبضے میں لے لیتے تو میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔"

چودھری امین تصویر کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

میں نے اسی رات وہ کوٹھی چھوڑ دی۔ جیرا بلیڈ سے پہلے ہی طے ہو چکا تھا۔ اس نے باغبانپورہ میں ہمارے لئے ایک مکان کا بندوبست کررکھا تھا۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے فون پر جیرا بلیڈ کو اطلاع دے دی تھی۔ وہ سنگھ پورہ موڑ پر ہمارا منتظر تھا اور پھر اس کے ساتھ حق نواز روڈ سے ملحق ایک گلی میں واقع اس مکان تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

مکان زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دو کمرے تھے اور سامنے مختصر سا صحن تھا۔ جس کے ایک طرف باورچی خانہ تھا اور دوسری طرف ٹائلٹ، باورچی خانہ تو پھر بھی کچھ ڈھنگ کا تھا لیکن ٹوائلٹ بس ایویں سا ہی تھا۔

اینٹوں کی دیوار کھڑی کرکے ٹاٹ کا پردہ لٹکا دیا گیا تھا اوپر چھت بھی نہیں تھی۔ اس گھر میں سرکاری نل بھی نہیں تھا۔ باورچی خانے سے ذرا آگے صحن میں ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا جس کے نیچے پلاسٹک کی ایک بالٹی پڑی ہوئی تھی۔

"جیرا بلیڈ نے ضروری چیزوں کا بندوبست پہلے ہی کر رکھا تھا۔ دونوں کمروں میں ایک ایک چارپائی تھی جن پر گدے اور کھیس وغیرہ تہہ کرکے رکھے ہوئے تھے۔ باورچی خانے میں گیس کا چولہا لگا ہوا تھا اور ضرورت کے صرف چند ہی برتن تھے۔ ویسے راشن آتا تھا کہ ہم ہفتہ دس دن گزارہ کرسکتے تھے۔

"میں تم لوگوں کے لئے کسی کوٹھی کا بندوبست بھی کرسکتا تھا لیکن یہ جگہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔" جیرے نے کہا۔ "یہ غریب اور مزدور طبقہ کی آبادی ہے ہر شخص دو وقت کی روٹی کمانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ انہیں یہ جاننے کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ان کے پڑوس میں کون آیا ہے یا کون گیا ہے۔ ویسے بھی تم لوگوں کو کون سا زیادہ عرصہ رہنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دن کی تو بات ہے۔"

"یہ تم نے واقعی عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ لوگ ہمیں پوش علاقوں میں تلاش کرتے رہیں گے۔ اس طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جائے گا۔ ویسے اس وقت کھانے کا کیا بندوبست ہوگا۔ مجھے تو بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔"

"ابھی تو میں کسی ہوٹل سے کھانا لے آتا ہوں۔ صبح ناشتا تم لوگوں کو خود ہی تیار کرنا ہوگا۔" جیرے نے جواب دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ مکان سے باہر چلا گیا۔

میں ایک بار پھر مکان کا جائزہ لینے لگا۔ سرخ اینٹوں سے بنا ہوا یہ مکان بہت خستہ حالت میں تھا۔ دیواروں میں کئی جگہ اینٹیں بھربھرا گئی تھیں، دروازے اگرچہ خاصے وزنی تھے مگر ان کے قبضے جواب دے چکے تھے اور غالباً کچھ ہی عرصہ کے مہمان تھے۔ مکان کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس مکان کی تعمیر سے اب تک اس کی دیکھ بھال پر کوئی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ دونوں کمروں کی دیواروں میں بھی الماریاں بنی ہوئی تھیں مگر ان کے دروازے وغیرہ نہیں تھے۔

میں نے ایک کمرہ جو زیادہ بہتر حالت میں تھا، منتخب کرلیا اور دوسرے کمرے سے بھی چارپائی اٹھا کر اسی کمرے میں ڈال دی۔ ہمارے پاس صرف ایک سوٹ کیس تھا جس میں ہمارے دو دو جوڑے کپڑوں کے علاوہ سارا اثاثہ موجود تھا۔ راجستھان سے لائے ہوئے قیمتی زیورات، رضیہ کے گھر سے چرائی ہوئی رقم اور کوٹھیوں کی فروخت سے حاصل ہونے والے ایک کروڑ روپے سب کچھ اسی سوٹ کیس میں تھا۔ زرگس نے وہ سوٹ کیس الماری کے سلیب پر رکھ دیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد جیرا بلیڈ کھانا لے کر آ گیا۔ وہ ٹیٹرا پیک میں دودھ کے دو ڈبے اور ڈبل روٹی وغیرہ بھی لے آیا تھا تاکہ صبح کے ناشتے کے لئے ہمیں باہر نہ جانا پڑے۔

جیرے بلیڈ نے بھی ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا تھا اور پھر کل شام کو آنے کا وعدہ کرکے رخصت ہوگیا۔ میں نے صحن والا دروازہ بند کرکے کنڈا چڑھا دیا اور کمرے میں آ کر ایک چارپائی پر نیم دراز ہوگیا۔ زرگس دوسری چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"مجھے تو یہاں ڈر لگ رہا ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کس بات کا ڈر؟" میں نے کہا۔ "گنجان آبادی کا علاقہ ہے ایسی جگہوں پر تو چور بھی کوئی ہمت نہیں کرتے۔"

وحشت تو مجھے بھی ہو رہی تھی، گیارہ بجے کے بعد تو سناٹا چھا گیا تھا۔ یہ علاقہ تنگ اور پر پیچ گلیوں پر مشتمل تھا۔ کبھی کبھار کوئی آدمی سامنے والی گلی سے گزرتا تو کسی آوارہ کتے کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی دے جاتی اور اس کے بعد پھر خاموشی چھا جاتی۔ نرگس محض اس لئے باتیں کر رہی تھی کہ اسے ڈر لگ رہا تھا۔

"رضیہ کو جب پتہ چلے گا کہ اس کی دونوں کوٹھیاں بک چکی ہیں تو اس کی حالت قابل دید ہوگی۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"کاش! میں اس وقت وہاں موجود ہوتی اور اسے اپنے بال نوچتے ہوئے دیکھ سکتی۔"

"اگر تمہیں اپنے بال نچوانے کا شوق ہو تو میں تمہیں ملوا لے چلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر۔" نرگس بولی۔ "ویسے وہ دونوں کوٹھیاں تو تم نے جعلسازی سے فروخت کی ہیں۔ کیا وہ اس جعلسازی کے خلاف پولیس میں رپورٹ نہیں کرے گی۔"

"خیال تو تمہارا درست ہے لیکن وہ پولیس کے پاس جانے کی ہمت نہیں کر سکے گی۔" میں نے جواب دیا۔ "جس پارٹی نے وہ دونوں کوٹھیاں خریدی ہیں ان کا تعلق گجر خاندان سے ہے اور ان کا دھندہ ہی یہ ہے کہ وہ بڑے جگرے والے لوگ ہیں۔ وہ ایسے ہی لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ایسی جائیدادیں خریدتے ہیں جو متنازع ہوں۔ ان کے آدمی ہر جگہ موجود ہیں جنہیں حصہ ملتا رہتا ہے اور ان کا کام ہوتا رہتا ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "صرف ایک دو دن کی بات ہے، وہ لوگ قبضہ لینے پہنچ جائیں گے اور اس وقت رضیہ کی حالت واقعی قابل دید ہوگی۔"

"کاش! میں اسے دیکھ سکتی۔" نرگس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"دیکھ سکتی ہو۔" میں نے کہا۔ "خواب میں دیکھ سکتی ہو اور جاگتی آنکھوں سے خواب نہیں دیکھے جاتے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اب سو جاؤ۔"

لیکن نرگس بہت دیر تک جاگتی اور بولتی رہی۔ میں کبھی کبھار ہوں ہاں میں اس کی کسی بات کا جواب دے دیتا۔

صبح میری آنکھ کھلی تو نرگس میرے اوپر لدی ہوئی تھی۔ وہ رات کو کسی وقت ڈر کر میری چارپائی پر آ گئی تھی۔ میں نے اسے دھکا دے کر اپنے سے الگ ہٹایا اور اٹھ کر دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔

ہمارا وہ دن بڑی بوریت میں گزرا تھا۔ جیرا بلیڈ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ یہاں کے لوگ اپنے کام سے کام رکھنے والے ہیں۔ انہیں صرف دو وقت کی روٹی کی فکر تھی۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ان کے پڑوس میں کون آیا یا کون گیا ہے۔ دن بھر گلی میں بچوں کے کھیلنے اور شور مچانے کی آوازیں تو سنائی دیتی رہیں مگر پڑوس کی کسی عورت نے ہمارے مکان کے دروازے میں جھانک کر دیکھا تک نہیں۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد جیرا بلیڈ آ گیا۔ وہ کھانے پینے کی بہت سی چیزیں لے آیا تھا جن میں تکے اور چرغہ بھی شامل تھا۔ اس طرح نرگس رات کا کھانا تیار کرنے سے بچ گئی۔

"تم نے بھوسے کے ڈھیر میں جو چنگاری پھینکی تھی اس نے شعلے بھڑکا دیئے ہیں۔" جیرا بلیڈ میرے سامنے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جس پارٹی کو تم نے کل دونوں کوٹھیاں فروخت کی تھیں وہ لوگ آج صبح دس بجے رضیہ کی کوٹھی پر پہنچ گئے تھے۔" جیرا بلیڈ نے کہا۔ "وہ تو بدمعاشوں اور غنڈوں کا ٹبر ہے، آٹھ دس آدمی اور چھے سات عورتیں تھیں جو کئی کاروں پر بھر کر وہاں پہنچے تھے۔ انہوں نے جب رضیہ کو بتایا کہ یہ کوٹھی انہوں نے دو سال پہلے الیاس سے پاور آف اٹارنی پر خریدی تھی اور خریدار ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ ویسے بھی الیاس سے اس کی دوستی تھی اس لئے بھی اتنا عرصہ کوٹھی خالی نہیں کرائی گئی۔ لیکن اب انہیں ضرورت ہے اس لئے وہ قبضہ لینے کے لئے آئے ہیں۔"

رضیہ سٹپٹا کر رہ گئی۔ پہلے وہ اسے کسی قسم کا مذاق سمجھی لیکن پھر انہیں پولیس کے حوالے کر دینے کی دھمکیاں دینے لگی۔ سراج گجر نے اسے یہ کوٹھی خالی کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دی ہے جب کہ دوسری کوٹھی کے کرائے داروں کو کوٹھی خالی کرنے کے لئے ایک مہینے کا نوٹس دیا گیا ہے۔

"وہ لوگ تقریباً ایک گھنٹہ اس کوٹھی میں رہے اور آزادی سے گھوم پھر کر دیکھتے رہے۔ ان کے جانے کے فوراً بعد ہی رضیہ شاہ جی کے پاس پہنچ گئی۔ انہیں بہرحال پتہ چل گیا کہ وہ دونوں کوٹھیاں تم نے فروخت کی ہیں۔ شاہ جی کا پورا سینڈیکیٹ اس وقت تمہیں تلاش کر رہا ہے۔"

"اور دوسرے کام کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی شاید چار چھے روز لگیں گے۔" جیرے نے جواب دیا۔ "لیکن جیسے ہی کوئی بات کنفرم ہوئی میں تمہیں بتا دوں گا۔"

ہم کافی دیر تک رضیہ ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ وہ تو واقعی پاگل ہو رہی ہوگی۔ اس نے کتنی محنت سے یہ سب کچھ حاصل کیا تھا، اس دولت کے لئے اس نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ عزت ہی عورت کی سب سے بڑی دولت ہوتی ہے لیکن اس نے عزت کو عیش و نشاط اور حصول زر کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ اسے سب کچھ ملا۔ اس نے عیش بھی خوب کئے لیکن وہ سب کچھ اچانک ہی چھن بھی گیا اس کا لالچ اسے لے ڈوبا تھا۔ میرے پاس قیمتی زیورات دیکھ کر اس کی ہوس بھڑک اٹھی تھی۔ اس نے مجھے دھوکا دے کر وہ زیورات ہضم کرنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ اسے اس طرح بھگتنا پڑا کہ وہ ہر چیز سے محروم ہوگئی۔

تین دن اور گزر گئے۔ نرگس پر بے زاری سی طاری ہونے لگی تھی وہ اس کھولی نما مکان میں پڑے پڑے تنگ آ گئی تھی اور پھر اسی روز شام سے ذرا پہلے جیرا بلیڈ آ گیا وہ عام طور پر رات آٹھ نو بجے کے قریب آیا کرتا تھا اور اس روز شام سے پہلے ہی آ گیا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کوئی خاص بات ضرور ہے۔

"ان کا مال آج ڈرائی پورٹ پر پہنچ چکا ہے۔" جیرے نے کسی تمہید کے بغیر بتایا اور جیب سے کچھ کاغذات نکال کر میری طرف بڑھا دیئے۔ "یہ ان کاغذات کی نقل ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مال بھیجنے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

والا کون ہے اور جو ہانسبرگ میں یہ مال کس کمپنی کے نام بھیجا جا رہا ہے۔"

"یہ کاغذات تم نے کہاں سے لئے؟" میں نے پوچھا۔

"ڈرائی پورٹ کے ایک کلرک سے۔" جیرے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کے لئے دس ہزار روپے خرچ کرنے پڑے تھے۔"

"اور یہ مال یہاں سے کراچی کے لئے کب روزانہ ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ایک دو دن بعد۔" جیرے نے جواب دیا۔

میں وہ کاغذات دیکھنے لگا۔ رنگوں کے پانچ لیٹر والے پانچ سو ڈبے تھے۔ ان کاغذات کے مطابق تمام ضروری اور قانونی کارروائی مکمل کر لی گئی تھی۔ کوئی بھی گھپلا نہیں تھا۔

"پانچ سو ڈبے ہیں۔" جیرا بلیڈ کہہ رہا تھا۔ "اور ہر ڈبے میں ساڑھے چار لیٹر رنگ اور آدھا کلو ہیروئن ہے۔"

"کیا ہیروئن رنگ میں ملائی گئی ہے؟" میرے قریب بیٹھی ہوئی نرگس نے پوچھا۔

"نہیں۔" جیرے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہیروئن کا دھندہ کرنے والے اسمگلنگ کے نئے نئے طریقے اختیار کرتے رہتے ہیں۔ رنگوں کے یہ ڈبے خاص طور پر تیار کئے جاتے ہیں۔ ان کے پیندے دوہری سطح کے ہوتے ہیں اور اس دوہری تہہ کے اندر ہیروئن چھپائی گئی ہے۔ اس طرح پانچ سو ڈبوں میں ڈھائی سو کلوگرام ہیروئن موجود ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہیروئن اسمگلنگ کی روک تھام کے لئے بھی اگرچہ جدید ترین طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ انسانوں کے پیٹ سے ہیروئن کے کیپسول نکلوا لئے جاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ رنگ کے ڈبوں میں اسمگل ہونے والی ہیروئن نہ پکڑی جا سکے۔ اصل بات یہ ہے نرگس بی بی۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے کہتا رہا۔ "ایسا دھندہ کرنے والوں کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کے آدمی موجود ہیں اور ویسے بھی پیسے میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ اسمگلنگ کی روک تھام کرنے والے محکمے بھی کالی بھیڑوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ ان محکموں میں آتے ہی دولت کمانے کے لئے ہیں۔ انہیں صرف ذاتی مفاد سے دلچسپی ہوتی ہے۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ منشیات کی اسمگلنگ سے دوسرے ممالک میں ہمارے ملک کی کتنی بے عزتی ہوتی ہے۔"

"یہ ہیروئن ادھر میں تو تیار نہیں ہوتی۔ افغانستان سے آتی ہے۔ کیا وہاں سے یہاں تک چیکنگ نہیں ہوتی؟ قدم قدم پر چیک پوسٹ بنی ہوئی ہیں، ہائی وے پر بھی گاڑیوں کو روک کر چیکنگ کی جاتی ہے مگر اس کے باوجود منوں کے حساب سے ہیروئن یہاں تک پہنچتی اور آگے جاتی ہے۔ تم ان لوگوں کو نہیں سمجھ سکو گی نرگس بی بی۔ یہاں بڑے بڑے دھندے ہوتے ہیں جن میں عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

"رضیہ کس حال میں ہے؟" میں نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اسے دی ہوئی مہلت میں تین دن رہ گئے ہیں۔" جیرے نے جواب دیا۔ "تمہاری تلاش میں کچھ شدت آ گئی ہے۔ ان تمام پرانے لوگوں کو بھی تلاش کیا جا رہا ہے جن سے بھی تمہارا معمولی سا تعلق بھی

رہا تھا۔"

"کیا یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے ٹیلی فون کیا جا سکے؟" میں نے پوچھا۔

"حق نواز روڈ پر ایک پرائیویٹ پبلک کال آفس ہے جو رات گیارہ بجے تک کھلا رہتا ہے۔" جیرے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، میں نو بجے تمہارے ساتھ چلوں گا۔ مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ لوگ میرے تمام پرانے جاننے والوں کی نگرانی کر رہے ہیں، لیکن تم......"

"میں اتنے چکر لگا کر یہاں آتا ہوں کہ اگر کوئی میری نگرانی کر بھی رہا ہوگا تو چکرا جاتا ہوگا۔" جیرے نے جواب دیا۔ "ویسے تم مطمئن رہو۔ میرا تعاقب کر کے کوئی یہاں نہیں آ سکتا۔"

ہم دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ اس دوران کھانا بھی کھا لیا گیا اور پھر دس بجے کے قریب ہم جیرے کے ساتھ مکان سے باہر آ گئے۔ نرگس نے تالے لگا کر چابی مٹھی میں دبالی تھی، باہر نکلنے سے پہلے اس نے بستر کی چادر اٹھا کر اوڑھ لی تھی۔

تنگ اور اندھیری گلیوں سے نکل کر ہم حق نواز روڈ پر آ گئے۔ وہ پی سی او زیادہ دور نہیں تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہاں پر ایک ہی آدمی تھا۔ میں نے میز پر رکھا ہوا فون اپنی طرف سرکا لیا اور رضیہ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔ آواز رضیہ کی تھی اور پھر میری آواز سنتے ہی وہ بھڑک اٹھی۔ غلیظ گالیوں کا ایک طوفان تھا جو اُمڈا چلا آ رہا تھا۔

"بس یا کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو؟" میں نے موقع پا کر کہا۔

"تم نے میرا گھر نہیں چھوڑا۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" وہ چیخی۔

"تو پھر صبح میرا انتظار کرنا۔ میں ناشتا تمہارے پاس آ کر کروں گا۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر میز پر رکھا اور ہم باہر آ گئے۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" باہر آ کر نرگس نے پوچھا۔

"میں اسے یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں لاہور ہی میں موجود ہوں اور میرا یہاں سے بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم بازار میں ایک طرف چلتے رہے اس وقت اگرچہ دس بج چکے تھے لیکن بازار میں رونق تھی۔ بیشتر دکانیں کھلی ہوئی تھیں ہم مکہ چوک تک چلے گئے۔ میں نے مختلف دکانوں سے ضرورت کی کچھ چیزیں خریدی تھیں۔ واپس آتے ہوئے ہم گلی کے موڑ پر رک گئے۔ تھوڑی دیر جیرے سے باتیں کرتے رہے اور پھر اسے وہیں سے رخصت کر کے گلی میں داخل ہو گئے۔

گھر آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے داڑھی صاف کر دی۔ نرگس حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"ویسے تو تم داڑھی میں بھی بہت اسمارٹ لگتے تھے۔ بغیر داڑھی کے تو تم چھوٹا لگ رہے ہو۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے تم نے داڑھی کس خوشی میں صاف کر دی؟"

"ہم صبح سویرے یہاں سے جا رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"انہیں داڑھی والے ناجی کی تلاش ہوگی۔ کلین شیو ناجی کو ان میں سے کوئی نہیں پہچانتا۔"

"لیکن اگر پولیس نے پہچان لیا تو؟" نرگس بولی۔

"پولیس سے نمٹا جاسکتا ہے مگر شاہ جی اور رضیہ کے لوگوں سے نمٹنا مشکل ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

"کہاں کا ارادہ ہے۔ میرا مطلب ہے کہاں....."

"فیصل آباد۔" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ "صبح سویرے ہم فلائنگ کوچ سے فیصل آباد کے لئے روانہ ہو جائیں گے اور کل شام نائٹ کوچ سے کراچی نکل جائیں گے۔"

"تم نے جیرے کو جانے کے بارے میں نہیں بتایا۔" نرگس نے کہا۔

"ضروری نہیں سمجھا۔" میں نے جواب دیا۔ اسے کراچی سے فون پر اطلاع دے دوں گا اور تم سوٹ کیس کا سامان اس بیگ میں رکھ لو جو ابھی بازار سے خرید کر لائے ہیں۔ خالی سوٹ کیس یہیں چھوڑ جائیں گے۔"

نرگس نے فوراً ہی کام شروع کر دیا۔ اس نے سوٹ کیس کا سارا سامان نکال کر چارپائی پر بچھی ہوئی چادر پر پھیلا دیا اور پھر بڑے سلیقے سے اسی سامان کو بیگ میں بھرنے لگی۔ سب سے نیچے وہ تھیلا رکھا گیا جس میں زیورات اور رضیہ کے گھر سے لوٹی ہوئی رقم تھی۔ اس کے اوپر نوٹوں کے بنڈل بچھا کر تولیہ بچھا دیا اور اس کے اوپر میرے اور اپنے کپڑے ڈال دیئے۔

وہ رات تقریباً جاگتے ہوئے گزری اور پھر صبح چھے بجے کے قریب ہم گھر سے نکل آئے۔ دروازے کو تالا لگا کر چابی دیوار کے اوپر سے صحن میں پھینک دی۔

گلیوں سے نکل کر سڑک پر آتے ہی رکشا مل گیا جس نے آدھے گھنٹے میں بادامی باغ کے اڈے پر پہنچا دیا۔ فیصل آباد جانے والی فلائنگ کوچ بھی فوراً ہی مل گئی۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ بس لاہور سے نکل رہی تھی اور میں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب شاید کبھی لاہور آنا نصیب نہ ہو۔

ٹرین کا تقریباً چوبیس گھنٹوں کا سفر خاصا تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں تھرڈ کلاس کی سہولتیں بھی نہیں تھیں۔ کرایوں میں ہر سال اضافے کے باوجود مسافروں کو وہ سہولتیں مہیا نہیں کی جاتی تھیں جو ان کا حق تھا۔ ریلوے کے ملازمین ہی ریل کو دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے۔ ریلوے سٹیشن کے گیٹ پر کھڑے ہونے والے ٹکٹ کلکٹر سے لے کر چیئرمین تک اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے تھے۔ ریلوے افسران ایئر کنڈیشنڈ سیلونز میں سفر کرتے اور بھاری کرائے بھرنے والے اس بات پر ہی شکر گزار تھے کہ وہ اس پر سفر کر رہے ہیں جو پیدل چلنے سے بہرحال بہتر تھا۔

ٹرینوں کا دو چار یا چھے گھنٹے لیٹ ہونا بھی معمول کی بات تھی۔ جس ٹرین کو انیس یا بیس گھنٹوں میں منزل پر پہنچنا چاہئے تھا وہ چوبیس گھنٹوں بعد کراچی کینٹ سٹیشن پر پہنچتی تھی۔

ٹرین کے اس سفر کے دوران نرگس کی ایک عورت سے دوستی ہوگئی۔

عارفہ نامی وہ عورت اکیلے ہی سفر کر رہی تھی۔ اس کی عمر اگرچہ پینتالیس کے لگ بھگ تھی لیکن

صحت قابل رشک تھی۔ گوری چٹی رنگت، دلفریب ناک نقشہ اور متناسب جسم وہ اپنی عمر سے بہت کم نظر آتی تھی۔ چار برتھوں والے اس کمپارٹمنٹ میں ہمارا چوتھا ہمسفر ایک ادھیڑ عمر میمن سیٹھ تھا جو ہم سے الگ تھلگ ہی رہا۔

عارفہ سے باتیں کرتے ہوئے نرگس نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے اسے بتایا تھا کہ ہم میاں بیوی ہیں اور یہ کہ کسی ملازمت یا کاروبار کی تلاش میں کراچی جا رہے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ کراچی میں ہمارا کوئی جاننے والا نہیں ہے، پہلے چند روز کسی ہوٹل میں قیام کریں گے اور پھر کسی مکان کا بندوبست کیا جائے گا۔ اس پر عارفہ نے ہمیں چند روز کے لئے اپنے ہاں رہنے کی پیشکش کی تھی جسے ہم نے معمولی سے ردوکد کے بعد قبول کر لیا۔

کراچی میں عارفہ کی رہائش گلشن اقبال کے بلاک فور میں تھی۔ چھے سو گز کا وہ بنگلہ بہت شاندار تھا۔ اس بنگلے میں ہمارا استقبال دو حسیناؤں نے کیا۔ جن کے بارے میں عارفہ نے بتایا کہ ایک اس کی بہو اور دوسری بیٹی ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کی عمر بھی تیس سے زیادہ نہیں تھی۔

عارفہ خاتون ٹیکسی سے اتر کر گیٹ میں داخل ہوتے ہی ان پر برس پڑی کہ اسے لینے کے لئے سٹیشن پر گاڑی کیوں نہیں بھیجی۔

"صبح دس بجے گاڑی کا معمولی سا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔" عارفہ کی بہو نادرہ نے بتایا۔ "گاڑی تھانے میں کھڑی ہے اور پولیس نے ڈرائیور کو بھی بٹھا رکھا ہے۔ اشفاق بھی ایک گھنٹے سے وہاں گئے ہوئے ہیں۔"

"پولیس والوں کی یہ جرات کہ میری گاڑی اور ڈرائیور کو تھانے میں بند کر دیا۔ ابھی ان کی خبر لیتی ہوں۔" وہ بلی کی طرح غراتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔

وہ اپنی بہو اور بیٹی سے ہمارا تعارف کرانا بھی بھول گئی تھی۔ نادرہ نے عقل مندی کا ثبوت دیا اور ہمیں اندر لے آئی۔

لاؤنج بہت وسیع و عریض تھا۔ فرنیچر بھی بہت شاندار اور قیمتی تھا۔ عارفہ ایک طرف کھڑی ٹیلی فون پر چیخ چیخ کر باتیں کر رہی تھی۔ اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا اور پھر اس نے ریسیور پٹخ دیا۔

"ارے!" وہ ہماری طرف دیکھ کر بولی۔ "میں ان لوگوں کے بارے میں بتانا تو بھول ہی گئی۔ یہ نرگس ہیں اور یہ اس کے شوہر نظیر محمد، فیصل آباد سے آئے ہیں اور چند روز یہیں رہیں گے۔"

نادرہ اور رشیدہ (عارفہ کی بیٹی) ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیں، نادرہ نے ہمیں ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ میں اپنا بیگ بھی اٹھا لایا تھا۔

آدھے گھنٹے میں تھانے سے گاڑی بھی آگئی اور ڈرائیور بھی۔ فون پر عارفہ کی باتوں نے کام کر دکھایا تھا۔ اس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ عارفہ بیگم کوئی بہت اونچی شے تھی۔

دوپہر کے کھانے پر عارفہ کے بیٹے اشفاق سے بھی ملاقات ہوئی اس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ ماں بیٹے کی عمر میں بہت کم فرق تھا اور مجھے شبہ تھا کہ یہ عارفہ کا بیٹا ہے بھی یا نہیں۔

شام کو کچھ اور لوگوں کی آمد و رفت بھی رہی۔ لیکن میں اور نرگس اپنے کمرے میں بند ہی رہے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہمیں جو کمرہ دیا گیا تھا اس کی کھڑکی سے لان اور سامنے کا گیٹ صاف نظر آ رہا تھا وہاں سے ہم لوگوں کو آتے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ چم چماتی ہوئی قیمتی کاروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ عارفہ بیگم کے رشتے دار بھی خاصے دولت مند تھے۔

اگلے روز صبح ناشتا کرتے ہی میں گھر سے نکل گیا۔ پورا دن بھاگ دوڑ میں گزر گیا اور آخر کار میں اینٹی نارکوٹکس کے محکمہ کے ایک ایسے آفیسر سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کے گھر کا پتا بھی میں نے معلوم کر لیا اور رنگ کے ڈبوں کی ایکسپورٹ کی کنسائنمنٹ والے کاغذات ایک لفافے میں بند کر کے اس کے گھر پہنچا دیئے اور بعد میں فون پر رابطہ کر کے ساری بات اس سے کہہ ڈالی۔ وہ میری بات پر یقین کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

''اگر میری یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی تو میں اپنے آپ کو آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ آپ مجھے جو سزا دیں گے مجھے قبول ہوگی۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے کاغذات آپ کے گھر پر پہنچا دیئے ہیں لاہور سے یہ مال بھی ایک آدھ دن میں کراچی کی بندرگاہ پر پہنچ جائے گا۔ اب یہ آپ کی ذمے داری ہے کہ کسٹم کے ساتھ مل کر ہیروئن کی اس کھیپ کو باہر جانے سے روکیں۔''

میں کافی دیر تک اسے یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا پھر فون بند کر دیا۔

اور جب میں عارفہ کی کوٹھی پر واپس پہنچا تو شام ہونے والی تھی۔ بنگلے کے سامنے ایک بہت شاندار گاڑی کھڑی تھی، عارفہ کی ہنڈا سوک اندر پورچ میں موجود تھی۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے ہٹے کٹے چوکیدار نے مجھے روک لیا۔ یہ اتفاق تھا کہ کل یہاں آنے کے بعد نہ تو میں نے اس چوکیدار کو دیکھا تھا اور نہ ہی اس نے مجھے دیکھا تھا۔

اتفاق سے اس وقت عارفہ اپنے ایک مہمان کے ساتھ برآمدے میں نکل آئی۔ اسے جب پتہ چلا تو اس نے چوکیدار کو زوردار ڈانٹ بھی پلائی کہ مجھے اس طرح کیوں روکا تھا۔

لاؤنج میں گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ نرگس بھی تھی اور نرگس کے ساتھ ایک اجنبی آدمی کو دیکھ کر میری بھویں سکڑ گئیں۔ اس آدمی کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی لیکن خاصا ہٹا کٹا لگتا تھا۔ رنگ آبنوس کی طرح گہرا اور اس پر سفید کرتا پاجامہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ منہ میں پان بھرا ہوا تھا۔

نرگس صوفے کے کونے میں دبی ہوئی تھی اور وہ شخص اس کے ساتھ بالکل جڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر نادرہ نے کچھ کہا تو وہ سرک کر ایک طرف ہٹ گیا۔

''یہ رحمانی صاحب ہیں۔'' نادرہ نے اس کا تعارف کرایا۔ ''یہ اماں کے کزن ہیں ذرا بے تکلف قسم کے آدمی ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور نرگس کو اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

''یہاں تو بڑی گڑبڑ ہے نا جی۔'' نرگس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے سرگوشی کی۔ ''عارفہ وہ نہیں ہے جو اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے یہ کوٹھی عیاشی کا اڈہ ہے۔ نہ رشیدہ اس کی بیٹی ہے اور نہ نادرہ اس کی بہو۔ یہ طوائفیں ہیں لوگ یہاں عیاشی کے لئے آتے ہیں۔ یہ کسی کو اپنا کزن بتاتی ہیں کسی کو خالو اور کسی کو ماموں لیکن دو دو گھنٹے ان کے ساتھ کمروں میں بند رہتی ہیں۔ یہاں آنے والی عورتیں بھی

طوائفیں ہی ہیں یہ..... یہ تو اڈہ ہے ان کا جسے عارفہ چلا رہی ہے۔ آج دوپہر ایک پولیس آفیسر بھی آیا تھا۔ جو تقریباً دو گھنٹے یہاں رہا میں تو اپنے کمرے ہی سے نہیں نکلی تھی۔''

''اور وہ آدمی کون تھا جو تمہارے ساتھ جڑ کر بیٹھا ہوا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''بقول رشیدہ کے ان کی اماں کا کزن ہے۔'' نرگس نے کہا۔ ''ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آیا تھا پہلے تو دوسرے صوفے پر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر میرے قریب آ گیا۔ میں وہاں سے اٹھنا چاہتی تھی کہ تم آ گئے۔''

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ ''میں تو کہتی ہوں جتنی جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی نئے چکر میں پھنس جائیں۔''

''اچھا ہوا یہ لوگ فوراً ہی کھل گئے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے کل ہی کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔''

اور پھر اگلے ہی روز میں کسی مکان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ نرگس بھی میرے ساتھ تھی وہ میرے بغیر اس کوٹھی میں ایک لمحہ بھی رہنے کو تیار نہیں تھی۔ اس نے بیگ کو الماری کے سب سے نچلے خانے میں رکھ کر اس پر کچھ کپڑے ڈال دیئے تھے اور الماری کو تالا لگا کر چابی اپنے گریبان میں ڈال لی تھی۔

مین روڈ پر آ کر ہم نے ایک ٹیکسی پکڑی اور دو ڈھائی گھنٹوں تک شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتے رہے اور آخر کار کریم آباد کے سامنے فیڈرل بی ایریا کا ایک علاقہ مجھے پسند آ گیا۔ رہائشی بنگلوں پر مشتمل یہ علاقہ پرسکون تھا یہاں ہر قسم کی سہولتیں بھی دستیاب تھیں۔

کئی اسٹیٹ ایجنسیوں میں جھانکنے کے بعد آخر کار ایک جگہ ہمارا کام بن گیا یوں تو میں کلفٹن اور ڈیفنس جیسے علاقے میں بھی بڑی سے بڑی کوٹھی کرائے پر لے سکتا تھا۔ لیکن میں ایکدم سے اتنی بڑی چھلانگ نہیں لگانا چاہتا تھا کہ دوسروں کی نظروں میں آ جاؤں۔

اسٹیٹ ایجنسی نے ہمیں اس علاقے میں تین بنگلے دکھائے تھے ان میں سے ایک چھ سو گز کا تھا، ایک ہزار گز کا اور ایک پارک کے سامنے گلی کے کارنر پر دو سو چالیس گز کا۔ میرے نقطہ نظر سے یہ چھوٹا بنگلہ ہمارے لئے ہر لحاظ سے مناسب تھا۔

تین بیڈ روم تھے، ایک ٹی وی لاؤنج، ڈرائنگ روم، سامنے برآمدہ اور اس سے آگے مختصر سا لان بھی تھا۔ عمارت کے دائیں بائیں اور پچھلی طرف بھی کھلی جگہ تھی۔ پچھلی طرف دیوار کے ساتھ ساتھ کیاریاں تھیں جن میں پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کیاری میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پانی بھی دیا گیا تھا۔ دیوار کے کارنر پر پچھلی طرف ایک دروازہ بھی تھا اس طرف ایک تنگ سی گلی تھی، اس سے آگے والے بنگلوں کی پشت بھی اس گلی کی طرف تھی۔ اس طرح اس گلی میں زیادہ آمد و رفت نہیں رہتی تھی۔ گھروں کے ملازم عام طور پر یہاں دیواروں کے ساتھ کوڑا کرکٹ پھینک دیتے تھے۔

لاؤنج میں دیوار سے دیوار تک ایک کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ صوفہ سیٹ اور کرسیاں بھی آراستہ تھیں۔ ایک طرف اسٹینڈ پر ٹیلی فون بھی رکھا ہوا تھا۔ لاؤنج کا کچھ حصہ ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔ جہاں ایک قدرے چھوٹی ڈائننگ ٹیبل لگی ہوئی تھی جس کے گرد کرسیاں آراستہ تھیں۔ اس کے پرلی طرف کچن تھا جس کی دیوار میں محرابی خلا بنی ہوئی تھی اور دونوں طرف ماربل کے سلیب لگے ہوئے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دو بیڈ رومز آراستہ تھے۔ فرش پر گرے کلر کے قالین بچھے ہوئے تھے۔ مسہریوں کے علاوہ دونوں کمروں میں سفید فارمیکا کی الماریاں اور ڈریسنگ ٹیبل بھی تھیں۔ تیسرے کمرے میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔

برآمدے کے اوپر بھی ایک کمرہ تھا۔ جسے اسٹیٹ ایجنٹ کے کہنے کے مطابق اسٹڈی روم بنایا جاسکتا تھا اوپر جانے کی سیڑھیاں اندر ہی سے تھیں۔

''یہ سامان کس کا ہے۔ کب تک اٹھایا جاسکے گا۔'' میں نے کرائے کی بات ہونے کے بعد اسٹیٹ ایجنٹ سے دریافت کیا۔

''یہ مکان دراصل ایک بیوہ خاتون کا ہے۔'' اسٹیٹ ایجنٹ نے بتایا۔ ''ایک سال پہلے اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا اس کا صرف ایک بیٹا ہے جس کی عمر سات سال کی ہے اور یہ مکان ان کی ضرورت سے کہیں بڑا ہے۔ شوہر کے انتقال کے بعد دفتر سے جو رقم ملی تھی اس سے اس نے چند روز پہلے قریب ہی ایک چھوٹا مکان خرید لیا ہے اور یہ مکان کرائے پر دینا چاہتی ہے۔ دوسرے مکان میں اتنی گنجائش نہیں کہ یہ سارا سامان بھی رکھا جاسکے۔ اس لئے وہ چاہتی ہے کہ اگر کوئی یہ سامان بھی خرید لے تو اس کا یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''تو پھر ہم سودا کر لیتے ہیں اس سامان کا۔'' میں نے کہا اور نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ ''اگر معاملہ طے ہو جائے تو میں ابھی رقم دینے کو تیار ہوں اور کل پرسوں تک ہم یہاں شفٹ ہو جائیں گے۔''

''میں مسز عثمانی کو بلا کر لے آتا ہوں۔ ابھی بات کر لیتے ہیں۔'' اسٹیٹ ایجنٹ نے کہا اور ہمیں مکان میں چھوڑ کر اپنی موٹر سائیکل پر چلا گیا۔

اس کی واپسی میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس کے ساتھ مکان کی مالکہ بھی تھی۔ میں اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسٹیٹ ایجنٹ نے جب بتایا تھا کہ یہ مکان کسی بیوہ کا ہے تو میرا خیال تھا کہ وہ پچاس کے لگ بھگ کوئی ادھیڑ عمر عورت ہوگی۔ لیکن میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا اس کی عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ لانبا قد، سڈول جسم اور چہرے کے نقوش بڑے غضب کے تھے۔ غزال کی طرح موٹی موٹی سیاہ آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی۔ چہرے پر بہت ہلکا سا میک اپ تھا۔ اس نے نیوی کلر کی ساڑھی پہن رکھی تھی، بلاؤز کچھ زیادہ ہی مختصر تھا۔

''میں اپنی بہن کے ہاں جانے والی تھی کہ ساجد صاحب پہنچ گئے۔'' اس نے مجھے اور نرگس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہ دو منٹ کی تاخیر سے پہنچتے تو شام سے پہلے ملاقات نہ ہو پاتی۔''

''اچھا ہوا آپ سے ملاقات ہوگئی۔ ورنہ ہمیں بھی دوسرا چکر لگانا پڑتا۔'' میں نے کہا اور پھر ہم نے مطلب کی بات شروع کر دی۔

وہ گھوم پھر کر ہمیں پورے گھر کا فرنیچر دکھانے لگی اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی رہی کہ کون سی چیز اس نے کتنے شوق سے کتنے میں خریدی تھی۔ اس نے سارے سامان کی جو مجموعی قیمت بتائی اس میں بارگیننگ کی گنجائش موجود تھی اور آخر کار ایک معقول رقم پر معاملہ طے ہوگیا۔ ہمیں ان سب چیزوں کی ضرورت تو تھی۔ بازار سے خریدتے تو مہنگی پڑتیں اور وقت الگ ضائع ہوتا۔

اس کا نام فوزیہ زبیری تھا۔ اس کا شوہر زبیری گریڈ اٹھارہ میں سرکاری ملازم تھا۔ ایک سال پہلے ٹریفک کے حادثے میں اس کا انتقال ہوگیا تھا اور پھر اس نے یہ دلچسپ انکشاف بھی کیا کہ وہ بے اولاد ہے۔ تین سال پہلے اس نے اپنی بہن کا ایک بیٹا لے لیا تھا۔ بچے کی عمر اس وقت چار سال تھی وہ اسے اپنی ہی اولاد سمجھتی تھی لیکن بچہ اسے ماں سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ اسے خالہ ہی کہتا اس کا میلان اپنے والدین کی طرف تھا۔ جب تک زبیری زندہ تھا بچے کا دل بھی کچھ لگا ہوا تھا۔ وہ اسے سیر کرانے لے جاتا، شاپنگ کراتا، اس کے ساتھ کھیلتا، لیکن زبیری کے انتقال کے بعد وہ بچہ بھی بالکل ہی بدل گیا اور اپنے ماں باپ کے پاس رہنے کے لئے ضد کرنے لگا۔

''وہ کئی روز سے وہاں ہے۔'' فوزیہ زبیری کہہ رہی تھی۔ ''اور آج میں اسے لینے جارہی ہوں۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ مجھے اس بچے سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اسے پوری طرح احساس ہے کہ میں اس کی ماں نہیں ہوں اور ظاہر ہے میں اسے زبردستی اپنے پاس نہیں رکھ سکتی۔'' اس کے لہجے میں افسردگی کا تاثر نمایاں تھا۔

مجھے یہ سب کچھ سن کر افسوس ہوا۔ میں نے کہا۔ ''بدقسمتی سے ہم بھی اسی المیے کا شکار ہیں۔ شادی کو چار سال ہو چکے مگر آج تک اس نعمت سے محروم ہیں۔''

فوزیہ زبیری نے گہری نظروں سے باری باری ہماری طرف دیکھا اور پھر پراپرٹی ایجنٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے، ساجد صاحب، آپ ان سے ایگری منٹ کر لیجئے، میں شام چھے بجے تک لوٹ آؤں گی جو بھی صورت حال ہو مجھے بتا دیجئے۔''

''اس مکان کا کرایہ اور سامان کی قیمت آپ کو ابھی دے دیں یا.....''

''ساجد صاحب ہی کو دے دیجئے۔ یہ آپ کو رسید دے دیں گے میں شام کو ایگری منٹ پر دستخط کر دوں گی۔'' فوزیہ زبیری نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ہم مکان سے باہر آ گئے۔ ٹیکسی ہم نے ابھی تک روک رکھی تھی۔ ساجد کے پاس موٹر سائیکل تھی۔ فوزیہ ہمارے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

فوزیہ کو ہم نے مین روڈ پر ڈراپ کر دیا اور ساجد کے ساتھ دفتر آ گئے۔ کاغذی کارروائی مکمل ہونے میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ میں نے رقم ادا کر دی اور ہم چابی لے کر دوبارہ اس بنگلے میں آ گئے اور گھوم پھر کر اچھی طرح اطمینان سے جائزہ لینے لگے۔

برآمدے میں اوپر والا کمرہ بھی خاصا بڑا تھا۔ اس میں بھی کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ فوزیہ زبیری نے وعدہ کیا تھا کہ نیچے والے کمرے اور یہاں سے یہ کاٹھ کباڑ ایک دو دن میں ہٹا دیا جائے گا۔

میں اوپر والے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ بنگلے کی چار دیواری اور پارک کے درمیان تقریباً بیس فٹ چوڑی سڑک تھی جو اسی قطار میں بنگلوں اور پارک کے درمیان آخر تک چلی گئی تھی۔

پارک بہت بڑا تھا مگر اسے پارک نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اطراف میں چند درخت تھے جبکہ وسیع و عریض میدان میں گھاس کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ریت کا میدان تھا جس میں دو تین جگہوں پر کرکٹ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کھیلنے کے لئے سیمنٹ کی پچ بنی ہوئی تھی اور اس وقت لاتعداد بچے اس اجاڑ میدان میں کھیل رہے تھے۔

پارک کے دوسری طرف بھی اسی طرح کے بنگلے تھے اور ان بنگلوں کی گلیوں سے گزر کر مین روڈ تک پہنچا جاسکتا تھا اس سے ذرا ہی آگے مین روڈ کے دوسری طرف کریم آباد کا شاپنگ ایریا تھا۔

ہم اس ٹیکسی پر عارفہ کی کوٹھی پر آ گئے اور جب عارفہ کو پتا چلا کہ ہم جا رہے ہیں تو وہ سٹپٹا سی گئی۔

''کیوں بھئی کہاں چلے تم لوگ؟'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا ایک دوست مل گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا اصرار ہے کہ ہم اپنا سامان لے کر فوراً اس کے ہاں آ جائیں۔ ویسے آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ جس محبت اور اپنائیت کا اظہار کیا ہے اسے ہم کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔''

''اپنے دوست کا پتا تو بتاؤ ہم تم سے ملنے آئیں گے۔'' عارفہ بولی۔

''پتا..... میرا مطلب ہے گلی محلہ اور مکان نمبر تو ابھی مجھے خود بھی معلوم نہیں، میں آپ کو فون پر بتا دوں گا اور ہم خود ایک دو روز میں آپ سے ملنے آئیں گے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا میاں، خوش رہو۔'' عارفہ کے لہجے میں بے حد مایوسی تھی۔ ''میں تو چاہتی تھی کہ تم لوگ چند روز یہاں رہو۔''

''کام دھندہ سیٹ ہو جائے تو آپ کے ہاں آ کر ضرور رہیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کام دھندہ تو میں سیٹ کر دیتی تم دونوں کا۔ عیش کرتے زندگی بھر۔'' عارفہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا اور نرگس کی طرف دیکھنے لگی۔

اس مرتبہ میں نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور بیگ اٹھا کر باہر آ گیا۔ باہر ٹیکسی ہمارے انتظار میں رکی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے میرے ہاتھ میں بڑا سا بیگ دیکھ کر ڈکی کھول دی۔ میں نے بیگ ڈگی میں رکھا اور نرگس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ٹیکسی انہی راستوں پر چلتی ہوئی اس بنگلے کے سامنے آ کر رک گئی۔ ہم صبح دس بجے سے اس ٹیکسی پر سواری کر رہے تھے اور اب شام کے سات بج رہے تھے۔ ڈرائیور کو منہ مانگا کرایہ دے کر رخصت کر دیا اور ہم اندر آ گئے۔

ایک بار پھر پورے اطمینان سے بنگلے کا جائزہ لیا گیا میرا خیال تھا کہ چند مہینے یہاں رہ کر کلفٹن یا ڈیفنس کے علاقے میں کسی جگہ منتقل ہو جائیں گے۔

نرگس نے بیگ الماری میں رکھ دیا۔ یہی کمرہ اس نے بیڈ روم کے طور پر منتخب کر لیا تھا۔ اس کی ایک کھڑکی پہلو میں اوپن اسپیس کی طرف کھلتی تھی اور دوسری کھڑکی سے برآمدے اور باہر کے گیٹ تک کا جائزہ لیا جاسکتا تھا۔

اس رات ہم نے کھانا باہر ایک ہوٹل میں کھایا اور واپس آنے سے پہلے بازار میں کچھ شاپنگ بھی کی۔ ہم نے جو چیزیں خریدی تھیں ان میں چند برتن بھی تھے اور ایک بیکری سے صبح کے ناشتے کا سامان بھی لے لیا گیا تھا۔

تین چار روز تک ہم گھر کا سامان ڈھوتے رہے۔ پڑوس کے بنگلوں میں کام کرنے والی ایک

ماسی بھی آ گئی۔ نرگس نے اسے پارٹ ٹائم ملازم رکھ لیا۔ گھر کے سامان کی سیٹنگ میں نرگس اس سے مدد لیتی رہی اور وہ باہر سے سودا سلف بھی لا دیتی تھی۔

میں نے اخبار کے ہاکر سے بھی کہہ دیا تھا۔ وہ روزانہ اخبار ڈال جاتا۔ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے اخبار دیکھتا لیکن ہر بار مجھے شدید مایوسی ہوتی۔

اور پھر ایک روز اخبار میں وہ خبر نظر آ ہی گئی جس کا مجھے کئی روز سے انتظار تھا۔ میرے ذہن کی یہی سب سے بڑی الجھن تھی جو اخبار میں اس خبر کو دیکھ کر دور ہو گئی۔

کسٹمز اور نارکوٹکس کے اعلیٰ حکام نے ایک خصوصی ٹیم کے ساتھ بندرگاہ پر چھاپہ مار کر ساؤتھ افریقہ ایکسپورٹ کئے جانے والے رنگ کے پانچ سو ڈبوں پر قبضہ کر کے ان کے دہری تہہ والے پیندوں میں چھپائی گئی ڈھائی سو کلوگرام ہیروئن برآمد کر لی تھی۔

سرخی پہلے صفحہ پر تین کالموں میں شائع ہوئی تھی اور خبر بڑی تفصیل سے تھی۔ اس کے مطابق یہ چھاپہ ایک خفیہ اطلاع ملنے پر مارا گیا تھا اور بندرگاہ پر ڈبوں سے ہیروئن برآمد ہونے کے بعد کراچی کے دو مختلف ہوٹلوں پر بھی چھاپے مارے گئے تھے۔ ایک ہوٹل سے رشید نامی ایک شخص کو گرفتار کر لیا گیا تھا جبکہ دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر رضیہ نامی عورت فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

اس روز لاہور میں رنگ تیار کرنے والی کمپنی کے بعض آدمیوں کو بھی حراست میں لے لیا گیا تھا۔ لاہور اور کراچی میں کچھ اور لوگوں کی گرفتاری کے لئے بھی چھاپے مارے جا رہے تھے۔

مجھے یہ خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ لاہور کے دلی دروازے کے سامنے ٹھرڈ کلاس ہوٹل میں اور سڑکوں پر ہیروئن کی پڑیاں فروخت کرنے والا سلطان آج بہت بڑا ڈان بنا ہوا تھا لیکن مجھ سے پنگا لے کر اس نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ وہ اپنی اوقات بھول گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھے مچھر کی طرح چٹکی میں مسل دے گا لیکن میں جب تک لاہور میں تھا اسے بار بار میری طرف سے زک اٹھانی پڑی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کے منہ پر میرا آخری طمانچہ نہیں تھا مجھے یقین تھا کہ آگے بھی کسی نہ کسی موقع پر میرا اور اس کا آمنا سامنا ضرور ہو گا۔

اس خبر میں سب سے اہم اطلاع یہ تھی کہ رضیہ کراچی میں تھی۔ وہ رشید کے ساتھ بندرگاہ سے کنسائنمنٹ کلیئر کروانے آئی تھی۔ رشید تو پکڑا گیا تھا مگر رضیہ بھاگ گئی تھی۔ ہوسکتا ہے وہ کراچی سے چلی گئی ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے یہاں اپنے کسی جاننے والے کے پاس پناہ لے رکھی ہو۔ ایسے لوگوں نے بہت سے ٹھکانے بنا رکھے ہوتے ہیں۔

نرگس بھی یہ خبر پڑھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

''بہت اچھا ہوا۔'' وہ بولی۔ ''اب تو وہ کتیا یقیناً سڑکوں پر ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے گی۔''

''میرا خیال ہے اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ایسے لوگوں نے بہت دور تک ہاتھ پیر پھیلا رکھے ہوتے ہیں۔ صرف ڈھائی سو کلو ہیروئن پکڑی گئی ہے نا، وقتی طور پر تو انہیں دھچکا ضرور لگا ہو گا لیکن اگلی کسی کھیپ میں وہ اپنے اس نقصان کو پورا کر لیں گے۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''بہرحال مجھے خوشی ہوئی۔'' نرگس نے کہا۔

''اور تمہیں یہ جان کر بھی خوشی ہوگی کہ رضیہ اس وقت کراچی میں موجود ہے۔'' میں نے کہا۔ نرگس کو بندرگاہ پر چھاپے والی خبر میں نے سنائی تھی لیکن رضیہ کا ذکر ابھی تک نہیں کیا تھا۔

''کیا.....؟'' وہ اچھل پڑی۔

''ہاں۔'' میں نے کہا۔ ''وہ رشید نامی ایک اور آدمی کے ساتھ بندرگاہ سے کنسائنمنٹ کلیئر کروانے کے لئے کراچی آئی تھی۔ رشید تو پکڑا گیا اور رضیہ غائب ہوگئی۔ مجھے یقین ہے وہ یہیں کراچی میں کسی جگہ روپوش ہے۔''

''اس کا مطلب ہے ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔'' نرگس بولی۔

''غیر محتاط تو ہم پہلے بھی نہیں تھے۔'' میں کہہ کر ایک بار پھر اخبار دیکھنے لگا۔ نرگس اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

اخبار کے آخری صفحہ پر ایک اور خبر دیکھ کر میں چونک گیا۔

تھرپارکر کی سرحد پر ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کے بیس ڈرم پکڑے گئے تھے۔ کیمیکل کے یہ ڈرم اونٹوں پر لاد کر راجستھان سے اسمگل کئے جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ شراب کی ایک ہزار بوتلیں بھی تھیں۔ رینجرز اور کسٹمز کی ایک مشترکہ کارروائی سے اسمگلنگ کی یہ کوشش ناکام بنادی گئی۔ شراب کے کریٹ اور کیمیکل کے ڈرم قبضے میں لے لئے گئے تھے جبکہ اسمگلر رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

مجھے چند مہینے پہلے راجستھان میں رونما ہونے والے واقعات یاد آرہے تھے وہ سب کچھ فلم کی طرح میری نظروں کے سامنے گھومتا رہا جب میں رضیہ کو ملتان کے ایک ہوٹل میں چھوڑ کر اپنے ایک عزیز کی تلاش میں عمرکوٹ پہنچ گیا تھا۔ میں اپنے اس عزیز کو تو تلاش نہیں کرسکا تھا مگر وہ حسینہ مجھ سے ٹکرا گئی تھی جس نے مجھے بے ہوش کر کے میری زندگی کا راستہ ہی بدل دیا تھا۔

ریگستان میں واقع وہ کھنڈر نما عمارت جہاں مجھ پر تشدد کیا گیا تھا، پھر رئیس قبو کا ڈیرہ، جہاں میں نے پہلی مرتبہ بیلا کو دیکھا تھا اور پھر سرحد پار کر کے راجستھان کے تپتے ہوئے صحرا میں وہ اذیت ناک سفر۔ بیلا میری ہمسفر تھی اور ماؤنٹ آبو میں ناگ راج سے ٹکراؤ اور بیلا سے آنکھ مچولی، میرے اور بیلا کے بیچ زندگی اور موت کا کھیل طویل عرصے تک جاری رہا تھا۔

مجھے وہ سب واقعات یاد آرہے تھے۔ پنڈت بھیرو، الکا اگنی ہوتری، رادھا، سمترا اور جے پور کی محکمہ سیاحت کی گائیڈ ششادری جس نے مجھے جے پور سے فرار ہونے میں مدد دی تھی۔ وہ تمام چہرے ایک ایک کر کے میری نظروں کے سامنے گھومتے رہے۔

الکا اگنی ہوتری، ناگ راج اور بیلا۔ یہ سب را کے ایجنٹ تھے۔ ان کے منصوبے بہت خوفناک تھے۔ یہ سب اپنے اپنے نمبر بنانے کے لئے مجھے آلہ کار بنا کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں تھے اور میں نے بڑی ہوشیاری سے انہی لوگوں کو استعمال کرتے ہوئے ماؤنٹ آبو کی پہاڑیوں میں وہ کیمپ تباہ کیا تھا جہاں پاکستان سے اغوا کئے ہوئے نوجوانوں کی برین واشنگ کر کے انہیں دہشت گردی کی

تربیت دی جاتی تھی اور پھر انہیں تخریب کاری اور دہشت گردی کے لئے پاکستان بھیج دیا جاتا تھا۔

مجھے وہ رات بھی یاد آئی جب میں رادھا کے ساتھ الکا اگنی ہوتری کے آشرم کے تہہ خانے میں اس کے کاغذات کی تلاشی لے رہا تھا اور الکا اگنی ہوتری اچانک ہی دریودن کے ساتھ وہاں پہنچ گئی تھی۔ میں نے ان دونوں کو ختم کردیا تھا اور رادھا کے ساتھ وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔

الکا اگنی ہوتری کے آشرم کے تہہ خانے میں، میں نے جو کاغذات دیکھے تھے انہوں نے میرے ہوش اڑا دیئے تھے۔ اس سے چند روز پہلے خود الکا نے مجھے کچھ سلائیڈز بھی دکھائی تھیں۔ یہ ان لوگوں کے چہرے تھے جنہیں دہشت گردی اور تخریب کاری کی تربیت دے کر پاکستان بھیجا گیا تھا۔ الکا ہی نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ سرحد پر پاکستانی اسمگلروں کی بھی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ را کی طرف سے انہیں ایسا کیمیکل برائے نام قیمت پر فراہم کیا جاتا ہے جو ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کیمیکل سے تیار ہونے والی ہیروئن نہ صرف پاکستان میں نوجوان نسل کو مفلوج کر رہی ہے بلکہ یہ ہیروئن یورپ اور امریکا اسمگل کر کے پاکستان کی رسوائی بھی ہو رہی تھی۔

الکا اگنی ہوتری نے مجھے یہ سب کچھ اس لئے نہیں بتایا تھا کہ اسے مجھ سے یا میرے وطن سے ہمدردی تھی بلکہ وہ تو مجھے بیلا وغیرہ کے خلاف بھڑکانا چاہتی تھی تاکہ میں بیلا کو راستے سے ہٹادوں اور اس کا اپنا کام آسان ہوجائے۔

الکا اگنی ہوتری کے قتل کے بعد میرے گرد بچھایا جانے والا جال تنگ ہونے لگا۔ رادھا بھی ماری گئی تو میں رتنا کے ساتھ ماؤنٹ آبو سے فرار ہوگیا اور جس طرح موت سے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے کئی ہفتوں کے بعد فیروز پور کی طرف سے سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہوا تھا وہ سب کچھ آپ لوگ میری اس آپ بیتی کے پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

پاکستان میں داخل ہونے کے بعد اگر حالات پرسکون رہتے تو چند روز بعد میں عمرکوٹ جا کر ان لوگوں کو تلاش کرتا جو میری بربادی کا باعث بنے تھے۔ اگر وہ کافر ادا حسینہ مجھے دھوکے سے اغوا نہ کرتی تو میں اپنے کزن کو تلاش کر کے اس کے پاس رہتا یا کوئی اور چھوٹی موٹی ملازمت اختیار کر کے جرائم کی دنیا سے دور ہوجاتا مگر اس حسینہ نے مجھے زندگی کے خطرناک ترین راستے پر دھکیل دیا تھا۔

لیکن پاکستان میں داخل ہوتے ہی میں رضیہ اور شاہ جی جیسے لوگوں سے برسرپیکار ہوگیا اور اس طرح پچھلے واقعات میرے ذہن میں محو ہوتے چلے گئے لیکن آج تھرپارکر میں سرحد پر ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کے ڈرم پکڑے جانے کی خبر سے وہ تمام واقعات میرے ذہن میں تازہ ہوتے چلے گئے اور میں نے طے کرلیا کہ یہاں سیٹ ہونے کے بعد پہلی فرصت میں عمرکوٹ کا رخ کروں گا اور اس کافر ادا حسینہ کو تلاش کر کے رئیس قبو تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

ہمیں اس بنگلے میں رہتے ہوئے کئی روز ہوگئے۔ اس دوران میری تو پڑوسیوں سے واجبی سی علیک سلیک ہوئی تھی لیکن بعض پڑوسیوں سے نرگس کے تعلقات کچھ زیادہ ہی گہرے ہوگئے تھے۔

میں نے ایک عدد سیکنڈ ہینڈ مرسڈیز کار بھی لے لی۔ یہ دیکھنے میں اگرچہ پرانی تھی مگر اس کا انجن بہترین حالت میں تھا اور اتفاق سے یہ کچھ سستی بھی مل گئی تھی۔ ویسے تو میں تیس چالیس لاکھ کی کوئی نئی کار

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بھی خرید سکتا تھا لیکن اس طرح میں لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا اس لئے سیکنڈ ہینڈ مرگلہ پر ہی فی الحال اکتفا کیا تھا۔

ہمارے پاس کروڑوں روپے نقد اور کروڑوں روپے کے زیورات تھے لیکن یہ رقم ہم نہ تو بینک میں رکھوا سکتے تھے اور نہ ہی لاکر میں۔ لاکر اگرچہ محفوظ ترین جگہ تھی مگر مجھے اس پر بھروسا نہیں تھا۔ شبہ ہونے کی صورت میں لاکر کھولا بھی جا سکتا تھا۔ اس طرح نہ صرف سب کچھ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا بلکہ ہمیں بھی زندگی کا باقی حصہ جیل میں گزارنا پڑتا۔

مجھے سب سے زیادہ فکر رقم اور زیورات کی تھی۔ ظاہر ہے ہم یہ تھیلا چوبیس گھنٹے اپنے ساتھ لے کر نہیں گھوم سکتے تھے لیکن نرگس نے اس تھیلے کے لئے بھی ایک محفوظ جگہ تلاش کر ہی لی اور میرے خیال میں یہ محفوظ ترین جگہ تھی اور اس کا انکشاف بھی محض اتفاق سے ہی ہوا تھا۔

ہم نے جس کمرے کو اپنا بیڈ روم بنایا تھا اس میں سفید فارمیکا کی تین درازوں والی ایک الماری تھی۔ یہ الماری خاصی بڑی تھی۔ ڈبل بیڈ یہ الماری ایک سیٹی، دو کرسیوں اور ڈریسنگ ٹیبل رکھنے کے بعد کمرے میں چلنے پھرنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔ اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس بڑی الماری کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا جائے اور وہاں کی الماری کو یہاں لے آیا جائے۔

یہ خیال رات کے کھانے کے بعد آیا تھا۔ کام کرنے والی ماسی اس وقت جا چکی تھی۔ میں اور نرگس اس الماری کو وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے لیکن یہ بہت وزنی تھی۔ اسے خالی کر دیا گیا اور آخر کار جب اس الماری کو وہاں سے ڈیڑھ دو فٹ کے قریب سرکایا گیا تو اس کے پیچھے دیوار کے نچلے حصے پر نظر پڑتے ہی نرگس چونک گئی۔ اس نے میری توجہ مبذول کرائی تو میں بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

الماری کے پیچھے دیوار میں فرش کے ساتھ ملا ہوا تقریباً آٹھ انچ اونچا اور چار فٹ لمبا خلا تھا جس پر لکڑی کا تختہ جڑا ہوا تھا۔ میں نے اسکریو ڈرائیور کی مدد سے وہ تختہ اکھاڑ دیا۔ یہ خلا اندر سے تقریباً ایک فٹ گہرا تھا۔ میں نے ہاتھ ڈال کر دیکھا، وہ خالی تھا۔

میرا خیال ہے دیوار میں فرش کے ساتھ ملا ہوا یہ خلا جوتے وغیرہ رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا لیکن بعد میں کسی وجہ سے اسے بند کر دیا گیا اور یہ الماری اس کے سامنے کھڑی کر دی گئی۔

”تم اس تھیلے کے لئے پریشان تھے نا؟“ نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا اس سے بہتر کوئی اور جگہ ہو سکتی ہے۔“

میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ رقم اور زیورات والا تھیلا چھپانے کے لئے اس سے بہتر کوئی اور جگہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

نرگس نے وہ خلا اندر سے صاف کر دیا۔ تھیلے میں سے اتنی رقم نکال لی گئی جو کئی روز تک ہمارے اخراجات کے لئے استعمال ہو سکتی تھی۔ پھر تھیلا اس میں رکھ کر میں نے تختے کو دوبارہ جوڑ کر خلا بند کر دیا اور الماری ایک بار پھر اسی جگہ رکھ دی گئی بلکہ اسے دیوار کے ساتھ ملا دیا گیا تاکہ پیچھے دیوار میں جھانکنے کی جگہ بھی نہ رہے۔ اب ہم رقم کی طرف سے مطمئن تھے اور آزادی سے گھر سے باہر گھوم پھر سکتے تھے۔

کئی روز اور گزر گئے اور آخر کار ایک روز میں نے اپنی اصل مہم کو جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور

جب میں نے نرگس کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ اچھل پڑی۔

”تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟“ اس نے مجھے گھورا۔ ”اتنی مشکل سے تو ان مصیبتوں سے پیچھا چھوٹا ہے اب آرام سے بیٹھے رہو روپے پیسے کی ہمارے پاس کمی نہیں ہے۔ آڑ کے لئے کوئی کام شروع کر دو بہتر ہے کسی اچھے علاقے میں جنرل اسٹور کھول لو۔ نئی مصیبتوں کو دعوت مت دو اور آرام سے زندگی گزار دو۔“

”مصیبتیں آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑا کرتیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”اور پھر تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ انڈیا کی انٹیلی جنس ایجنسی را ہمارے ملک کی سلامتی کے لئے کتنا بڑا خطرہ ہے۔“

”اور یہ کام تم یہاں رہ کر بھی کر سکتے ہو۔ تمہیں سامنے آنے کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔“ نرگس نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔ ”جس طرح تم نے پس منظر میں رہ کر بندرگاہ پر ہیروئن پکڑوائی تھی اسی طرح پس منظر میں رہ کر رئیس قبو کے بارے میں بھی اعلیٰ حکام کو اطلاع دے سکتے ہو۔“

”یہ معاملہ اس طرح سے حل نہیں ہو گا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”پولیس کو اس کی اطلاع دینے کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ قانون بعد میں حرکت میں آئے گا اور ان لوگوں کو اس کی اطلاع پہلے ہو جائے گی۔ مجھے اس کا تجربہ ہے۔“ میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ”یہ میرے انڈیا جانے سے پہلے کی بات ہے۔ ہیروئن کے بزنس میں میری رمضان نامی ایک شخص سے تسلسل چل رہی تھی۔ ایک مرتبہ رمضان کے پاس افغانستان سے ہیروئن کی ایک بڑی کھیپ آئی تھی۔ کروڑوں کا مال تھا۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے ایک پولیس آفیسر کو اس کی اطلاع دے دی۔ اس نے کچھ اس قسم کی باتیں کیں جیسے ایک گھنٹے کے اندر اندر چھاپہ مار کر مال کو ضبط اور رمضان کو گرفتار کر لیا جائے گا۔“

”میرا ایک آدمی گلبرگ میں رمضان کی کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد اس نے فون پر اطلاع دی کہ وہ پولیس آفسر سادہ لباس میں رمضان کی کوٹھی پر گیا تھا۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ وہاں رہا۔ اس کے جانے کے پندرہ منٹ بعد ایک سٹیشن ویگن بھی کوٹھی سے نکل کر کسی طرف چلی گئی۔

”اس کے تین گھنٹے بعد اسی پولیس آفیسر نے اپنے چار ماتحتوں کے ساتھ رمضان کی کوٹھی پر چھاپہ مارا میرا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا جب میرے آدمی نے سادہ لباس میں پولیس آفیسر کو رمضان کی کوٹھی پر جانے کی اطلاع دی تھی اور بعد میں چھاپہ تو اخلاقاً مارا گیا تھا۔ ظاہر ہے وہاں کیا ملتا۔ مال تو سٹیشن ویگن پر وہاں سے نکالا جا چکا تھا۔ میرے آدمی سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس نے سٹیشن ویگن کا پیچھا نہیں کیا تھا۔ نہیں نرگس جی۔“ میں نے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں اس معاملے میں رسک نہیں لے سکتا ہمارے ہاں پولیس کے محکمہ میں فرض شناس لوگ کم اور کالی بھیڑیں زیادہ ہیں اور اور یہی بڑی وجہ ہے کہ لوگ پولیس سے تعاون کرتے ہوئے بھی کتراتے ہیں۔ میں اگر پولیس کو خفیہ طور پر اطلاع دوں گا تو کسی کارروائی سے پہلے یہ خبر رئیس قبو تک پہنچ جائے گی اور وہ یا تو روپوش ہو جائے گا یا اپنا بندوبست کر لے گا۔ ایسے لوگوں کے ہاتھ ویسے بھی بہت لمبے ہوتے ہیں اور ان پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ کئی وجوہات کی بنا پر قانون کا ہاتھ ان کے گریبان تک نہیں پہنچ پاتا۔ اس لئے مجھے ہی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔“

”تم جان بوجھ کر اپنے لئے بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔“ نرگس نے میرے خاموش

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہونے پر کہا۔

"اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ویسے بھی کون سا ہم خطرے سے باہر ہیں۔ ہمارے چاروں طرف خطرات ہی خطرات ہیں کوئی معمولی سی کوتاہی ہمیں کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بے خبری میں مارے جانے کے بجائے ہم آتش نمرود میں کود پڑیں۔"

"ٹھیک ہے۔" نرگس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"اس وقت تو تم میرے ساتھ ہو لیکن اگلے کچھ عرصہ تک میرے ساتھ نہیں رہو گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" نرگس نے مجھے گھورا۔

"میں عمرکوٹ اکیلا ہی جاؤں گا۔" اس مرتبہ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہوسکتا ہے وہاں مجھے بہت زیادہ خطرات کا سامنا کرنا پڑے۔ تم ساتھ ہو گی تو میں آزادی سے نقل و حرکت نہیں کر سکوں گا اور پھر میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہارے گلے پر بھی چھری پھر جائے۔"

"اوہ!" نرگس گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "تو تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے پاس کروڑوں کی مالیت کے زیورات دیکھ کر میں صرف عیش کرنے کے لئے تمہارے ساتھ گاؤں سے بھاگی تھی۔ نہیں ناجی۔" اس نے ایک بار پھر گہرا سانس لیا۔ "میں تمہارے ساتھ عیش کر رہی ہوں تو تمہیں کسی کٹھن راستے پر تنہا بھی نہیں چھوڑوں گی تم عمرکوٹ اکیلے نہیں جاؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گی یہ میرا فیصلہ ہے بس اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو گی۔"

میں چند لمحے نرگس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر ناقابل شکست عزم تھا۔ میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میں دل ہی دل میں رضیہ اور نرگس کا تجزیہ کرنے لگا۔

مجھے وہ رات اچھی طرح یاد تھی۔ جب رضیہ کا شوہر شجاع جیل میں تھا میں اور رضیہ گھر میں اکیلے تھے۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور اس نے مجھے ایک ایسے راستے پر ڈال دیا تھا جس سے میری واپسی ممکن نہیں ہو سکی تھی۔ چند روز تو رضیہ مجھے کھلاتی رہی، داؤ پیچ سکھلاتی رہی پھر میں اس سے کھیلنے لگا۔

اس کے برعکس یہ نرگس تھی۔ اس نے بھی میرے لئے سب کچھ تیاگ دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید میرے پاس ڈھیر ساری دولت دیکھ کر اس نے اپنی غربت اور شوہر کو لات ماری تھی یہ لاہور میں کئی مہینے میرے ساتھ رہی تھی۔ میرے زیورات رضیہ کے گھر سے چرائی ہوئی گرانقدر رقم اور رضیہ کی کوٹھیوں سے فروخت ہونے والی رقم نرگس ہی کی تحویل میں تھی۔ لاہور میں کئی مرتبہ ایسے مواقع آئے تھے کہ وہ سب کچھ لے کر رفو چکر ہو سکتی تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور اب بھی میں اسے ایک سنہرا موقع فراہم کر رہا تھا۔ میں عمرکوٹ چلا جاتا اور میری عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر وہ ساری دولت لے کر رفو چکر ہو سکتی تھی لیکن اس کے خیالات جان کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ بقول اس کے وہ صرف عیش کرنے کے لئے میرے ساتھ گھر سے نہیں بھاگی تھی وہ موت کی راہوں پر بھی میرے ساتھ قدم بقدم چلنے کو تیار تھی۔ وہ مجھ سے الگ نہیں ہونا چاہتی تھی۔

کتنا فرق تھا رضیہ اور نرگس میں۔

اس رات ہم نے کسی اچھے ہوٹل میں ڈنر کا پروگرام بنایا اور میرے خیال میں شیرٹن سے بہتر اور کون سا ہوٹل ہو سکتا تھا۔

پی آئی ڈی سی ہاؤس کا چوراہا بارونق بھی تھا اور خوب صورت بھی۔ ایک کارنر میں زیر تعمیر ہوٹل کا کئی منزلہ ویران اسٹرکچر کھڑا تھا۔ میں شہر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لئے گھومتا رہتا تھا۔ دو تین مرتبہ اس طرف بھی آ چکا تھا اس اسٹرکچر کے بارے میں پتا چلا تھا کہ کئی سال پہلے اس لگژری ہوٹل کی تعمیر شروع ہوئی تھی پھر کوئی تنازع پیدا ہو گیا اور کئی منزلوں تک پہنچ کر اس کی تعمیر رک گئی اور یہ ڈھانچا اب بدنما دھبے کی طرح کھڑا تھا اس کے سامنے ایک طرف پی آئی ڈی سی ہاؤس کی لمبی چوڑی عمارت تھی اور دوسری طرف پرل انٹرکانٹی نینٹل اور پرل کے سامنے سڑک کے دوسری طرف شیرٹن ہوٹل جس کے پچھلی طرف چیف منسٹر ہاؤس تھا۔

پارکنگ میں کھڑی چمچماتی کاروں میں میری سیکنڈ ہینڈ مرگلہ کسی بدنما دھبے ہی کی طرح لگ رہی تھی لیکن مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں تھی بلکہ اپنے ساتھ نرگس کو پا کر میری گردن کچھ تن سی گئی تھی۔

نرگس بھی خوب تیار ہو کر نکلی تھی۔ کراچی آنے کے بعد اس نے پڑوسن سے ساڑھی پہننا سیکھ لی تھی اور پھر اس نے صدر کے کریم سنٹر سے کئی قیمتی ساڑھیاں خرید لی تھیں۔ اس وقت اس نے کسی قدر گہرے رنگ کی بہت ہی خوبصورت ساڑھی پہن رکھی تھی جو اس کی گوری رنگت پر خوب جچ رہی تھی۔ بلاؤز کسی قدر مختصر اور کشادہ گریبان کا تھا جس سے اس کا شباب چھلک رہا تھا۔ سلکی ساڑھی کا پلو بار بار کندھے سے ڈھلک رہا تھا۔

نرگس نے تھیلا الماری کے پیچھے چھپانے سے پہلے کچھ زیورات استعمال کے لئے نکال لئے تھے۔ کانوں میں ہیرے کے آویزے، ہاتھوں میں کنگن اور سنہری چوڑیاں اور گلے میں نیکلس اس کے حسن کو بڑھا رہا تھا۔ یہ نیکلس وہی تھا جسے سب سے پہلے گاؤں میں نرگس نے پسند کیا تھا پھر لاہور آنے کے بعد رضیہ کی نظروں کو بھا گیا تھا۔ ان زیورات کے علاوہ نرگس نے ایک زیور بھی پہن رکھا تھا۔ ایسا زیور یہاں بہت اونچی سوسائٹی کی آزاد منش خواتین استعمال کرتی ہیں جب کہ ہندوستان میں اس کا زیادہ استعمال دیکھنے میں آیا تھا۔

اور یہ زیورات سونے کا ڈھیلا ڈھالا سا بیلٹ۔ تقریباً نصف انچ حجم کی بہت سی طلائی تتلیاں تھیں جنہیں ایک چین کی صورت میں ایک دوسرے سے منسلک کر دیا گیا تھا اور آگے والی ایک تتلی پر ہیرا جڑا ہوا تھا اور یہ تتلی ناف کے عین اوپر تھی۔ چلنے سے یہ خوبصورت چین اس طرح حرکت کرتی کہ دیکھنے والے کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوتا۔

جب ہم ہال میں داخل ہوئے تو ہر نظر نرگس کی طرف اٹھ گئی۔ ہیڈ ویٹر نے بھی بڑھ کر ہمارا استقبال کیا اور بڑے احترام سے ہمیں ایک خالی میز پر لے گیا۔

نرگس کو اس ہوٹل کا کھانا تو پسند آیا لیکن کھانے کے بعد کافی پیتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات بار بار بگڑ رہے تھے۔ کافی کی تلخی اسے اچھی نہیں لگی تھی۔

کافی پیتے ہوئے میری نظر بائیں طرف اٹھ گئی۔ جہاں تیسری میز پر ایک ادھیڑ عمر مرد اور ایک

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

عورت بیٹھی ہوئی تھی اور اس عورت کو دیکھ کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ رضیہ تھی۔

رضیہ میرے بالکل سامنے نہیں تھی بلکہ اس کا بایاں پہلو میری طرف تھا۔ جب ہم یہاں آئے تھے تو وہ میز خالی تھی اور نہ جانے رضیہ اور وہ آدمی کس وقت وہاں آ کر بیٹھے تھے اور یہ کہنا مشکل تھا کہ رضیہ نے ہمیں دیکھا تھا یا نہیں۔ ویسے میں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ اس نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ نرگس کی پشت اس کی طرف تھی اور میں آڑھے رخ پر تھا۔

اگر رضیہ نے ہمیں دیکھا ہوتا تو اب تک ایک بہت زوردار قسم کا ہنگامہ شروع ہو چکا ہوتا۔

رضیہ کے ساتھ جو آدمی بیٹھا ہوا تھا اس نے قیمتی تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ ٹائی پر لگی ہوئی سنہری پن پر ایک چھوٹا سا تاج لگا ہوا تھا جو روشنی میں بار بار چمک رہا تھا۔ اس کی عمر اگرچہ چالیس اور پینتالیس کے درمیان تھی لیکن جسم مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ لباس سے قطع نظر شکل صورت سے وہ ایسا ہرگز نہیں لگتا تھا جسے شیرٹن جیسے ہوٹل میں خوش آمدید کہا جا سکتا ہو لیکن جیب میں پیسہ ہو تو ہر جگہ رسائی ممکن ہو سکتی ہے اور پھر اس کے ساتھ تو رضیہ کی صورت میں چلتی پھرتی سفارش تھی۔

اس شخص کے بال قرینے سے ترشے ہوئے تھے اور چہرے پر خشخشی داڑھی تھی جس میں ہلکی سی سفیدی جھلک رہی تھی۔ ایک کان میں سونے کی بالی تھی جو بالکل چپکی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا تمہاری صورت پر اچانک بارہ کیوں بجنے لگے ہیں؟'' نرگس کی آواز سن کر میں چونک گیا۔

''آہ۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''ایک بہت ہی خوفناک قسم کی چیز ہم سے تیسری میز پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آں ہاں۔ پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔'' میں نے اسے پہلو بدلتے دیکھ کر ٹوک دیا۔

''کیا مطلب؟ کون ہے وہ؟'' نرگس نے مزید آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔ اس کا لہجہ سرگوشی سے زیادہ نہیں تھا۔

''رضیہ۔'' میں نے بھی سرگوشی میں بتایا۔

نرگس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے شاید ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھنے کا کوشش کی تھی مگر بڑی مشکل سے اپنے آپ کو روک سکی تھی۔

میں نے اپنی کرسی کو مزید تھوڑا سا گھما لیا تاکہ اگر رضیہ اس طرف مڑ کر دیکھے تو میرا چہرہ اس کی نظروں میں نہ آ سکے۔ ویسے مجھے رضیہ کو اس جگہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی ابھی چند ہی روز پہلے کی تو بات تھی کہ پولیس نے بندرگاہ پر چھاپہ مار کر بھاری مقدار کی ہیروئن پر قبضہ کرنے کے بعد رشید نامی ایک شخص کو گرفتار کیا تھا اور رضیہ اپنے ہوٹل سے روپوش ہو گئی تھی۔ پولیس اس کی تلاش میں تھی اور وہ اس طرح آزادی سے گھوم رہی تھی میرا یہ شبہ درست ہی نکلا تھا کہ وہ کراچی میں ہی کسی جگہ روپوش رہی تھی اور میرا یہ اندازہ بھی درست ثابت ہو رہا تھا کہ ان لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔

مجھے اپنا وقت یاد آ گیا۔ جس زمانے میں میرا ٹکا تھا۔ ان دنوں میں بھی ایسی ہی پوزیشن میں تھا۔ میرے ہاتھوں کئی قتل ہو چکے تھے میں پولیس کے لئے موسٹ وانٹڈ تھا لیکن اسی طرح آزادی سے گھوما

کرتا تھا بلکہ بعض اوقات تو ہوٹلوں میں پولیس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتا تھا اور کئی بار تو ایسا بھی ہوا تھا کہ کسی پولیس آفیسر ہی نے میری کوٹھی پر آ کر اطلاع دی تھی کہ میں وقتی طور پر کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاؤں اور اب یہاں رضیہ بھی شاید اسی پوزیشن میں تھی یا رضیہ کا ساتھی کافی اوپر تک پہنچ رکھتا تھا کہ یہ دونوں اس طرح آزادی سے گھوم رہے تھے۔

میں نے تجزیہ کیا تو یہ انکشاف ہوا کہ کراچی میں رضیہ کے مقابلے میں میری پوزیشن بہت کمزور تھی۔ صرف ایک شخص ہی نہیں کراچی میں رضیہ کے کچھ اور حمایتی بھی موجود ہوں گے۔ شاہ جی کا گروہ صرف لاہور تک ہی تو محدود نہیں تھا۔ ان کے مال کی بیرون ملک ترسیل کے لئے کراچی شہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا اور اس جگہ کو انہوں نے خالی نہیں چھوڑا ہوگا۔ یہاں بھی ان کے اڈے ضرور موجود ہوں گے اور رضیہ کو اس شخص کے ساتھ دیکھ کر میرے خیال کی تصدیق ہو رہی تھی۔

اب یہاں مزید بیٹھے رہنا ہمارے لئے خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے ویٹر کو اشارہ کر کے بل طلب کیا بل آنے میں بھی تقریباً دس منٹ لگ گئے۔ بل کی رقم کے ساتھ میں نے ویٹر کو ایک معقول رقم ٹپ کے طور پر بھی دی اور اسے انگلی سے قریب ہونے کا اشارہ کیا۔ ویٹر بڑے مودبانہ انداز میں اس طرح جھکا کہ اس کا چہرہ میرے چہرے کے بالکل قریب آ گیا۔

''مرکزی دروازے کے علاوہ ہال سے نکلنے کا کوئی دوسرا راستہ ہے؟'' میں نے بھی اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''یس سر! میرے ساتھ آیئے۔'' ویٹر نے سیدھے ہوتے ہوئے جواب دیا۔

میرے اشارہ پر وہ دوبارہ میرے چہرے کے قریب جھک گیا۔

''تمہارے ساتھ جانے کی بات نہیں ہے۔'' میں نے سرگوشی کی۔ ''راستہ بتا دو ہم خود ہی چلے جائیں گے۔''

''دائیں طرف ہال کے آخر میں دروازہ ہے اس طرف سے نکل جایئے میں کوشش کروں گا کہ آپ کے بعد کوئی اور اس طرف نہ جائے۔'' ویٹر نے کہا۔

''کسی قسم کی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس اب تم جاؤ اور اپنا کام کرو۔'' میں نے کہا۔

ویٹر خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔

''وہ بلا تمہارے بالکل پیچھے تیسری میز پر بیٹھی ہوئی ہے۔'' میں نے ویٹر کے جانے کے بعد نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''کرسی سے اس طرح اٹھنا کہ تمہارا رخ نہ بدلنے پائے۔ باہر جانے کا راستہ دائیں طرف ہے ہال کے آخر میں۔''

میں کرسی سے اٹھتے ہوئے اس طرح گھوم گیا کہ اب میری پشت مکمل طور پر رضیہ والی میز کی طرف تھی۔ نرگس نے بھی اٹھتے ہوئے خاصی احتیاط برتی تھی۔

ہم میزوں کے درمیان چکراتے ہوئے ویٹر کے بتائے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ دروازے کے دوسری طرف قدم رکھتے ہوئے میں بڑی مشکل سے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی خواہش کو دبا سکا تھا۔

اس طرح ایک مختصر سی راہداری تھی جس کے اختتام پر شیشے کا ایک اور دروازہ تھا۔ اس دروازے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سے نکل کر ہم عمارت کے عقبی لان میں پہنچ گئے۔ باہر آتے ہی ہوا کے تازہ جھونکے کے ساتھ رات کی رانی کی تیز خوشبو بھی نتھنوں سے ٹکرائی تھی شاید قریب ہی رات کی رانی کا کوئی پودا تھا جس نے پوری فضا کو مہکا رکھا تھا۔

ہم عمارت کے اوپر سے گھوم کر سامنے والے رخ پر آ گئے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے پارکنگ کی طرف چلنے لگے۔

آپ مجھے ڈرپوک اور بزدل سمجھ رہے ہوں گے جو رضیہ اور اس کے ساتھی کو دیکھ کر بھاگ رہا تھا۔ نہیں یہ بات نہیں تھی میں اس وقت ایسی پوزیشن میں تھا کہ اپنے لئے الجھنیں پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رضیہ کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا اگر دو بھی ہوتے تو میں ان سے آسانی سے نمٹ سکتا تھا لیکن بات وہی تھی کہ اس موقع پر میں کسی الجھن میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا کیونکہ اس طرح میرا اصل منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جاتا۔

مارگلہ پارکنگ سے نکال کر میں سڑک پر لے آیا۔ اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ سامنے ہی چوراہے پر ٹریفک سگنل کی زرد بتی فلیش کر رہی تھی۔ میں نے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور گاڑی کو سیدھا لیتا چلا گیا۔

ہمارا رخ شاہین کمپلیکس کی طرف تھا۔ یہ بہت کشادہ اور دو رویہ سڑک تھی درمیان میں کئی فٹ چوڑی پٹی پر گرین بیلٹ بنا ہوا تھا جس میں جابجا یوکلپٹس کے فلک بوس درخت بھی جھوم رہے تھے۔ جس سڑک پر ہم جا رہے تھے وہاں بائیں طرف کئی منزلہ ڈھانچا نما عمارت سے آگے گرلز کالج اور اس سے آگے ایک دو ویران عمارتیں تھیں جبکہ سامنے والے رخ پر کئی اکیڑ تک گورنر ہاؤس کا لان پھیلا ہوا تھا۔ اس طرح یہ سڑک تقریباً ویران تھی رات کے دس بجے اکا دکا گاڑیوں ہی کی آمدورفت تھی۔

آگے شاہین کمپلیکس کا چوراہا تھا جہاں سے بائیں طرف چندریگر روڈ شروع ہو جاتا تھا اس طویل سڑک پر صرف دفاتر تھے۔ کوئی رہائشی عمارت نہیں تھی اس لئے یہ سڑک بھی کسی بیوہ کی اجڑی ہوئی مانگ کی طرح ویران تھی۔ تاہم اکا دکا گاڑی اس وقت بھی اس طرف سے گزر رہی جاتی تھی۔

چوراہے کے دائیں طرف وہ سڑک تھی جو مسلم جیم خانہ اور آرٹس کونسل کے سامنے سے ہوتی ہوئی چلی گئی تھی۔ آرٹس کونسل سے آگے یہ سڑک عجیب سے چوراہے بلکہ شش راہے سے بدل جاتی تھی۔ میں نے وہ سڑک اختیار کی جو سیدھی زینب مارکیٹ کے پاس عبداللہ ہارون روڈ سے مل جاتی تھی۔ اس سڑک پر بھی زیادہ تر دفاتر ہی تھے۔ بعض کئی منزل رہائشی عمارتیں بھی تھیں لیکن اس وقت تو یہاں سناٹا ہی تھا۔ میں نے یہ راستہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ عبداللہ ہارون روڈ پر مڑ کر ریگل چوک سے ہوتا ہوا بندر روڈ پر پہنچ جاؤں گا اور وہاں سے نمائش اور گرومندر سے ہوتا ہوا کریم آباد کی طرف نکل جاؤں گا۔

آرٹس کونسل والے شش راہے سے میں نے کار زینب مارکیٹ کی طرف جانے والی سڑک پر ڈالی تو ہمارے پیچھے آنے والی ایک اور گاڑی بھی اسی سڑک پر مڑی تھی۔

میں نے اس گاڑی کو شاہین کمپلیکس والے چوراہے سے بھی اپنے پیچھے مڑتے دیکھا تھا مگر زیادہ توجہ نہیں دی تھی لیکن اس سڑک پر آتے ہی وہ گاڑی برق رفتاری سے آگے نکلی تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا

تھا۔ اس گاڑی کے اندر کی بتی اگرچہ بجھی ہوئی تھی لیکن اس کے ڈیش بورڈ کی بہت ہلکی نیلگوں روشنی میں رضیہ کا چہرہ دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچ سکتا وہ گاڑی بریکوں کی تیز چرچراہٹ کے ساتھ ہمارے سامنے آ کر رک گئی۔ میں اگر پوری قوت سے بریک پیڈل نہ دبا دیتا تو تصادم ہو جانا لازمی تھا۔ تاہم مارگلہ اگلی گاڑی سے آٹھ دس فٹ کے فاصلے پر رکی تھی۔ زوردار جھٹکا لگنے سے رضیہ اپنی سیٹ سے اچھلی۔ اس کی پیشانی ڈیش بورڈ سے ٹکرائی اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

میں بھی بری طرح اچھلا تھا اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا اگلی گاڑی کا دروازہ کھلا اور رضیہ کا ساتھی نیچے اتر کر بڑی تیزی سے ہماری طرف لپکا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اس نے بڑی پھرتی سے میری کار کا دروازہ کھولا اور پستول کی نال میری کنپٹی سے لگا دی۔

''اپنی جگہ سے حرکت کی تو بھیجہ اڑا دوں گا۔'' اس کے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی۔ میں ہوٹل میں یہی سمجھتا رہا تھا کہ رضیہ نے ہمیں نہیں دیکھا تھا جب کہ حقیقت یہ تھی کہ رضیہ نے ہال میں داخل ہوتے ہی ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔ اس وقت شاید کوئی اور میز خالی نہیں تھی وہ مجبوراً اس میز پر بیٹھ گئے تھے جو ہم سے تیسرے نمبر پر تھی۔ اس آدمی کا رخ تو ہماری طرف تھا لیکن رضیہ کسی قدر رخ بدل کر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے ساتھی کو ہمارے بارے میں بتا دیا ہوگا مگر وہ جان بوجھ کر ہم دونوں کی طرف سے انجان بنے رہے تھے اور جب ہم وہاں سے نکلے تو انہوں نے اپنی گاڑی پر ہمارا تعاقب شروع کر دیا تھا اور میں دنیا کا سب سے بڑا احمق تھا کہ اپنے تعاقب کا بھی خیال نہیں رکھا تھا اور اب اپنی حماقت کا خمیازہ بھگتنے کی تیاری کر رہا تھا۔

رضیہ بھی گاڑی سے اتر کر ہماری طرف آ گئی تھی۔

''ہیلو، کیسی ہو چھمک چھلو؟'' میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

''دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں اسی وقت گولی سے اڑا دوں۔'' وہ دانت کچکچاتے ہوئے بولی۔ ''لیکن ابھی مجھے تم سے بہت سا حساب کرنا ہے۔ اپنی کوٹھی سے چوری شدہ رقم اور ان دو کوٹھیوں کی رقم وصول کرنی ہے جنہیں تم نے جعلسازی سے فروخت کر کے مجھے سڑک پر رات گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔''

''سڑک پر۔'' میں نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ ''کیا پورے لاہور میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ایک رات کے لئے تمہیں اپنی خواہ گاہ میں پناہ دے سکتا!'' میں اسے اشتعال دلانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ وہ کوئی ایسی حرکت کر گزرے جس سے مجھے کچھ کرنے کا موقع ملے۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ میری ایسی باتیں سن کر بھی اس نے بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

''تمہاری ان ساری باتوں کا جواب میں اطمینان سے دوں گی۔'' اس نے ٹھنڈے دماغ سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

''ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے رضیہ۔'' اس کے ساتھی نے کہا۔ ''تم اپنی گاڑی میں چل کر بیٹھو، میں ان دونوں کو لے کر آتا ہوں۔''

''ہوشیار رہنا جمی۔ یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ کئی لاشیں گرا چکا ہے سب سے پہلی لاش تو اس نے میرے کھسم کی گرائی تھی۔ ایسا نہ ہو یہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔'' رضیہ بولی۔

www.pdfbooksfree.pk

"جمی کے شکنجے میں آنے کے بعد تو آج تک کوئی دو نہیں نکل سکا۔ یہ چوہا کیا نکلے گا۔" جمی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔

"ایسا کرتے ہیں تم اپنی گاڑی پر ہمارے پیچھے پیچھے آؤ میں انہی کی گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر انہیں پستول کی زد پر لئے رہتا ہوں۔ یہ کار ڈرائیو کرے گا اور اس طرح کوئی غلط حرکت بھی نہیں کر سکے گا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" رضیہ بولی۔ "جلدی سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ پیچھے سے ایک گاڑی آ رہی ہے کسی کو شبہ نہ ہو جائے۔"

پیچھے سے آنے والی گاڑی کو میں نے بھی دیکھ لیا تھا۔ لیکن رضیہ ضرورت سے کچھ زیادہ چالاک ثابت ہوئی تھی۔

جمی بڑی پھرتی سے میری گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

"گاڑی قریب آ رہی ہے۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "اگر تم دونوں میں سے کسی نے غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"

چند سیکنڈ بعد ہی وہ گاڑی تیزی سے ہمارے قریب سے گزر گئی۔ رضیہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھی پھر اچانک ہی رک گئی اور نرگس کی طرف دیکھنے لگی جو سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے پیشانی سہلاتے ہوئے کراہ رہی تھی۔ اس کی ساڑھی کا پلو ڈھلکا ہوا تھا اور گلے میں پڑا ہوا نیکلس ڈش بورڈ کی مدھم سی روشنی میں بھی چمک رہا تھا۔ نیکلس دیکھ کر رضیہ کی آنکھوں میں نیکلس میں لگے ہوئے ہیروں سے بھی زیادہ چمک ابھر آئی۔ وہ کار کے سامنے سے گھوم کر نرگس کی طرف آ گئی۔

"اس کتیا کو دیکھو، اپلے تھاپنے والی کو۔" اس کے لہجے میں بڑی حقارت تھی۔ "اس کے مقدر میں تو کبھی اسٹیل کی مندری بھی نہیں تھی اور رانی بنی بیٹھی ہے۔ گشتی کہیں کی، اتار یہ نیکلس۔" آخری الفاظ اس نے نرگس ہی سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

نرگس نے بڑی خاموشی سے نیکلس اتار کر اس کے حوالے کر دیا۔ رضیہ کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ آ گئی تھی۔ آخر کار نیکلس اس کے قبضے میں آ ہی گیا تھا وہ اپنی گاڑی کی طرف چلی گئی۔

"گاڑی اسٹارٹ کرو۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے جمی نے میری گردن پر پستول کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے عقل مند سمجھنے والا جمی دنیا کا سب سے بڑا احمق ثابت ہو رہا تھا۔ اگر وہ ہمیں اپنی گاڑی میں لے جاتے تو شاید ہمیں کچھ کرنے کا موقع نہ ملتا لیکن اب اس نے ایک موقع فراہم ہونے کی امید پیدا کر دی تھی۔

"رفتار پچیس تیس کلومیٹر سے زیادہ نہیں رکھنا اور اپنی گاڑی کو رضیہ کی گاڑی سے زیادہ آگے نکالنے کی کوشش بھی مت کرنا اب گاڑی آگے بڑھاؤ۔" جمی نے مجھے حکم دیا۔

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی اور تقریباً بیس پچیس گز کے فاصلے سے رضیہ کی گاڑی بھی ہمارے پیچھے لگ گئی۔

aazzamm@yahoo.com

زینب مارکیٹ سے اس سڑک پر ذرا آگے نکل کر جمی کی ہدایت پر میں نے گاڑی دائیں طرف موڑ دی یہ سنسان سڑک سیدھی آواری ٹاور اور میٹروپول ہوٹل کی طرف چلی گئی تھی اور پھر اس کی ہدایت کے مطابق میں نے کار میٹروپول کے اوپر سے گھماتے ہوئے اس سڑک پر ڈال دی جس کا رخ کلفٹن برج کی طرف تھا۔ میٹروپول ہوٹل کے اوپر سے گھومتے ہوئے اگرچہ ہم ٹریفک پولیس کی چوکی کے بالکل سامنے سے گزرے تھے۔ دو پولیس والے چوکی کے باہر کھڑے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ میں اگر چاہتا تو اس جگہ کوئی حرکت کر سکتا تھا لیکن میرا اپنا دامن بھی صاف نہیں تھا۔ پولیس کے سائے سے تو میں بھی بچنا چاہتا تھا اس لئے خاموشی سے کار آگے نکال لے گیا تھا۔ رضیہ کی گاڑی ہمارے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

کلفٹن برج میرے لئے ایک عجوبہ ہی تھا۔ نیچے ریلوے لائن اس کے اوپر کراس کرتا ہوا پل اور اس کے تیس چالیس فٹ مزید اوپر دائیں بائیں کراس کرتا ہوا ایک اور پل۔

"پہلے چوراہے سے بائیں طرف موڑ لینا۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے جمی نے کہا۔ "برج پر چونکہ کچھ ٹریفک تھی اس لئے اس نے پستول میری گردن سے ہٹا کر اگلی دونوں سیٹوں کے درمیانی خلا سے ہاتھ آگے بڑھا کر پستول کی نال میرے پہلو سے لگا دی تھی۔

پل ختم ہونے سے ذرا ہی آگے تین تلوار والا چوک تھا۔ بہت بڑے چوراہے کے عین وسط میں کنکریٹ کی بہت اونچی تین تلواریں بنی ہوئی تھیں جن پر ماربل لگا ہوا تھا۔

اس چوراہے سے ایک سڑک سیدھی کلفٹن کے ساحل کی طرف چلی گئی تھی۔ جب کہ بائیں طرف والی سڑک کا رخ ڈیفنس کی طرف تھا۔ اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور اس سڑک پر سناٹا تھا۔ ہمارے پیچھے رضیہ والی گاڑی کے علاوہ سڑک پر آگے پیچھے اور کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"اگلے چوراہے سے کار دائیں طرف موڑ لینا۔" جمی نے ایک بار پھر حکم جاری کیا۔

اس وقت ہم تین تلوار والے چوک سے تقریباً دو سو گز دور آ چکے تھے۔ اگلا چوراہا تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھا۔ میں نے کار کی رفتار مزید کم کر دی اور چوراہے پر پہنچ کر اسے جمی کی بتائی ہوئی سمت میں گھما دیا۔

یہ سڑک بھی کشادہ تھی اور اس کے دونوں طرف بہت بڑے بڑے رہائشی بنگلے تھے۔ اس لحاظ سے یہاں اور بھی سناٹا تھا۔ جمی کے پستول کی نال اب بھی میرے پہلو سے لگی ہوئی تھی۔

میرے خیال میں جمی سے نمٹنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے گردن گھما کر نرگس کی طرف دیکھا وہ ابھی تک پیشانی سہلا رہی تھی اور پھر ٹھیک اسی لمحہ جمی نے پستول ایک بار پھر میرے پہلو سے ہٹا کر گردن سے لگا دیا اور میرے خیال میں یہ اچھا ہی تھا۔

"وہ سامنے جو سرخ بتی نظر آ رہی ہے وہاں سے گاڑی کو بائیں طرف گھما لینا۔" جمی نے ایک بار پھر حکم صادر کیا۔

"دائیں بائیں۔ دائیں بائیں آخر تم ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہو؟" میں نے کسی قدر جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"جہنم میں۔" جمی غرایا۔ "خاموشی سے گاڑی چلاتے رہو۔"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"اگر تمہاری منزل جہنم ہی ہے تو زیادہ دور جانے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اسٹیئرنگ کو بڑی تیزی سے دائیں طرف گھما کر نیچے جھک گیا۔

کار کو ایک زور دار جھٹکا لگا۔ میں پسنجرز سیٹ کی طرف جھکا تھا جب کہ جمی جھٹکا لگنے سے دروازے کی طرف جھکا۔ دباؤ یا بدحواسی سے پستول کا ٹرائیگر دب گیا۔ گولی ڈیش بورڈ کے سامنے لگی اور ایک سوراخ بن گیا۔

کار کو گھماتے ہی میں نے پوری قوت سے بریک بھی لگایا تھا اور پھر پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں اسٹیئرنگ چھوڑ کر اپنی سیٹ پر اچھلا اور پچھلی سیٹ پر جمی پر چھلانگ لگادی جو سنبھلنے کی کوشش کررہا تھا۔

میرا ہاتھ اس کے پستول والے ہاتھ پر پڑا تھا۔ میں نے اس کی کلائی پوری طرح مروڑ دی۔ پستول کا ٹرائیگر ایک بار پھر دب گیا اس مرتبہ گولی ڈرائیونگ سیٹ کی پشت میں دھنس گئی تھی۔ پہلے فائر کی آواز تو رات کے سناٹے میں گونج گئی تھی لیکن دوسرے فائر کی آواز دب گئی تھی۔

یہ پوش علاقہ تھا۔ بڑی وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ لوگ بستروں میں گہری نیند کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ اگر کسی کوٹھی کے مکین جاگ بھی رہے ہوں گے تو گولی کی آواز سن کر ویسے ہی سہم گئے ہوں گے یہ دولت مند لوگ یوں تو بڑے طاقتور ہوتے ہیں یہ طاقت پیسے کی ہوتی ہے ویسے یہ بڑے بزدل ہوتے ہیں۔ گولی کی آواز سن کر تو گھروں کی بتیاں بھی بجھا دی گئی ہوں گی مجھے فائر کی آواز گونجنے کے باوجود کسی طرف سے مداخلت کی توقع نہیں تھی۔ تاہم پولیس کا اندیشہ ضرور تھا اگر کوئی بھولی بھٹکی موبائل اس طرف آنکلی تو مشکل پیدا ہوسکتی تھی۔

جمی اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کی کلائی پر جما دیا اور دونوں انگوٹھوں کے ناخن اس کی کلائی کی شریان میں گاڑ دیئے۔

جمی کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں خارج ہونے لگیں۔ میں شریان پر ناخنوں کا دباؤ بڑھاتا گیا۔ پستول پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس سے پستول چھین لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اس کا سر اگلی سیٹ کے کنارے سے ٹکرانے لگا۔

اس وقت رضیہ کی گاڑی بھی ٹائروں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ہماری کار کے قریب آ کر رکی اور اس وقت ایک اور حیرت انگیز بات دیکھنے میں آئی۔ نرگس نے اپنی تکلیف بھول کر کار کا دروازہ کھولا اور نیچے چھلانگ لگادی اس نے ساڑھی کا پلو کمر میں اڑس لیا اور رضیہ کی کار کی طرف لپکی۔

رضیہ شاید صورتحال کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔ لیکن نرگس کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر اس نے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی گاڑی کو ریورس میں لینے کی کوشش کی۔ لیکن اسی وقت نرگس نے ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر زور دار جھٹکے سے دروازہ کھول دیا اور رضیہ کو بازو سے پکڑ کر کھینچنے لگی۔

رضیہ نے دونوں ہاتھ بڑی مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر جما رکھے تھے۔ اسی کے ساتھ ہی اس نے ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بھی ڈال دیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹنے لگی۔ نرگس بھی اس کے ساتھ گھسٹتی چلی

گئی۔ اس نے رضیہ کے بازو پر گرفت ڈھیلی نہیں کی تھی اور آخر کار وہ رضیہ کو سیٹ سے باہر کھینچنے میں کامیاب ہوگئی۔

رضیہ بھد کی آواز سے نیچے گری۔ گاڑی ریورس میں چلتی ہوئی ایک بنگلے کے سامنے جنگلے سے ٹکرا کر رک گئی۔

نرگس نے رضیہ کو چھاپ لیا تھا۔ وہ اس کے بال پکڑ کر زور زور سے جھٹکے دے رہی تھی اور رضیہ ہولے ہولے کراہ رہی تھی اور آخر کار رضیہ کا داؤ بھی چل گیا۔ اس نے نرگس کے سینے پر دو تین گھونسے جڑ دیے۔ نرگس بھی کراہ اٹھی۔ اس نے رضیہ کے بال چھوڑ دیئے اور پھر دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئیں۔

رضیہ نے بھی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ نرگس نے تو اپنی ساڑھی کا پلو اڑس کر اپنے آپ کو الجھاؤ سے کسی حد تک محفوظ کرلیا تھا۔ لیکن رضیہ کی ساڑھی اس کے لئے بہت بڑا مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ پہلو بار بار الجھ رہا تھا اور اسی لئے وہ مار بھی کھا رہی تھی۔

نرگس نے رضیہ کے بلاؤز پر ہاتھ ڈال کر زور دار جھٹکا دیا چرر کی آواز کے ساتھ بلاؤز پھٹ گیا۔ رضیہ نے بھی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی مگر نرگس نے اس کے منہ پر زور دار تھپڑ رسید کردیا۔ چٹاخ کی آواز کے ساتھ رضیہ کی ہلکی سی چیخ سنائی دی تھی۔

وہ دونوں خونخوار بلیوں کی طرح غرا رہی تھیں۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں اس سے ضرور لطف اندوز ہوتا۔ لیکن میں خود جمی سے الجھا ہوا تھا جو میرا گلا دبوچنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے پستول کے دستے سے اس کی کھوپڑی پر ضرب لگانے کی کوشش کی مگر وار خالی گیا۔ ضرب اس کے کندھے پر لگی تھی۔

میں اس وقت سیٹ پر پشت کے بل پڑا تھا اور جمی میرے سینے پر سوار تھا اور پھر پتا نہیں کس طرح میرے پیر کی طرف والا دروازہ کھل گیا۔ ہماری دھینگا مشتی میں شاید دروازے پر دباؤ پڑا تھا جس سے وہ کھل گیا تھا۔ میں نے ایک ٹانگ سمیٹ کر جمی کے پیٹ پر جما دی۔ اس وقت تک میرے گلے پر جمی کی گرفت خاصی مضبوط ہوچکی تھی۔ میرے نرخرے پر اس کے انگوٹھے کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور میرا خیال تھا کہ کچھ دیر مزید یہی صورت حال رہتی تو میں ہتھیار ڈال دیتا کیونکہ میرا سانس گھٹنے لگا تھا۔

میں نے پیر جمی کے پیٹ پر مضبوطی سے جمایا اور اسے پوری قوت سے پیچھے دھکیلنے لگا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ میرے گلے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی چلی گئی۔ میں نے پوری قوت اپنی ٹانگ میں مجتمع کرلی اور پیر سے زور دار دھکا دیا۔

جمی کار کے کھلے ہوئے دروازے سے پشت کے بل زمین پر گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ جمی سنبھل کر دوبارہ حملہ آور ہوگا لیکن اس نے عقل مندی یہ کی کہ مجھ پر حملہ کرنے کی بجائے اٹھ کر بنگلوں کے درمیان ایک تاریک گلی کی طرف دوڑ لگادی۔

میں سیٹ سے اٹھ گیا اس وقت تک پستول میرے ہاتھ سے نکل کر سیٹوں کے درمیان فٹ میٹ پر گر چکا تھا۔ میں نے پستول اٹھایا اور کار سے اتر آیا۔

www.pdfbooksfree.pk

نرگس اور رضیہ اس وقت گتھم گتھا ہو رہی تھیں۔ دونوں کے منہ سے بلیوں جیسی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ اس وقت نرگس کی پوزیشن خاصی کمزور تھی وہ نیچے تھی اور رضیہ اس کے اوپر۔

میں نے قریب پہنچ کر رضیہ کا کندھا تھپتھپایا۔

''جمی بھاگ گیا ہے تمہیں چھوڑ کر۔'' میں نے کہا۔ ''اب تمہاری ہر کوشش بے کار ہے اس لئے نرگس کو چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔''

لیکن رضیہ پر میری بات کا اثر نہیں ہوا۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اسے صورت حال کی نزاکت کا بھی اندازہ ہو گیا۔

نرگس بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی رضیہ کی طرح بری طرح ہانپ رہی تھی اور پھر اس نے اچانک ہی آگے بڑھ کر اس کے سینے پر دو تین زور دار گھونسے جڑ دیے۔ رضیہ چیخ کر دوہری ہو گئی اور جب وہ سیدھی ہوئی تو نرگس نے اس کے گلے میں پڑا ہوا نیکلس نوچ لیا۔

''چوڑی، چمارن۔'' وہ غرائی۔ ''تھسم کا مال سمجھ کر سینے سے لگا رکھا تھا۔''

رضیہ سینہ سہلاتے ہوئے ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ اس نے نرگس کی طرف دیکھا تو آنکھوں میں بے پناہ نفرت تھی۔

''رضیہ بی بی۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''اب صورت حال یہ ہے کہ تمہارا دوست تو تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب اگر میں چاہوں تو بڑے اطمینان سے تمہیں گولی مار کر تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر سکتا ہوں لیکن میں اپنے ہاتھ سے تمہیں نہیں ماروں گا۔ تمہیں اس حال میں پہنچا دوں گا کہ تم خود موت کی تمنا کرنے لگو گی لیکن تم آسانی سے نہیں مر سکو گی۔''

میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''اس وقت میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں اس امید پر کہ جلد ہی تم سے دوبارہ ملاقات ہو گی۔''

''میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' رضیہ غرائی۔ ''تم کسی نہ کسی وقت میرے ہتھے ضرور لگو گے۔''

''مجھے بھی اسی کی امید ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب ہم چلتے ہیں اور تم بھی جا کر اپنے بدن کی سکائی کر لو۔ نرگس کا ہاتھ کچھ زیادہ ہی کڑا ہے۔''

میں نے نرگس کو اشارہ کیا اس کا تتلیوں والا طلائی بیلٹ ٹوٹ کر ساڑھی میں اٹکا ہوا تھا۔ اس نے بیلٹ سنبھالا اور کار میں بیٹھ گئی۔ میں نے بھی اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو آگے بڑھانے سے پہلے پستول والا ہاتھ باہر نکال کر رضیہ والی کار کے اگلے ٹائر پر فائر کر دیا ایک زور دار دھماکا ہوا اور اس کے ساتھ ہی میں نے کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

یہ ساری کارروائی صرف چند منٹ میں مکمل ہو گئی تھی۔ جمی کے فرار کے بعد میں نے رضیہ کو اس لئے زندہ چھوڑ دیا تھا کہ ماضی میں بہر حال اس کے مجھ پر کچھ احسانات تھے۔ لیکن اس کے بعد اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ اگرچہ میری نظروں میں قابل سزا جرم تھا مگر یہ جرم اتنا سنگین بھی نہیں تھا جس کی

سزا موت ہوتی۔ سزا تو میں اسے دے رہا تھا زندہ چھوڑ کر۔ ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے وہ کس ٹھاٹھ سے شیرٹن میں گئی ہوئی تھی اور ہم نے اسے کس حال میں چھوڑا تھا۔ پھٹا ہوا بلاؤز نرگس کے ناخنوں سے نچا ہوا چہرہ، چڑیا کے گھونسلے کی طرح بکھرے اور اجڑے ہوئے بال، کسی حسین، جوان اور دولت مند عورت کی اس سے زیادہ ذلیل اور کیا ہو سکتی تھی کہ اسے سڑک پر اس طرح چھوڑ دیا جائے کہ وہ بھکاری نظر آئے۔

مجھے نہیں معلوم کہ وہ لوگ ہمیں کہاں لے جانا چاہتے تھے۔ مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ ان کی منزل کتنی دور رہ گئی تھی۔ میں نے وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے گولی مار کر رضیہ کی گاڑی کا ٹائر بھی برسٹ کر دیا تھا تاکہ اسے جہاں بھی جانا ہے پیدل جائے۔ راستے بھر وہ اپنی ذلت کا احساس کرتی رہے اور اگر اتفاق سے کسی بھیڑیا نما انسان کے ہتھے بھی لگ جائے تو مجھے اس کی پروا نہ ہوتی۔

واپسی کے لئے ہم نے وہی راستہ اختیار کیا جس راستے سے ہم آئے تھے۔ نرگس نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بڑی حد تک اپنا حلیہ درست کر لیا تھا۔

ہم دو بجے کے لگ بھگ گھر پہنچے تھے اور پھر گھر پہنچنے کے بعد ہی نرگس کو اپنی چوٹوں کا احساس ہونے لگا تھا۔ رضیہ اس سے زیادہ ہٹی کٹی تھی۔ نرگس نے اگرچہ اس کا بھرپور مقابلہ کیا تھا مگر رضیہ نے اسے بھی مار ماری تھی۔ چہرے پر اور گردن پر ایک دو خراشیں تھیں مگر جسم پر جگہ جگہ نیل پڑے ہوئے تھے۔

نرگس بے لباس بستر پر پڑی کراہ رہی تھی۔ وہ کبھی بدن کے ایک حصے کو سہلاتی اور کبھی دوسرے کو جس پر نیل پڑی ہوئی جگہ پر انگلی بھی رکھتا تو وہ کراہ اٹھتی۔

میں نے استری لگا دی اور کپڑا گرم کر کے اس کی سکائی کرنے لگا اور اس کے ساتھ ہی میں سوچ رہا تھا کہ نرگس اب کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکل سکے گی۔

سکائی کرنے کے بعد میں نے اس کے جسم پر چادر ڈال دی اور خود باتھ روم میں گھس کر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگا۔ میرے دائیں رخسار پر بھی سیاہ دھبہ پڑ گیا تھا۔ چوٹیں مجھے اور بھی لگی تھیں مگر زیادہ تکلیف رخسار میں ہی تھی۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر کریم لگالی اور کپڑے بدل کر بستر پر آ گیا۔

''شیرٹن میں کھانا تو ہمیں بہت مہنگا پڑا۔'' نرگس نے اپنی جگہ سے حرکت کئے بغیر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس گشتی رضیہ نے تو میرا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ صبح کسی پڑوسن نے پوچھا تو کیا بتاؤں گی۔''

''کہہ دینا پھسلنے سے گر گئی تھیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور جہاں تک یہ سوال ہے کہ کھانا ہمیں مہنگا پڑا تو میں ایسا نہیں سمجھتا۔ آج کے اس واقعہ سے کم از کم یہ تو پتا چل گیا کہ ہمارے دشمن کراچی میں موجود ہیں اور جاگ رہے ہیں۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''یہ بھی غنیمت تھا کہ رضیہ کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا جس سے آسانی سے نمٹ لیا گیا۔ اگر دو یا تین آدمی ہوتے تو ہمارے لئے مشکل پیدا ہو جاتی ویسے مجھے تم پر بہت حیرت ہوئی۔''

''کیوں؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''تم جس طرح رضیہ پر جھپٹی تھیں وہ میرے لئے واقعی حیران کن بات تھی۔'' میں نے جواب دیا۔

aazzamm@yahoo.com

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"اس میں حیرت کی بات کیا ہے۔" نرگس بولی۔ "تم شاید بھول گئے ہو کہ میں لاہور میں بھی اس کتیا کی پٹائی کر چکی ہوں اور آج اس وقت تو میرا خون کھول گیا تھا جب اس نے میرے گلے سے نیکلس اتروایا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "جب ہم گاڑی روک کر جمی سے بھڑ گئے تھے اور رضیہ صورتحال کا اندازہ لگا کر اپنی گاڑی ریورس کر کے بھاگنا چاہتی تھی تو نجانے میرے دل میں یہ بات کیوں آ گئی تھی کہ اگر وہ بھاگ گئی تو نیکلس ہمیشہ کے لئے میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"تو ساری بات اس نیکلس کی تھی۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ عورت بھی عجیب چیز ہے آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔"

"عورت کوئی معما نہیں جو سمجھ میں نہ آ سکے۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ تو بڑی سیدھی سادی مخلوق ہے، تین چیزوں کے لئے اپنی جان تک دے دیتی ہے پیار، عزت اور....."

"زیور!" میں نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

"ہاں..... زیور..... عزت اور پیار۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ایک ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا۔

"ساڑھے تین بج رہے ہیں۔" میں نے دیوار پر کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی آہستگی سے اس کا ہاتھ سینے سے ہٹا دیا۔ "اگر تم نے پیار کی باتیں شروع کر دیں تو صبح ہو جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ اب سونے کی کوشش کرو۔"

"تمہاری یہی بات مجھے بری لگتی ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔

میں نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ مجھے اگرچہ نیند نہیں آ رہی تھی مگر نرگس کو یہی تاثر دینا چاہتا تھا کہ اب ہمیں سو جانا چاہئے اور نرگس واقعی کچھ دیر بعد سو گئی۔ لیکن میں جاگتا رہا۔

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں آج رات میں نے رضیہ کو جس ٹھاٹھ میں دیکھا تھا اس سے میرے لئے اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ یہاں بھی اس کے گروہ کے بڑے طاقتور لوگ موجود تھے جو اسے تحفظ فراہم کئے ہوئے تھے۔ مجھے شبہ تھا کہ سلطان عرف شاہ جی بھی کراچی میں موجود ہوگا۔ اس روز بندرگاہ پر ہیروئن پکڑے جانے کے بعد وہ فوراً ہی کراچی پہنچ گیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے اس نے کچھ جوڑ توڑ بھی شروع کر رکھی ہو۔ لیکن اخبار میں اس چھاپے کے حوالے سے بعد میں کبھی کوئی خبر شائع نہیں ہوئی تھی اور میرا خیال ہے اس قسم کی خبریں اخباروں میں شائع بھی نہیں ہوتیں۔ ایسے معاملات درون خانہ ہی طے پاتے ہیں۔

شاہ جی اگر کراچی میں موجود تھا تو میرے لئے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت تھی اور آج کے واقعات کے بعد تو ہمیں اور زیادہ محتاط رہنا چاہئے۔

جمی تو بھاگنے پر مجبور ہوگیا تھا اور رضیہ کہ ہم نے چھوڑ دیا تھا۔ اس کی حالت اس کتیا جیسی تھی جس کی دم پر پیر رکھ دیا گیا ہو اور مجھے یقین تھا کہ وہ چین سے نہیں بیٹھے گی۔ شاید چار چھے دن اپنی چوٹیں سہلاتی رہے اور اس کے بعد ایک نیا ہنگامہ شروع ہوگا۔ ہنگامہ تو شاید کل ہی سے شروع ہو جائے۔ رضیہ کے ساتھی میری تلاش میں پورے شہر کو چھان ماریں گے۔ وہ شکاری کتوں کی طرح شہر کے گلی کوچوں میں میری

بو سونگھتے پھریں گے۔

میرے پاس بھی رضیہ یا جمی کو تلاش کرنے کا ایک چانس موجود تھا۔ میں نے ان کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا جو اب بھی میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ وہ بالکل نئے ماڈل کی ہونڈا ایکارڈ کار تھی جو غالباً کسی شوروم ہی سے خریدی گئی تھی۔ اس کے لائسنس نمبر سے بھی بڑی آسانی سے ایڈریس معلوم کیا جاسکتا تھا لیکن فی الحال مجھے کوئی پنگا لینے کی ضرورت نہیں تھی ابھی چند روز تو ہمیں روپوشی ہی میں گزارنے تھے۔

میں یہ سب کچھ سوچتا رہا اور وقت گزرتا رہا اور حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔

کھڑکی کے سامنے تنے ہوئے باریک پردے سے صبح کی روشنی جھلکنے لگی میں نے نرگس کی طرف دیکھا وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے بڑی آہستگی سے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ کھڑکی کھلتے ہی کمرے میں در آنے والے تازہ ہوا کے جھونکے بڑے فرحت بخش ثابت ہوئے تھے۔ میں پردہ ہٹا کر چند لمحے کھڑکی کے سامنے کھڑا تازہ ہوا میں گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر وہاں سے ہٹ کر باتھ روم میں آ گیا۔

رات بھر جاگنے سے میری آنکھوں میں جیسے مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں سے آنکھوں میں کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔

میں باتھ روم سے نکلا ہی تھا کہ کال بیل کی آواز سنائی دی۔ وہ یقیناً کام کرنے والی ماسی تھی جو صبح تقریباً اسی وقت آتی تھی اور ناشتا کرنے کے بعد دوسرے بنگلوں میں کام کرنے چلی جاتی تھی اور دوپہر بارہ بجے پھر آ جاتی تھی اور اس کے بعد شام تک یہیں رہتی تھی۔

میں نے نرگس کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت بھی گہری نیند میں تھی اور کروٹ لینے سے چادر اس کے اوپر سے کچھ ہٹ گئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر چادر درست کی اور کمرے سے باہر آ گیا۔

وہ کام کرنے والی ماسی ہی تھی روزانہ نرگس ہی دروازہ کھولا کرتی تھی۔ آج مجھے دیکھ کر وہ عورت کچھ چونک سی گئی۔

"بیگم صاحب گھر پر نہیں ہیں کیا؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے اندر داخل ہو کر پوچھا۔

"بیگم کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ سو رہی ہے۔" میں نے ریشماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے جلدی سے سینے پر دوپٹا پھیلا لیا۔ "رات کو وہ دیر سے سوئی تھی اسے جگانا مت اور سب سے پہلے مجھے چائے پلا دو بعد میں کوئی اور کام کرنا۔"

ریشماں نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور برآمدے کی طرف چلی گئی۔ میں لان کی طرف بڑھ گیا۔

میں لان میں کھڑا بظاہر پودوں کو دیکھ رہا تھا لیکن میری نظریں اندر کی طرف تھیں۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ ریشماں سب سے پہلے ہمارے بیڈروم میں گئی تھی اور وہاں نرگس کو سوتے دیکھ کر اس کی تسلی ہوگئی تھی کہ میں نے اس سے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ وہ بیڈروم سے نکل کر کچن کی طرف چلی گئی تو میں لان کے ایک کونے میں لگے ہوئے نلکے میں پائپ لگا کر پودوں کو پانی دینے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ریشماں میرے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ میں لان میں پڑی ہوئی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کرسی پر بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ریشماں کی طرف دیکھنے لگا۔ نرگس کا لباس اس پر بہت اچھا لگ رہا تھا اور میرے خیال میں وہ ڈھنگ کا لباس پہنتی رہے تو اس میں نکھار آ سکتا تھا۔

ریشماں نے کئی روز پہلے نرگس کو اپنی جو کہانی سنائی تھی وہ خاصی دلچسپ تھی۔

اس کہانی کے مطابق ریشماں کے آباؤ اجداد راجستھان سے آ کر چولستان میں آباد ہوئے تھے۔ وہ ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا جو متحرک ہی رہتا تھا۔ لیکن چولستان کے دامن میں وہ نخلستان انہیں پسند آ گیا اور اس قبیلے نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

ریشماں کے باپ کے پاس بھی بکریوں کا ریوڑ تھا۔ وہ سال میں ایک مرتبہ بکریاں قریبی شہر میں بیچ دیتا۔

ریشماں کے باپ کی اپنے قبیلے میں کسی سے دشمنی چل پڑی۔ جس کے نتیجہ میں ریشماں کے باپ کو قتل کر دیا گیا اس وقت ریشماں کی عمر بیس کے لگ بھگ تھی۔ باپ کے قتل کے بعد کاروبار اس نے سنبھال لیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا تو وہ اکیلی رہ گئی۔

اس کے لئے اکیلے رہنا مشکل ہو گیا اور پھر قبیلے کے سردار نے اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کر دی جو ہڈحرام واقع ہوا تھا۔ اس نے ایک سال کے اندر اندر سب کچھ برابر کر دیا۔ بکریوں کا ریوڑ ختم ہو گیا۔ گارے اور کچی اینٹوں کا دو کمروں کا مکان بھی بیچ دیا۔

ایک سال بعد ہی یہ انکشاف ہوا کہ ریشماں کا نکما اور نکھٹو شوہر گاماں تاڑی پینے اور جوا کھیلنے کا عادی بھی تھا۔

قبیلے کے کئی لوگ بستی چھوڑ چھوڑ کر شہروں کا رخ کر رہے تھے۔ ریشماں کے لئے بستی میں کچھ نہیں رہا تو اس نے بھی قبیلے کو چھوڑ کر شہری آبادی کا رخ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید شہر جا کر گاماں کوئی کام کاج کرنے لگے۔

وہ دو سال تک ہارون آباد میں رہے۔ یہاں جیسے تیسے گزارہ ہوتا رہا۔ گاماں نے سبزی کا ٹھیلا لگا لیا تھا، لیکن یہاں بھی اسے اپنے جیسے لوگ مل گئے اور وہ پھر بگڑ گیا۔

ریشماں گامے کو لے کر بہاولپور اور پھر کراچی آ گئی۔ یہاں انسانوں کا جنگل آباد تھا ایک طرف ایسی بستیاں تھیں جن کے مکینوں کو ایک وقت پیٹ بھر کھانے کو بھی نہیں ملتا تھا اور دوسری طرف ایسی عالی شان کوٹھیاں جہاں بقول شخصے ہن برستا تھا۔

ریشماں اور گامے کو بھی ایک کچی آبادی میں ایک جاننے والے کے دو کمروں کے گھر کا کمرہ مل گیا۔ ریشماں کا خیال تھا کہ یہاں گامے کو کچھ شرم آئے گی اور وہ کوئی کام دھندہ کرے گا۔

گاماں بظاہر صحت مند اور بنا کٹا نظر آتا تھا۔ لیکن اندر سے وہ بالکل کھوکھلا تھا۔ ریشماں کو شادی کی پہلی ہی رات پتا چل گیا تھا کہ اس کے لئے کچھ نہیں ہے اس پر بھی اس نے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا اس نے کبھی دوسرے مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ وہ پیاسی تھی اور پیاسی ہی رہی۔

گامے نے اگرچہ اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ آج تک اسے پیاسا ہی رکھا تھا مگر وہ گامے کو چھوڑنے کو تیار نہیں تھی اور خود محنت مزدوری کر کے اسے پال رہی تھی۔

ریشماں اس وقت گھر کے کام میں مصروف تھی اور میں لان میں بیٹھا اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

میں نے چائے پی کر خالی کپ سامنے پڑی ہوئی تپائی پر رکھ دیا اور اٹھ کر دوبارہ پودوں کو پانی دینے لگا ہر صبح میری اور نرگس کی مصروفیت یہی ہوتی تھی۔ آج اس میں یہ فرق آ گیا تھا کہ میں اکیلا تھا اور وقت سے بہت پہلے لان میں آ گیا تھا جب کہ عام طور پر ہم ناشتا کرنے کے بعد نو بجے کے لگ بھگ باہر نکلا کرتے تھے۔

دھوپ نکل آئی تھی۔ میں اپنے کام میں مصروف رہا۔

"صاحب جی۔" ریشماں کی آواز سن کر میں پیچھے مڑا۔ وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ "بیگم صاحب کو جگا دوں۔ آپ کو ناشتا دے کر مجھے ملک جی کے بنگلے پر جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے پہلی مرتبہ بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جگا دو۔ میں بھی اندر آ رہا ہوں اور ہاں آج ناشتے میں میرے لئے انڈہ مت بنانا۔"

"اچھا صاحب جی۔" ریشماں اندر چلی گئی۔

میں لان کو پانی دیتا رہا۔ میرا خیال تھا دس پندرہ منٹ بعد میں بھی اندر چلا جاؤں گا۔ لیکن ریشماں دو منٹ بعد ہی واپس آ گئی اور کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔

"صاحب جی! بیگم صاحب کو تپ چڑھا ہوا ہے۔ بہت زور کا۔" اس نے کہا وہ خاصی بدحواس ہو رہی تھی۔

"کیا؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ میں نے پائپ گھاس پر پھینک دیا اور ریشماں کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر آ گیا۔

نرگس چت لیٹی ہوئی تھی۔ چادر پوری طرح اس کے جسم پر تھی صرف ایک ہاتھ کہنی تک باہر تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے وہ یا تو سو رہی تھی یا بخار کی بے ہوشی میں تھی۔

میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اچھل پڑا۔ اسے واقعی تیز بخار تھا پیشانی پر میرے ہاتھ کے لمس سے اس نے آنکھیں کھول دیں اور اس کے ہونٹوں پر بہت ہی افسردہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اتنا تیز بخار ہو رہا ہے اور تم نے چادر اوڑھ رکھی ہے۔" میں نے کہتے ہوئے چادر پکڑ کر کھینچ لی۔

نرگس پر سے چادر ہٹتے ہی ریشماں کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور اس نے بڑی تیزی سے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔ چادر ہٹاتے ہوئے میں بھول گیا تھا کہ نرگس رات کو بے لباس سوئی تھی اور ریشماں کو بھی اس کا علم نہیں تھا اس نے بھی شاید نرگس کا چادر سے باہر نکلا ہوا ہاتھ چھو کر دیکھا تھا۔ میں نے چادر دوبارہ نرگس پر ڈال دی اور الماری سے اس کا شلوار قمیص کا ایک جوڑا نکال کر بیڈ پر رکھ دیا۔

"ریشماں!" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "تم اسے یہ کپڑے پہنا دو میں لاؤنج میں ہوں۔"

میں کمرے سے نکل آیا۔ دس منٹ بعد ریشماں نے مجھے آواز دے کر بلا لیا اور جب میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کمرے میں داخل ہوا تو ریشماں عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے۔ تم میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟" میں نے اسے گھورا۔

"صاحب جی!" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ "بیگم صاحبہ کے جسم پر نیل پڑے ہوئے ہیں۔"

"اوہ۔" میں چونک گیا۔ مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں رہا تھا اور نہ ریشماں سے نرگس کو کپڑے پہنانے کو نہ کہتا بلکہ اسے کمرے سے باہر بھیج کر خود یہ کام کر لیتا۔

"تمہاری بیگم صاحبہ کو کنکڑے لگانے کا شوق ہے رات کو سیڑھیوں سے گر گئی تھی اوپر کی سیڑھی سے لڑھکتی ہوئی نیچے تک آئی تھی۔ رات کو چوٹوں کا اتنا پتا نہیں چلا تھا اور یہ بخار شاید اسی وجہ سے ہوا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں ملک جی کی بیٹی کو بلا لاؤں۔" ریشماں بولی۔ "وہ ڈاکدار (ڈاکٹر) ہے بیگم صاحبہ کو ٹھیک کر دے گی۔"

ملک صاحب تیسری کوٹھی میں رہتے تھے۔ ان کی بیگم اکثر نرگس کے پاس آتی رہتی تھی۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی بیٹی ڈاکٹر ہے میں نے نرگس کی طرف دیکھا اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا علاج کرانا ضروری تھا اور میں اسے کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ جس ڈاکٹر کے پاس بھی لے کر جاتا وہ ان چوٹوں کے بارے میں جرح ضرور کرتا۔

ریشماں ملک صاحب کی بیٹی کو بلانے چلی گئی۔ میں نرگس کو سمجھانے لگا کہ اسے ان چوٹوں کے بارے میں کیا کہنا ہے۔

تقریباً بیس منٹ بعد ملک صاحب کی بیٹی ریشماں کے ساتھ آ گئی۔ میری موجودگی میں نرگس نے اسے بتایا کہ رات کو وہ سیڑھیوں سے گر گئی تھی جس سے کچھ اندرونی چوٹیں آئی تھیں اور انہی کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا۔

مس ملک نے مجھے کمرے سے باہر بھیج دیا اور تقریباً بیس منٹ بعد مجھے بلا کر بتایا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں۔

"میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹوں میں بخار اتر جائے گا اور درد بھی کم ہو جائے گا۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں کچھ دوائیں لکھ دیتی ہوں۔ بازار سے لے آئیں اور کم از کم پانچ دن تک یہ دوائیں ضرور استعمال کرائیں۔ ان میں سے ایک کریم بھی ہے۔ دن میں تین چار مرتبہ چوٹوں پر لگاتے رہیے۔ چند روز میں ٹھیک ہو جائیں گی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ میں شام کو کلینک سے واپس آ کر دیکھوں گی۔"

ڈاکٹر مس ملک نے نسخہ میری طرف بڑھا دیا۔ پرچہ لیتے ہوئے میری نظر اس کے چہرے کی طرف اٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں تشویش کی جھلک تھی۔ شاید اسے سیڑھیوں سے گرنے والی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن اس نے کسی قسم کی جرح بھی نہیں کی تھی۔

مس ملک چلی گئی اس کے فوراً ہی بعد میں بھی ایک میڈیکل سٹور سے مطلوبہ ادویات لے آیا۔ ہدایت کے مطابق سب سے پہلے نرگس کو ہلکا پھلکا سا ناشتا کرایا گیا اور اس کے بعد دوائیں استعمال کرائی گئیں۔ نرگس کی چوٹوں پر کریم ریشماں نے لگائی تھی۔

نرگس کا وہ دن خاصی بے چینی میں گزرا۔ کچھ پڑوسنیں بھی اس کی عیادت کے لئے آتی رہیں۔ ہر طرح نرگس کو سیڑھیوں سے گرنے کی کہانی بھی بار بار دہرانی پڑتی تھی۔ شام کو مس ملک نے بھی آ کر اس کو چیک کیا تھا اور تسلی دے کر چلی گئی تھی۔

نرگس کے کہنے پر ریشماں اس روز کسی اور کوٹھی پر کام کرنے نہیں گئی۔ نرگس نے اسے دو سو روپے دے دیئے تھے۔ تاکہ اسے تسلی رہے کہ اس سے اضافی خدمات بلا معاوضہ نہیں لی جا رہی ہیں اور واقعی ریشماں نے خدمت کا حق ادا کر دیا تھا۔

اگلے چند روز کے دوران ریشماں صبح سے شام تک ہمارے پاس رہی اس کی وجہ سے ایک طرف نرگس کو سنبھالنے میں بڑی مدد ملی تھی اور دوسری طرف اسے ہر وقت اپنے سامنے دیکھ کر میرے دل میں بھی کچھ کچھ ہونے لگا تھا۔

ریشماں کی کہانی سن کر میں نے شروع میں اس کے بارے میں جو تاثرات قائم کئے تھے ان میں دراڑیں پڑنے لگیں میں محسوس کرنے لگا تھا کہ میرے قریب آ کر ریشماں پر بھی کچھ گھبراہٹ سی طاری ہو جاتی تھی۔ حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

اور پھر ایک روز میں نے اسے آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بعد دوپہر تین بجے کا وقت تھا اس روز صبح ہی سے آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ موسم بڑا خوشگوار ہو گیا تھا۔

نرگس کمرے میں سو رہی تھی۔ میں پہلے تو برآمدے میں بیٹھا رہا پھر اوپر والے کمرے میں آ گیا۔ میں نے کمرے کی دونوں کھڑکیاں کھول دیں لیکن سامنے پردے تنے رہنے دیئے۔ البتہ ایک پردہ ذرا سا ہٹا دیا تاکہ تازہ ہوا آتی رہے اوپر آنے سے پہلے میں نے ریشماں سے چائے کے لئے کہہ دیا تھا یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ کبھی کبھار میں اور نرگس یہاں بیٹھ کر چائے پیا کرتے تھے۔

میرا خیال تھا چونکہ میں اکیلا ہوں اس لئے ریشماں دروازے کے اندر قدم نہیں رکھے گی۔ لیکن جب وہ چائے لے کر آئی تو کمرے کے اندر تک چلی آئی اور جب چائے کا کپ میز پر رکھ کر واپس جانے لگی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ریشماں نے بہت معمولی سی مزاحمت کی میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کی ہرنی کی سی سیاہ آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیر رہے تھے میں نے اسے اپنی طرف کھینچا تو اس نے ایک بار پھر میرے نام مزاحمت کی اور اس کے منہ سے صرف چند الفاظ نکلے۔ "بیگم صاحبہ آ جائیں گی۔"

مجھے لائن کلیئر مل گئی۔ وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں گر گئی۔ ریشماں جنم جنم کی پیاسی تھی۔ وہ مجھے شربت کا گلاس سمجھ کر پی گئی اور جب وہ جانے لگی تو میں نے پانچ سو روپے کا نوٹ اس کے گریبان میں اڑس دیا۔ اس نے نوٹ گریبان سے نکال کر اسے مٹھی میں مروڑ کر میری طرف پھینک دیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے سے نکلنے سے پہلے اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جسے میں الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا۔ اسے پیسوں کی ضرورت نہیں تھی وہ تو پیاسی تھی اور اپنی جنم جنم کی پیاس بجھانا چاہتی تھی۔

ریشماں اس شام چھٹی کر کے گئی تو پھر لوٹ کر نہیں آئی۔ نرگس کو شبہ تھا کہ میں نے اس کے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ساتھ کوئی حرکت کی تھی جس کی وجہ سے وہ یہاں سے کام چھوڑ کر چلی گئی۔ لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ جن کوٹھیوں میں کام کرتی تھی وہاں بھی نہیں آ رہی تھی۔ ریشماں یہ علاقہ ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

اتنے روز تک میں نے گاڑی استعمال نہیں کی تھی۔ کہیں جانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ کار پر دھول کی تہہ سی جم گئی تھی۔ اس روز نرگس اور میں برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کیوں نہ کار کی صفائی کر ڈالی جائے۔

کار کی صفائی کرتے ہوئے اچانک ہی مجھے ایک اور خیال آ گیا جس طرح میں نے اس رات رضیہ والی گاڑی کا نمبر ذہن نشین کر لیا تھا اسی طرح انہوں نے بھی ہماری گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا ہوگا۔ وہ دونوں تو شیرٹن ہی سے ہمارے پیچھے لگ گئے تھے اور ظاہری بات تھی کہ پیچھا کرتے ہوئے انہوں نے میری کار کا نمبر ضرور نوٹ کیا ہوگا جس طرح میں ان کی گاڑی کے نمبر کے ذریعے ان کی تلاش کا منصوبہ بنا رہا تھا اسی طرح یہ بات ان کے ذہن میں بھی آئی ہوگی۔

یہ خیال آتے ہی میرے دماغ میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس رات وہ دونوں ہم سے بری طرح پٹے تھے جس طرح نرگس اب تک چوٹیں سہلا رہی تھی ممکن ہے اسی طرح وہ بھی ابھی تک اسی مار کے اثرات سے نہ سنبھلے ہوں اور جیسے ہی سنبھلیں گے انہیں میری کار کی تلاش کا خیال بھی آئے گا اگر انہوں نے تلاش شروع کر دی تو بڑی آسانی سے ہمارے ٹھکانے تک پہنچ جائیں گے۔

لیکن کافی سوچ بچار کے بعد میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ میرے خیال میں ہمارے اس ٹھکانے تک پہنچنا ان کے لئے اتنا آسان نہیں ہوگا میں نے جس شخص سے یہ سیکنڈ ہینڈ کار خریدی تھی اس نے بھی یہ کار کسی شوروم سے نہیں بلکہ ایک اور ایسے آدمی سے خریدی تھی جو کار اور اپنا مکان بھی بیچنے کے بعد کوئٹہ چلا گیا تھا۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا تھا کہ اگر رضیہ وغیرہ نمبر پلیٹ کے ذریعے مارگلہ کے پہلے اور اصل خریدار کا نام معلوم کر بھی لیں تو ان کی تلاش کا سلسلہ وہیں ختم ہو جائے گا اور اس طرح میں مطمئن ہو گیا کہ وہ اس کار کے ذریعے مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ تاہم احتیاط ضروری تھی اور یہ احتیاط اس طرح کی جا سکتی تھی کہ اس کار کو اب باہر نہ نکالا جائے یا کم سے کم استعمال کیا جائے۔

کار صاف کرنے کے بعد میں نے ڈرائیونگ سیٹ اٹھا کر اس کے نیچے سے وہ پستول نکال لیا جو اس رات جمی سے چھینا تھا جب ہم لاہور سے چلے تھے تو میرے پاس کچھ نہیں تھا سوچا تھا کہ کراچی سے کوئی پستول یا ریوالور خریدوں گا۔ لیکن مجھے موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ایسی چیزوں کی خرید و فروخت کے لئے زیر زمین دنیا کے لوگوں سے رابطوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہاں ابھی تک میرا کسی سے رابطہ نہیں ہوا تھا۔ مگر اتفاق سے یہ پستول ہاتھ لگ گیا تھا۔

میں پستول لے کر برآمدے میں آ گیا اور پستول کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے نرگس سے باتیں کرنے لگا۔

''یہ پستول تمہارے پاس کہاں سے آیا؟'' نرگس نے پوچھا۔

''اس رات جمی سے چھینا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اسے میں نے کار کی سیٹ کے نیچے چھپا دیا تھا۔ بہت اچھی چیز ہے۔ مجھے اس کی ضرورت بھی تھی۔''

نرگس کوئی جواب دینا چاہتی تھی لیکن اسی وقت کال بیل بج اٹھی۔ میں نے گیٹ کی طرف دیکھا گیٹ کی جھری سے کسی عورت کا لباس دکھائی دیا تھا۔ میں اٹھ کر گیٹ کی طرف چل پڑا۔

وہ دبلی پتلی مریل سی عورت تھی۔ عمر اگرچہ چالیس سے زیادہ نہیں تھی لیکن حالات نے اسے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔ اس کے نحیف سے بدن اور چہرے کو دیکھ کر با آسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ فاقہ کشی میں گزرا ہے اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ اس کے جسم پر بہت ڈھیلا ڈھالا تھا۔ ظاہر ہے اترن تو ایسی ہی ہوتی ہے یا جسم اس میں پھنس کر رہ جاتا ہے یا اس طرح ڈھیلا ڈھالا جیسے تھیلا چڑھا رکھا ہو۔

وہ ماسی تھی جو کام کی تلاش میں آئی تھی۔

ریشماں کے جانے کے بعد گھر کے سارے کام مجھے اور نرگس ہی کو کرنے پڑ رہے تھے۔ اس عورت نے کھلے ہوئے گیٹ سے برآمدے میں بیٹھی ہوئی نرگس کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے بھی اسے اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا۔

نرگس نے اس کا مختصر سا انٹرویو کیا اور فوراً ہی اسے دن بھر کے کام پر رکھ لیا اور اٹھ کر کام سمجھانے لگی۔ سب سے پہلے اس سے چائے بنوائی اور پھر صفائی پر لگا دیا۔ چائے واقعی اس نے خوش ذائقہ بنائی تھی اس سے اندازہ تھا کہ وہ کھانا بھی اچھا بناتی ہوگی۔

''کیسی لگی تمہیں یہ.....''

''اچھی ہے، بہت اچھی۔'' میں نے نرگس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی جواب دے دیا۔

نرگس نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''کیا ہوا؟'' میں نے اسے گھورا۔ ''میں نے کچھ غلط کہہ دیا کیا؟ اتنی اچھی چائے کئی روز بعد پینے کو ملی ہے۔''

''میں چائے کی نہیں، اس نئی ماسی کی بات کر رہی ہوں۔'' نرگس نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''دھت تیرے کی۔'' میں نے کہا۔ ''ماسی کا زیادہ تعلق تو تم سے ہی رہے گا۔ اس لئے یہ فیصلہ بھی تمہیں ہی کرنا ہے کہ وہ کیسی ہے۔''

''تمہیں پسند نہیں آئی۔'' نرگس نے کہا۔ ''ریشماں اچھی تھی، اس سے تمہاری کچھ بے تکلفی بھی ہو گئی تھی اور میرا خیال ہے تم اس بڑھیا سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

''عورت ذات۔'' میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ''اپنے پسندیدہ مرد کے ساتھ کسی دوسری عورت کا وجود تو کیا اس کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ ریشماں سے اگر میری بے تکلفی تھی تو صرف کام کی حد تک اس سے آگے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

''بکواس مت کرو۔'' نرگس نے مجھے گھورا۔ ''کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو اس روز میں نے جب تم سے یہ پوچھا تھا کہ تم نے ریشماں کے ساتھ کوئی شرارت تو نہیں کی تھی تو غلط نہیں پوچھا تھا۔''

''کیا کہنا چاہتی ہو؟'' اس مرتبہ میں نے اسے گھورا۔

''اگلے روز جب ریشماں کام پر نہیں آئی تھی تو مجھے تم پر شبہ ہوا تھا۔ اس لئے میں نے تم سے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

جرح کی تھی۔ مگر تم مسلسل انکار کرتے رہے۔" نرگس کہہ رہی تھی۔ "دو دن بعد جب تم سودا وغیرہ لینے مارکیٹ گئے ہوئے تھے تو میں اوپر والے کمرے میں گئی تھی۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔" اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ "وہاں میز پر چائے کا کپ اور فرش پر پانچ سو روپے کا مڑا تڑا نوٹ پڑا ہوا تھا۔"

"اوہ۔" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "بس اب اس قصے کو یہیں ختم کردو۔"

"یہ قصہ تو ختم ہوگیا۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آگے کوئی ایسا قصہ شروع نہ ہو جائے اس لئے میں نے اس بڑھیا کو فوراً ہی ملازم رکھ لیا ہے۔"

"اب کوئی اور بات کرو۔" میں نے اس بات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ "مثلاً یہ کہ تمہاری طبیعت اب کیسی ہے وغیرہ وغیرہ۔"

نرگس نے ایک بار پھر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ممکن ہے ہماری باتوں کا یہ سلسلہ مزید جاری رہتا کہ ایک پڑوسن کے آجانے سے یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ میں برآمدے میں ہی بیٹھا رہا اور نرگس پڑوسن کو لے کر اندر چلی گئی۔

تین چار روز اور گزر گئے۔ نرگس اب ٹھیک ہوگئی تھی لیکن وہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ جب کہ میرے لئے اب گھر میں بیٹھے رہنا ممکن نہیں رہا تھا۔

چند روز پہلے میں عمرکوٹ کی طرف جانے کا منصوبہ بنا رہا تھا لیکن بیچ میں رضیہ اور جمی ٹپک پڑے اور میں ان لوگوں کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔

میں ہمیشہ اکیلا کام کرنے کا عادی تھا۔ بہت اشد ضرورت کے وقت کسی کو ساتھ ملایا کرتا تھا اور اب پھر ایسا موقع آ گیا تھا کہ مجھے کسی ساتھی کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ کراچی میں رضیہ کے ساتھیوں سے نمٹنے کے لئے مجھے کم از کم دو آدمیوں کی ضرورت تھی اور قابل بھروسا آدمیوں کو تلاش کرنے کے لئے زیرزمین دنیا میں جھانکنے کی ضرورت تھی ایسے آدمی وہیں مل سکتے تھے۔

اب تک میں شہر سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا اور مجھے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ منشیات کے دھندے کن علاقوں میں ہوتے ہیں۔ یوں تو گلشن اقبال، گلفشن اور ڈیفنس کے علاقے منشیات کے آسمگلروں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے لیکن ان علاقوں میں بڑے مگرمچھ رہتے تھے اور ان تک براہ راست پہنچنا آسان نہیں تھا ویسے دوسروں سے پنگے بازی کی مجھے ضرورت نہیں تھی۔ فی الحال تو میں رضیہ والے سینڈیکٹ سے نمٹنا چاہتا تھا اور اس کے لئے مجھے کم از کم دو آدمیوں کی ضرورت تھی۔

لیاری اور بغدادی ایسے علاقے تھے جہاں منشیات فروشی کا یہ گھناؤنا دھندہ عروج پر تھا ہیروئن کی سب سے زیادہ کھپت انہی علاقوں میں تھی یہاں منشیات فروشوں کے لاتعداد اڈے تھے اور یہ بزنس بڑی آزادی سے ہو رہا تھا۔ پولیس کو بھی سب سے زیادہ کمائی انہی علاقوں سے ہوتی تھی۔

اس روز رات آٹھ بجے کے قریب میں اپنی اس نئی مہم پر نکل کھڑا ہوا۔ ایسے سارے دھندے شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی ہوتے تھے اور مجھے امید تھی کہ آج رات مجھے آگے بڑھنے کا راستہ مل جائے گا۔

کروڑ پتی ہوٹل والے چوراہے پر بڑی رونق تھی۔ میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور ادھر ادھر ٹہلتا رہا میری نظروں کو کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جس سے میں کچھ معلوم کرسکوں۔ میں ہر شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ بعض لوگ مجھے بھی مشتبہ نظروں سے گھور رہے تھے۔ میرا حلیہ ایسا تھا کہ مجھ پر آسانی سے پولیس مین یا کسی ایجنسی کا کوئی آدمی ہونے کا شبہ کیا جاسکتا تھا اور شاید اسی لئے بعض لوگ مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

اور آخرکار ایک آدمی میری نظروں میں آ گیا وہ دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ قد ساڑھے پانچ فٹ کے قریب رہا ہوگا دو تین دن کا بڑھا ہوا شیو، سر کے بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے جیسے کئی مہینوں سے حجامت نہ بنوائی گئی ہو۔ میلی سی جینز جو اس کے بھگے جیسی پتلی پتلی ٹانگوں سے چپکی ہوئی تھی، نیلے گہرے رنگ کی شرٹ تھی اس کے بائیں کان میں چاندی کی بالی اور پیروں میں اسفنج کی ہوائی چپل تھی۔ پیر گرد میں اٹے ہوئے تھے اس کی رنگت توے کی طرح سیاہ تھی۔

اس شخص نے ایک تین انچ چوڑے اسٹریپ کی مدد سے گلے میں ایک کباٹ لٹکا رکھا تھا جس میں پان بنانے کا سامان اور سگریٹوں کے پیکٹ رکھے ہوئے تھے وہ اس طرح گھوم پھر کر پان اور سگریٹ بیچتا تھا اور مجھے شبہ تھا کہ پان سگریٹ کی آڑ میں وہ پڑیاں بھی فروخت کررہا تھا۔

میں چند گز کا فاصلہ دے کر اس کے پیچھے چلتا رہا اور تھوڑی دیر بعد ہی میرے شبے کی تصدیق ہوگئی۔

وہ ایک جگہ رک گیا تھا۔ ایک موالی بھی اس کے قریب آ کر رکا تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ اب گرا کہ تب گرا۔ میلے چکٹ کپڑے، قمیص کا گریبان نیچے تک پھٹا ہوا تھا ایک آستین بھی غائب تھی۔ سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے کئی روز سے شیو بھی نہیں بنا تھا۔ پیروں، ہاتھوں اور چہرے پر میل کے چکٹے جمے ہوئے تھے اس نے مہینوں سے ہاتھ منہ نہیں دھویا ہوگا۔ ہیروئن کے عادی ویسے بھی پانی کے قریب جاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

اس شخص نے مٹھی میں دبے ہوئے کچھ نوٹ کباٹ والے کی مٹھی میں دبا دیئے کباٹ والے نے نوٹ جینز کی جیب میں ڈال کر محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر کباٹ میں سگریٹ کے پیکٹوں کے نیچے بچھے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے کا ایک کونا اٹھا کر کوئی چیز نکالی اور پھر ایک پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر اس ہیروئچی کی طرف بڑھا دیا۔ اس سگریٹ کے ساتھ ایک پڑیا بھی ہیروئچی کے ہاتھ میں منتقل ہوچکی تھی۔

میں نے کباٹ والے کا تعاقب جاری رکھا اور پھر شاید اس نے مجھے اپنا پیچھا کرتے ہوئے دیکھ لیا اور مجھ پر شبہ ہوگیا اب وہ مجھ سے پیچھا چھڑانے کے چکر میں تھا وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک تنگ اور قدرے تاریک گلی میں گھس کر بھاگ کھڑا ہوا میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی اور چند گز دور جا کر ہی اسے گردن سے دبوچ لیا لیکن میری گرفت زیادہ سخت نہیں تھی۔

"مم..... معاف کردو صاب آیندہ یہ دھندہ نہیں کروں گا۔" وہ گھگیایا اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں صاب میں تو....."

"ڈرو نہیں....." میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ "میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"م.....میں سمجھا نہیں صاحب.....؟" وہ پھر ہکلایا۔

"میرا تعلق نہ پولیس سے ہے نہ کسی ایجنسی سے۔" میں نے کہا۔ "میں تم سے کسی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ امید ہے ٹھیک ٹھیک بتاؤ گے۔"

"کس کے بارے میں صاب؟" اس نے پوچھا۔ وہ اب بھی خوفزدہ تھا۔

"رنگا کہاں ملے گا؟" میں نے کہتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔ یہ نام میں نے کئی روز پہلے سنا تھا۔

اس شخص کا چہرہ ایک بار پھر دھواں ہوگیا۔

"وہ.....وہ مجھے.....زندہ نہیں چھوڑے گا صاب۔" وہ بدستور ہکلا رہا تھا۔ "آپ یقیناً سی آئی اے....."

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں نہ تو پولیس کا آدمی ہوں نہ کسی اور ایجنسی کا۔ میں بھی ایک بیوپاری ہوں اور کاروباری سلسلہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اس کے اڈے تک لے چلو۔ کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ مجھے وہاں تک پہنچانے والا کون ہے۔"

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اندھیری اور تاریک گلیوں میں، میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا اور آخر کار وہ ایک بوسیدہ سی عمارت کے سامنے رک گیا۔

"یہ بلڈنگ رنگا کی ہے وہ اس وقت یہیں ملے گا۔" اس شخص نے عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

میں نے جیب سے ایک سو کا نوٹ نکال کر اس کی مٹھی میں دبا دیا۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔" میں نے کہا۔

وہ شخص تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندھیرے میں غائب ہوگیا۔

میں بوسیدہ سی عمارت کی طرف بڑھنے لگا

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com

دائیں بائیں قدرے ماڈرن عمارتوں میں پھنسی ہوئی دو منزلہ وہ عمارت کم از کم سو سال پرانی ضرور رہی ہوگی۔ اندر داخل ہونے کا محرابی راستہ اتنا کشادہ تھا کہ ہاتھی گزر سکتا تھا۔ کسی زمانے میں یہاں گیٹ بھی ضرور رہا ہوگا لیکن اب اس کا نام و نشان تک نہیں رہا تھا۔

گیٹ کے اندر غالباً بہت کشادہ کمپاؤنڈ تھا۔ دائیں طرف کہیں سے بلب کی زرد مدھم سی روشنی اس کمپاؤنڈ تک پہنچ رہی تھی لیکن میں چونکہ گیٹ کے باہر ہی تھا اس لیے اندر کی صورت حال کا اندازہ لگانا خاصا دشوار تھا۔

میں نے ایک بار پھر دائیں بائیں گلی میں دیکھا اور گیٹ میں داخل ہوگیا۔ یہ تقریباً بیس فٹ طویل ڈیوڑھی سی تھی۔ ایک کمرہ دائیں طرف اور ایک بائیں طرف تھا۔ دونوں کے دروازے غائب تھے اور اندر تاریکی تھی۔ میں ڈیوڑھی سے نکل کر کمپاؤنڈ میں پہنچ گیا اور پھر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

انڈیا میں میں نے ایسی بہت سی عمارتیں دیکھی تھیں۔ وسط میں کمپاؤنڈ اور اطراف میں کھولی نما کمرے۔ ایسی عمارتوں میں درجنوں خاندان رہتے تھے۔

کمپاؤنڈ کے وسط میں دائرے میں ٹوٹی پھوٹی تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچی دیوار تھی۔ دیوار کا یہ دائرہ کبھی پانی کا حوض رہا ہوگا اور اس کے بیچ میں فوارہ بھی ہوگا لیکن اب صرف نشان باقی رہ گیا تھا۔ کمپاؤنڈ کے چاروں طرف کمرے تھے۔ ان میں بیشتر کے دروازے غائب تھے۔ اگر کسی کمرے کا دروازہ تھا بھی تو وہ بند تھا۔

وہ مدھم سی روشنی بائیں طرف سے آ رہی تھی۔ اس طرف آخر میں دیوار پر لٹکے ہوئے ہولڈر میں سوواٹ کا بلب جل رہا تھا۔

ڈیوڑھی کے بائیں طرف لکڑی کے تختوں کی سیڑھیاں تھیں اوپر بھی چاروں طرف کمرے تھے لیکن ان کے سامنے سات آٹھ فٹ چوڑی بالکونی تھی جس کے آگے حفاظتی ریلنگ بھی لگی ہوئی تھی۔ سیڑھیوں کے اختتام پر اوپر ایک جگہ سرخ رنگ کا زیرو بلب جل رہا تھا اور اسی طرف والی بالکونی کے سرے پر کسی کمرے میں بھی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اوپر والے حصے پر شیشے لگے ہوئے تھے اور یہ روشنی انہی شیشوں سے جھلک رہی تھی۔

میں اوپر دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ رنگا اسی کمرے میں ہوگا لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہو

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رہی تھی کہ اتنی بڑی بلڈنگ میں ابھی تک کسی سے ٹاکرا نہیں ہوا تھا۔ میں نے رنگا کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اس علاقے کا بہت بڑا دادا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس علاقے میں اپنا کاروبار نہیں جما سکتا۔ حتیٰ کہ منشیات فروش جیسے خطرناک لوگ بھی اسے ہفتہ دیتے تھے اور اب میں سوچ رہا تھا کہ میں کہیں غلط جگہ پر تو نہیں آ گیا۔ رنگا بدمعاش ضرور ہوگا لیکن اتنا بڑا نہیں جتنا اس کے بارے میں سنا تھا۔ بڑے بدمعاشی تو اپنے گرد بہت بڑا گروہ رکھتے ہیں۔ ان کی طاقت دراصل انہی گرگوں میں ہوتی ہے جو انہیں گھیرے رہتے ہیں لیکن یہاں مجھے ابھی تک بلی کا بچہ بھی دکھائی نہیں دیا۔

ہوسکتا ہے رنگا کی داداگیری کے بارے میں کچھ زیادہ ہی مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہو لیکن بہرحال میں یہاں تک آ ہی گیا تھا تو میرے خیال میں اس سے مل لینے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے یہ میرے کام کا آدمی ثابت ہو یا اس کے توسط سے کسی اور آدمی سے رابطہ ہو جائے۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اپنے عقب میں ایک بھیڑیے جیسی غراہٹ سن کر اچھل پڑا۔ اس کے ساتھ ہی میری گردن پر کوئی سخت چیز چبھنے لگی تھی۔

''تم جو کوئی بھی ہو ہاتھ اوپر اٹھالو۔'' بھیڑیے کی طرح غراتی ہوئی وہ آواز کہہ رہی تھی۔ ''اور یہ بھی سوچ لو کہ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو میرے پستول کی گولی تمہاری گردن توڑ دے گی۔''

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میں اس عمارت کے نچلے حصے کو بالکل ویران سمجھا تھا لیکن اپنے عقب میں اس غراہٹ اور گردن پر چبھتی ہوئی پستول کی ٹھنڈی نالی نے میرا خیال غلط ثابت کر دیا تھا اور میں بھی اس قدر غافل ثابت ہوا تھا کہ اس شخص کے آنے کی آہٹ تک محسوس نہیں کر سکا تھا۔ وہ شخص نہ جانے تاریکی میں کس طرف سے نکل کر میرے سر پر پہنچ گیا تھا۔

''سنا نہیں تم نے؟'' عقب میں وہ غراہٹ دوبارہ سنائی دی اور پھر اس کے ساتھ ہی گردن پر پستول کی نال کا دباؤ بھی بڑھ گیا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا دیئے۔ اس شخص نے پستول میری گردن سے لگائے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے میرا لباس تھپتھپانے لگا۔ میری پتلون کی ہپ پاکٹ میں پستول موجود تھا جو اس نے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

''کون ہو تم؟'' غراہٹ دوبارہ سنائی دی۔ ''اور یہاں آنے کا مقصد؟''

میں ظاہر ہے کسی غلط ارادے سے یہاں نہیں آیا تھا نہ ہی دنگا فساد کرنے کی میری کوئی نیت تھی لیکن میں نے اس شخص کو دو ہاتھ دکھانے کا فیصلہ کر لیا جس نے تاریکی سے نکل کر مجھے پستول کی زد پر لے لیا تھا۔

پستول کی سرد نال اب بھی میری گردن کو چھو رہی تھی۔ میں نے لمبا سانس لیا اور گردن کو ایک طرف جھکاتا ہوا بڑی تیزی سے نیچے جھک گیا۔ وہ ایک لمحہ کو بدحواس سا ہو گیا۔ اس کا پستول والا ہاتھ بھی ہوا میں معلق ہو گیا تھا۔

میں نے برق رفتاری سے گھوم کر ایک ہاتھ اس کے پستول پر ڈالا اور دوسرا ہاتھ اس کی گردن

پر ڈال کر تیزی سے نیچے جھکتا چلا گیا۔ وہ میرے اوپر سے ہوتا ہوا دھپ سے پشت کے بل میرے سامنے گرا۔ پختہ فرش پر اس طرح گرنے سے اسے یقیناً چوٹ لگی تھی اور اس کے منہ سے کراہ خارج ہو گئی تھی۔ اس کا پستول میرے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ اس شخص نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں اس پر پستول تانتے غرایا۔

''اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا' کھوپڑی اڑا دوں گا۔''

وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔ وہ پشت کے بل پڑا تھا اور اس کے دونوں بازو اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔

''میں نے تو سنا تھا کہ رنگا نے اپنے گرد بہت مضبوط حصار بنا رکھا ہے مگر تم تو بہت بونگے نکلے۔'' میں نے کہا۔

''تم جو کوئی بھی ہو اپنے پیروں پر اس پھاٹک سے باہر نہیں جا سکو گے۔'' وہ شخص بولا۔ ''اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو گولیوں سے بھون دیئے جاؤ گے۔''

''تمہارے کھوکھلے لہجے میں دھمکی کا تاثر بھی نہیں ہے کہ مجھ جیسا آدمی خوف زدہ ہو سکے۔'' میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ''لیکن میں یہاں کسی بری نیت سے نہیں آیا۔ اگر میرا ارادہ کچھ اور ہوتا تو تمہارے زندہ فرش پر گرنے کے بجائے تمہاری لاش گرتی۔ اب اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ' مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ تم کوئی شرارت نہیں کرو گے۔''

وہ شخص اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو میں نے پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ لو..... اور اسے استعمال کرنا بھی سیکھو۔'' میں نے کہا۔

''اس قسم کے کھلونوں کو صحیح طریقے سے پکڑا بھی نہ جائے تو یہ اپنے ہی لیے خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔''

وہ میرے سامنے تھا۔ اس کے چہرے پر مدھم سی روشنی پڑ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں شدید الجھن کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''یہ اپنا پستول لے لو اور میرا پستول مجھے واپس کر دو۔''

اس شخص نے میرے ہاتھ سے پستول لے لیا لیکن میرا پستول واپس نہیں کیا۔

''میرا پستول واپس کر دو۔'' میں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''مل جائے گا۔'' وہ بولا۔ ''لیکن پہلے یہ بتاؤ تم کون ہو اور یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟'' وہ بات کرتے کرتے رکا پھر بولا۔

''ہم پولیس اور سی آئی اے کے سارے ہی لوگوں کو جانتے ہیں مگر تم شاید نئے آئے ہو۔''

''نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا تعلق نہ پولیس سے ہے اور نہ سی آئی اے سے۔ میں تو رنگا سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم۔'' وہ شخص بولا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا پستول میری طرف اٹھ گیا۔ ''اس علاقے میں آنے والا ہر آفیسر' خواہ اس کا تعلق پولیس سے ہو یا کسی ایجنسی سے' یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر رنگا دادا کو سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے گا یا وہ یہ علاقہ چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ ایسے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دعوے کرنے والے آفیسر رنگا دادا تک پہنچنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں اور تم.....“

”تم غلط سوچ رہے ہو۔“ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میں نے کہا نا کہ میرا پولیس یا کسی ایجنسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ایک کاروباری سلسلے میں رنگا سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس میں فائدہ رنگا کا ہی ہے اگر اس سے میری ملاقات نہ ہوئی تو رنگا کو بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑے گا اور اس کی تمام تر ذمے داری تم پر ہوگی اور جب رنگا کو پتا چلے گا تو سوچ لو تمہارا کیا حشر ہوگا۔“

میرا یہ حربہ کام کر گیا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے الٹے ہاتھ کو دو انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹی بجائی۔ اس کے صرف ایک منٹ بعد گلی سے ایک آدمی پھاٹک میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔

رنگا کے بارے میں میرے خیالات ایک بار پھر بدلنے لگے تھے۔ اس عمارت کو ویران پا کر میں یہی سمجھا تھا کہ رنگا کوئی چھوٹا موٹا بدمعاش ہے جس نے اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے تاکہ علاقے کے لوگ اس کے دباؤ میں رہیں اور اسے ہفتہ ملتا رہے لیکن اب میرے خیالات تبدیل ہو رہے تھے۔ عمارت میں داخل ہونے کے کچھ دیر بعد ایک شخص نے مجھے پستول کی زد پر لے لیا تھا اور اب یہ دوسرا شخص جو سگنل پا کر اندر آ گیا تھا' مجھے یقین تھا کہ یہ شخص شروع ہی سے باہر گلی میں کسی جگہ موجود رہا ہوگا اور اس نے مجھے اندر آتے ہوئے بھی ضرور دیکھا ہوگا مگر مداخلت نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ رنگا نے اپنی حفاظت کا معقول بندوبست کر رکھا تھا۔

”کیا بات ہے شکرے' کون ہے یہ؟“ نووارد نے اپنے ساتھی کو اس کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ بھی میری طرف تھا۔

”یہ رنگا دادا سے ملنا چاہتا ہے۔ کہتا ہے فائدے کی بات ہے۔“ شکرے نے جواب دیا۔

”کیوں رے۔“ نووارد اب مجھ سے مخاطب تھا۔ ”دادا سے کیوں ملنے کا ہے' کیا کام ہے' ہم کو بولو کیں۔“

”مجھے جو کچھ بولنا ہے رنگا سے ہی بولوں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”تم لوگ معاملے کو بلاوجہ بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔ اگر رنگا سے ملنا ایسا ہی مشکل ہے تو ٹھیک ہے میں واپس چلا جاتا ہوں اس سے ملاقات کے لیے کسی اور موقع پر کوئی اور طریقہ اختیار کروں گا۔“

”ایسا کیسا واپس چلا جائے گا رے۔“ اس شخص نے کہا۔ ”کھڑا کھڑا بتاؤ تم کون ہے' جھوٹ بولے گا تو اپنا ناریل گھوم جائے گا اور جب ٹیڈی کا ناریل گھومتا ہے نا تو سمندر سے زیادہ خوفناک طوفان آتا ہے۔ علاقہ بند ہو جاتا ہے لوگ پھلیوں (فلیٹوں) کا کھڑکی سے جھانکنے کا ہمت بھی نہیں کرتے۔“

میں نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہاں اگرچہ روشنی بہت کم تھی مگر اس وقت تک میری آنکھیں اس ماحول سے مانوس ہو چکی تھیں اور میں بخوبی اس کا جائزہ لے سکتا تھا۔

اس نے اپنا نام ٹیڈی بتایا تھا اور میرے خیال میں اس کے لیے یہی نام مناسب تھا۔ پستہ قامت' کسرتی بدن' سیاہ رنگت اور گھنگھریالے بہت چھوٹے بال۔ وہ کوئی سیاہ فام ہی لگتا تھا۔ اس نے ڈارک کلر کی تنگ پائنچوں کی پتلون اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کا گہرے رنگ کا یہ لباس بھی تاریکی

کا ایک حصہ بن گیا تھا۔

”دیکھو۔“ میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ ”میں بزنس کے سلسلے میں رنگا سے ملنے آیا ہوں لیکن تم دونوں نے بلاوجہ ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ میرا پستول تو پہلے ہی تمہارے پاس ہے۔ مزید اطمینان کے لیے تم میری تلاشی لے سکتے ہو اور ویسے اگر میری نیت بری ہوتی تو میں تمہیں بے بس کر چکا تھا۔ میرا راستہ کوئی نہیں روک سکتا تھا۔“ آخری الفاظ میں نے شکرے کی طرف دیکھ کر کہے۔ ”اور اب بھی اگر میں چاہوں تو تم دونوں بھی میرا راستہ نہیں روک سکو گے۔“

”اڑے! تڑی مت دیوڑے۔“ ٹیڈی غرایا۔

”میں تڑی نہیں دے رہا۔“ میرا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔ ”ویسے تم بہت گرم جوش ہو۔ رنگا کو تم جیسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے لیکن گرم جوشی ہر جگہ کام نہیں دیتی۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو کہیں تم رنگا کا کام تو نہیں بگاڑ رہے ہو۔ مجھے روک کر۔“

ٹیڈی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن شکرے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے زبان کھولنے سے باز رکھا۔ وہ ٹیڈی کے مقابلے میں معقول آدمی تھا اور میرے اب تک کے رویے نے بھی اسے بڑی حد تک متاثر کیا تھا۔ اس نے بلوچی زبان میں ٹیڈی سے کچھ کہا۔ ٹیڈی نے بھی اسی زبان میں جواب دیا اور پھر وہ تقریباً دو منٹ تک بلوچی زبان میں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ میرے پلے ایک لفظ بھی نہیں پڑا تھا۔ البتہ دو مرتبہ رنگا کا نام سمجھ میں آیا تھا۔

”چلو ڑے۔“ ٹیڈی آخرکار میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”لیکن ہم تیرے کو پہلے بول دیتا ہوں' اگر کوئی گڑبڑ کیا تو ادھر ہی تیرہ مقبرہ بنا دوں گا۔“ اور پھر آگے بڑھنے سے پہلے مزید اطمینان کے لیے میری تلاشی لے لینا ضروری سمجھا تھا۔ اس نے میری جیب سے نوٹوں کا بنڈل بھی نکال لیا تھا۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے لکڑی کے تختے قدموں کے نیچے چرچرا رہے تھے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کوئی تختہ ٹوٹ نہ جائے۔ ایسی صورت میں ہڈیوں کی سلامتی کی ضمانت بھی نہیں دی جا سکتی تھی لیکن وہ تختے خاصے مضبوط تھے۔ انہوں نے صرف چرچرانے کی حد تک ہی احتجاج کیا تھا۔

اوپر پہنچ کر وہ بالکونی میں سیدھے چلتے رہے۔ ٹیڈی نے اب بھی مجھے پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔

ہم گیلری کے آخر میں اس دروازے کے سامنے رک گئے جس کے اوپر والے حصے سے روشنی جھلک رہی تھی۔ وہاں سے گیلری دائیں طرف مڑ گئی تھی۔ اس طرح عمارت کی اوپر والی منزل کے تمام کمرے اس گیلری کے توسط سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔

شکرے نے آگے بڑھ کر دروازہ پر ہلکی سی دستک دی اور جواب کا انتظار کیے بغیر ہلکے سے دھکے سے دروازہ کھول دیا۔

کمرے میں تین آدمی تھے جو شکرے اور ٹیڈی کے ساتھ مجھے دیکھ کر چونک سے گئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستولوں نے بھی انہیں چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان میں دو ٹیڈی کی طرح سیاہ فام تھے البتہ تیسرا گندمی رنگت کا مالک تھا اور اس کے بال بھی گھنگھریالے نہیں تھے۔ اس شخص نے ٹیڈی کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

طرف دیکھتے ہوئے بلوچی زبان میں کچھ پوچھا' جس کا جواب بھی ٹیڈی نے بلوچی زبان ہی میں دیا تھا۔

وہ شخص اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس طرح سوال کرنے لگا جیسے میں نے یہاں آ کر کوئی بہت بہت جرم کیا ہو۔ مجھے اندازہ ہوا کہ رنگا سے ملنے کی کوشش کرنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی عام آدمی صوبے کے حاکم اعلیٰ سے ملنے کے لیے کوشاں ہو۔

''تم رنگا دادا سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟'' اس نے ایک بار پھر وہی سوال دہرایا۔

یہ سوال مجھ سے اتنی بار کیا جا چکا تھا کہ میرے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔

''یہ میں رنگا ہی کو بتاؤں گا۔'' اس مرتبہ میں نے جھنجلا کر جواب دیا۔

وہ شخص چند لمحے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے ٹیڈی وغیرہ کو آنکھوں سے کوئی اشارہ کیا اور ایک اندرونی دروازہ کھول کر دوسری طرف غائب ہو گیا۔

شکرے نے کمرے کا بیرونی دروازہ بند کر دیا تھا جس سے گزر کر ہم اندر آئے تھے۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا جس کے اطراف میں گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں ٹرے میں چائے کے خالی برتن رکھے ہوئے تھے۔ تام چینی کی نیلی چینک اور چھوٹی پیالیوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ چائے کسی ہوٹل سے منگوائی گئی تھی۔ اس کے قریب ہی اسٹینڈ پر واٹر کولر رکھا ہوا تھا جس کے اوپر شیشے کا ایک گلاس بھی اوندھا پڑا ہوا تھا۔

ایک دیوار پر قریب قریب راکیل ویلچ اور برجی باردت کی رنگین تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں کسی انگریزی رسالے سے کاٹ کر دیوار پر چپکا دی گئی تھیں۔ کمرے کے دوسرے کونے میں گاؤ تکیے کے قریب قالین پر ایک ٹیلی فون سیٹ بھی پڑا ہوا تھا اس کمرے کی گلی کی طرف والی کھڑکی اگرچہ کھلی ہوئی تھی لیکن کمرے کی فضا میں بیڑی کی بو رچی ہوئی تھی۔

میں ابھی کمرے کا جائزہ لے رہا تھا کہ باہر قدموں کی آواز اور پھر کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دو تین آدمیوں کے قدموں کی آواز بھی اور لگتا تھا جیسے وہ کسی کو مارتے پیٹتے ہوئے لا رہے ہوں اور پھر کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا۔ ایک آدمی کو زوردار دھکا دے کے اندر گرا دیا گیا۔ وہ منہ کے بل قالین پر گرا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے پیچھے بھی دو آدمی اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی شیدی ہی تھے اور شکلوں سے بدمعاش لگتے تھے۔

قالین پر گرنے والا شخص جب سیدھا ہوا تو میں اس کی صورت دیکھ کر اچھل پڑا۔

یہ گلے میں لٹکے ہوئے کباڑے میں سگریٹ' پان اور ہیروئن کی پڑیاں بیچنے والا وہی شخص تھا جو مجھے اس عمارت کے سامنے چھوڑ کر گیا تھا۔ مجھے اس عمارت میں داخل ہوئے زیادہ سے زیادہ بیس منٹ ہوئے تھے کہ اس شخص کو بھی پکڑ کر یہاں لے آیا گیا۔ اس سے رنگا کی سکیورٹی کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اس شخص کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہاں تک لاتے ہوئے اس کی کچھ خاطر تواضع بھی کی گئی تھی۔ ناک سے ہلکا سا خون بہہ رہا تھا۔

''اس کو ادھر کیوں لایا ڑے نصرو۔'' ٹیڈی نے کباڑ والے کو دھکا دینے والی کی طرف دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

''یہی حرامی تو اس بندے کو یہاں تک لایا تھا۔ ٹیڈی استاد۔'' نصرو نے جواب دیا۔ ''ہم نے اپنا آنکھ سے اس کو دیکھا۔ دوسرا گلی میں جب ہم اس کو روکا تو یہ بھاگ کھڑا ہوا۔''

''تم اس کو ادھر کیوں لایا' گولی وولی مار کر نالی میں پھینک دیتا نیں۔'' ٹیڈی نے قالین پر پڑے ہوئے شخص کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ''اس کا قتل کا تو پولیس بھی تفتیش نہیں کرے گا۔ سالے کا حالت دیکھو جان ہے نہیں اور کام کتنا بڑا کرتا ہے' رنگا دادا کی جاسوسی کرتا ہے۔ کیوں ڑے حرامی۔ کیا دیا تھا اس نے تیرے کو۔'' ٹیڈی نے اسے ایک اور ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ بلبلا اٹھا اور اگلی ٹھوکر سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔

''میرے کو معاف کر دو ٹیڈی استاد۔ اس نے میرے کو مجبور کر دیا تھا۔''

ٹیڈی نے اسے دو تین اور ٹھوکریں رسید کر دیں۔ وہ قالین پر لوٹتا اور چیختا چلاتا رہا۔

''تم رات کو کبھی صدر میں سی آئی اے کے دفتر کے سامنے سے گزرا ہے۔'' ٹیڈی نے اس کے کولہوں پر ایک اور ٹھوکر جماتے ہوئے کہا۔ ''ادھر رات کو ایسا ایسا خوفناک آواز سنائی پڑتا ہے جیسے بھوت پریت اور آسیب رو رہے ہوں۔ چیخ چلا رہے ہوں۔ باہر کا کوئی آدمی اندر جانے کا ہمت نہیں کرتا اور یہ بلڈنگ بھی بھوت خانہ ہے ڑے۔ جتنا چاہو رڑی کرو' کوئی اندر نہیں آئے گا۔''

یہ سب کچھ ایک دو منٹ میں ہو گیا تھا۔ وہ شخص بری طرح چیخ رہا تھا۔ کچھ لمحوں تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور پھر حواس میں آتے ہی میں نے آگے بڑھ کر ٹیڈی کو زوردار دھکا دے کر ایک طرف ہٹا دیا جو اس شخص کو ایک اور ٹھوکر مارنے جا رہا تھا۔ میں نے ٹیڈی کے ہاتھ میں پستول کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ سب مجھ پر پلٹ پڑیں گے۔

ٹیڈی لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے ٹکرایا۔ اس کی سفید چمکتی ہوئی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے پستول والا ہاتھ اٹھایا۔ اسی لمحہ شکرا دوڑ کر سامنے آ گیا۔

''کیا کرتا ہے ٹیڈی استاد۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اگر رنگا دادا نے اس بندے کو عزت بخش دیا تو تمہارے لیے غضب ہو جائے گا نہیں۔''

''ہٹو ڑے۔ ہمارا راستہ سے ہٹو۔'' ٹیڈی اسے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''بدمعاشی کرتا ہوں' بزدل نہیں ہے ہم اس کو ایسا مزہ چکھاؤں گا یاد کرے گا۔''

''ہاں آؤ۔'' میں نے اشتعال دلانے والے انداز میں کہا۔ ''تم ایسے ہی کمزور لوگوں کے ساتھ بدمعاشی کرتے رہے ہو' آؤ آج دیکھو بدمعاشی کیا ہوتی ہے۔''

ٹیڈی تو بدمعاشی دکھانے پر آمادہ تھا لیکن نصرو نے اس وقت بھی بڑی معقولیت کا ثبوت دیا اور معاملے کو سنبھال لیا۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ میں کسی بڑے کام کے سلسلے میں رنگا سے ملنے آیا ہوں اور کسی گڑبڑ کی صورت میں ان کی شامت آ جائے گی۔ یوں تو وہ بھی بدمعاش ہی تھا لیکن وہ اس حد تک سمجھ دار ضرور تھا کہ رنگا سے میری ملاقات تک وہ میرے ساتھ کسی قسم کا سخت رویہ اختیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''اب تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔'' میں نے ٹیڈی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''اس کا کوئی قصور نہیں

www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ اگر میں تمہاری کنپٹی پر پستول کی نال رکھ دیتا تو تم بھی بلاچون و چرا میرے ہر حکم کی تعمیل کرتے۔ یہ تو رنگا کے بارے میں کچھ بتانے کو تیار نہیں تھا لیکن میں نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ یہ مجھے گلی میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یہ بے قصور ہے۔ اب اگر تم نے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی ......" میں نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"جا ڑے!" ٹیڈی اپنے مخصوص انداز میں غرایا۔ "رنگا دادا کا خیال نہ ہوتا تو ہم تمہارا ناریل توڑ دیتا۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ ٹیڈی مجھے پسند آیا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ بلی بھی اپنے گھر پر شیر ہوتی ہے۔ ٹیڈی بھی اپنے اڈے پر شیر کی طرح غرا رہا تھا لیکن میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ شخص بزدل ہرگز نہیں ہے اور کسی بھی جگہ کسی بھی قسم کی سنگین ترین صورتحال سے نمٹنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

کمرے میں موجود دوسرے آدمی اگرچہ لاتعلق سے نظر آ رہے تھے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ پوری طرح چوکس تھے اور ٹیڈی کا اشارہ پا کر کسی بھی لمحہ مجھ پر جھپٹ سکتے تھے۔

"اسے چھوڑ دو ٹیڈی' یہ بے قصور ہے۔" میں نے ٹیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس مرتبہ میرا لہجہ دوستانہ تھا۔

"کیسا چھوڑ دے گا اس حرامی کو۔" ٹیڈی بولا۔ "یہ آج تم کو ادھر لایا ہے کل کسی ایجنسی والے کو لائے گا۔ ہمارا لیے تو مصیبت پیدا ہو جائے گا نئیں اور کیا پتا تم کون ہے؟"

"اسے کافی سزا مل چکی ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے یقین ہے یہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔"

ٹیڈی کچھ کہنا چاہتا تھا مگر نصرو اس سے پہلے ہی بول پڑا۔ وہ بلوچی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ ٹیڈی نے بھی اسی زبان میں جواب دیا اور پھر دوسرے بھی ان کی گفتگو میں شریک ہو گئے۔ ٹیڈی بار بار قالین پر پڑے ہوئے کباب والے کی طرف دیکھ رہا تھا' جو میلے سے کرتے کی آستین سے بار بار ناک سے بہنے والا خون پونچھ رہا تھا اور آخر کار ٹیڈی اسے ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا۔

"چلو ڑے شکل گم کرو ادر سے۔ اگر آئندہ اس علاقے میں نظر آیا نا تو تمہارا ناریل توڑ دے گا۔"

وہ شخص اٹھ کر بدحواسی میں اندر والے دروازے کی طرف دوڑا۔

"ادھر کدھر جاتا ہے ڑے۔" ٹیڈی چیخا۔ "دو ہاتھ پڑنے سے تمہارا متھا گھوم گیا ہے کیا۔"

وہ شخص مڑ کر دوسرے دروازے کی طرف دوڑا جیسے اسے اندیشہ ہو کہ اگر اسے ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو گئی تو ٹیڈی اپنا ارادہ بدل دے گا اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی پہلے بالکونی میں اور پھر سیڑھی کے تختوں پر اس کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔

اب وہ لوگ پھر میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اب تک کی صورت حال سے میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ٹیڈی کمرے میں موجود اپنے ساتھیوں پر حاوی ہے۔ ہو سکتا ہے اسے گروہ میں کوئی اہم پوزیشن حاصل ہو۔

دومنٹ اور گزر گئے اور پھر وہ شخص اندرونی دروازے سے برآمد ہوا جو رنگا کو میرے بارے میں اطلاع دینے گیا تھا۔ اس نے بلوچی زبان میں ٹیڈی سے کچھ کہا اور پھر مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

دومنٹ اور گزر گئے اور پھر وہ شخص اندرونی دروازے سے برآمد ہوا جو رنگا کو میرے بارے میں اطلاع دینے گیا تھا۔ اس نے بلوچی زبان میں ٹیڈی سے کچھ کہا اور پھر مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

دوسرا کمرہ بھی ایسا ہی تھا۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا اور اطراف میں دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔

اس سے آگے ایک اور دروازہ تھا۔ اس شخص نے ہلکی سی دستک دی اور دروازہ کھول کر مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا لیکن خود وہیں رک گیا۔ میرے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا۔

پہلا قدم اندر رکھتے ہی میں ٹھٹک گیا۔ کمرے کی فضا بھینی بھینی خوشبو سے مہکی ہوئی تھی۔

فرش پر دبیز ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ سرخ پلش کے کور والے گاؤ تکیے تھے۔ ایک طرف قالین کے اوپر چارپائی جیسے فٹ کا ایک اور نہایت خوبصورت کڑھائی والا دبیز کشن رکھا ہوا تھا جس کے ساتھ ایک گاؤ تکیہ بھی تھا۔ دوسرے قالین پر ہی تین مختلف رنگوں کے ٹیلی فون رکھے ہوئے تھے۔

دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں جنہیں دیکھ کر رنگا کے ذوق کی داد دینا پڑتی تھی۔ کشن کے سامنے والی دیوار پر تین بائی چار فٹ کا ایک قالین آویزاں تھا جس پر بنتی ہی میں ایک ایرانی دوشیزہ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس قالین کو بھی قالین بافی کا ایک شاہکار قرار دیا جا سکتا تھا۔

وہ ایرانی دوشیزہ بے حد حسین تھی۔ چہرے پر اگرچہ نقاب بنا ہوا تھا' صرف آنکھیں برہنہ تھیں اور اس نقاب کے باوجود اس کا حسین چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے دائیں کندھے پر ایک لمبی گردن والی خوبصورت صراحی اٹھا رکھی تھی۔ اس دوشیزہ کی گردن بھی صراحی کی طرح لمبی اور خوبصورت تھی۔

یہ قالین بافی کی مہارت کا کمال تھا کہ ہر باریکی واضح تھی۔ اس دوشیزہ کے پیچھے ذرا دائیں طرف ایک ہرنی بھی نظر آ رہی تھی۔ اس قالین کو دیکھ کر عمر خیام کی کسی رباعی کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا اور دراصل یہ عمر خیام کی رباعی ہی تھی جسے بڑی مہارت اور بڑی خوبصورتی سے قالین پر اجاگر کیا گیا تھا۔

اس کے ساتھ والی دیوار پر اوپر سے نیچے تک جھالر والا دبیز خوبصورت پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ پوری دیوار اس پردے سے ڈھکی ہوئی تھی۔

کمرے میں کوئی متنفس نہیں تھا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ رنگا کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اس علاقے کا بہت بڑا دادا ہے اور اس کے آدمیوں کو دیکھ کر یہ بات ثابت بھی ہو گئی تھی۔ زندگی میں میرا واسطہ شریف انسانوں سے کم اور بدمعاشوں سے زیادہ پڑا تھا بلکہ میری زندگی ہی بدمعاشوں کے گھیرے میں گزر رہی تھی اور میں نے جس بدمعاش کو بھی دیکھا تھا وہ اپنے حلیے سے ہی بدمعاش لگا تھا' ان کے اڈے بھی بڑے عجیب و غریب ہوتے تھے کسی نے تانگوں کے طبیلے میں ڈیرہ جما رکھا تھا۔ کسی نے گیراج کو اپنا مسکن بنایا ہوا تھا اور کوئی کسی قبرستان میں ڈیرہ جمائے ہوتا۔ میں نے آج تک کسی بدمعاش کو ایسا باذوق نہیں دیکھا تھا۔

رنگا بھی بدمعاش تھا لیکن اس کمرے کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے میں کسی بہت ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ' معزز

aazzamm@yahoo.com
www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اور صاحب ذوق شخص کے ڈرائنگ روم میں آ گیا ہوں اور یہ ڈرائنگ روم بھی بہت مختلف و منفرد نوعیت کا تھا۔

میں ابھی دروازے کے قریب کھڑا یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے کی دیوار کا پردہ درمیان میں سے چاک ہوا اور جو شخص اس پردے کے پیچھے سے نمودار ہوا اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

وہ شیدی تھا لیکن رنگت ان آدمیوں سے قدرے صاف تھی جنہیں میں باہر والے کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد' کسرتی بدن' باڈی بلڈروں جیسی چوڑی چھاتی' گھنگھریالے بال اور چہرے کے نقوش قدرے بھدے تھے۔ اس نے بغیر آستین کے سفید ٹی شرٹ اور آف وائٹ کلر کی بیل باٹم قسم کی پتلون پہن رکھی تھی۔ گلے میں سونے کی چین تھی جس میں ایک روپے کے سکے کے برابر ایک گول لاکٹ بھی تھا جس پر کچھ کندہ تھا یا کوئی ڈیزائن بنا ہوا تھا۔ دائیں کلائی میں چاندی کا ڈھیلا ڈھالا سا کڑا تھا اور بائیں کلائی میں ریسٹ ویل یا ایسی ہی کوئی قیمتی گھڑی تھی۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں سفیدی نمایاں تھی جو عجیب سی لگ رہی تھی۔

وہ رنگا تھا' اس علاقے کا دادا۔

''تم کون ہے واجا اور میرے سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟'' اس نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ ہم بیٹھ کر اطمینان سے بات کریں۔'' میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں بھی اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ شاید ہم نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو تولنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس نے اس قالین کی طرف اشارہ کیا جس پر کشن رکھا ہوا تھا۔ کشن پر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک گاؤ تکیہ میری طرف بڑھا دیا تھا۔ میں بھی اس کے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور پھر ہم میں گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔

رنگا بہت صاف اور شستہ اردو بول رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بلوچی زبان کا کوئی لفظ بھی استعمال کر ڈالتا' تاہم انگریزی کے الفاظ وہ بکثرت بول رہا تھا۔ جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ اس کے لہجے میں شگفتگی بھی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص بدمعاش کیسے ہوسکتا ہے۔

گفتگو کے دوران جب میں نے اپنے بارے میں تفصیل سے بتایا تو وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا اور پھر اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ لاہور میں میری چند سال پہلے والی سرگرمیوں سے بخوبی واقف تھا۔

''مگر میں نے تو سنا تھا کہ ناجی پولیس سے بھاگ کر انڈیا گیا تھا۔'' اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''میں بھاگا نہیں تھا مجھے اغوا کر کے راجستھان پہنچا دیا گیا تھا۔'' میں نے جواب دیا اور پھر اپنے

اپنی راجستھان کی سرگرمیوں کے بارے میں مختصراً بتانے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا۔ ''لاہور واپس آتے ہی میں غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ شاید تم نے شاہ جی کا نام سنا ہے اس نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو میں نے بھی اسے ایسی چپت رسید کی کہ زندگی بھر یاد کرے گا۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ تم نے لاہور میں اس کے ساتھ کیا کیا ہوگا لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ چند روز پہلے کراچی میں اس کا مال پکڑا گیا تھا اور اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ مال پکڑوانے میں تمہارا ہی ہاتھ تھا۔'' رنگا نے کہا۔

''تمہارا خیال درست ہے۔ رنگوں کے ڈبوں میں چھپائے گئے اس مال کی اطلاع میں نے ہی دی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ میں رنگا کو یہ سب کچھ اس لیے بتا رہا تھا کہ اتنی دیر کی گفتگو کے دوران میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کا شاہ جی کے گروپ سے کوئی تعلق نہیں تھا اور یہ کہ وہ ایک مخلص آدمی تھا۔ اس پر بھروسا کیا جا سکتا تھا۔ اس سے کسی فراڈ کی توقع نہیں تھی اور اب مجھے یہ بھی امید ہو چلی تھی کہ وہ میرے کام کے سلسلے میں میری مدد کرے گا۔

''ایک منٹ۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے مزید کچھ کہنے سے روک دیا اور ہرے رنگ والے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ چند سیکنڈ بعد نہایت دھیمے لہجے میں ماؤتھ پیس میں کچھ کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ میں اس کے بالکل سامنے بیٹھا ہوا تھا لیکن میں بھی نہیں سن سکا تھا کہ اس نے فون پر کس سے کیا بات کی تھی۔

''ہاں تو واجا۔'' وہ ایک بار پھر میری طرف متوجہ ہوگیا۔ ''تم کراچی میں کس سلسلے میں آئے ہو؟ گوشہ نشینی کا ارادہ ہے یا ہنگاموں کا ارادہ ہے؟''

''خیال تو یہی ہے کہ یہاں کوئی کاروبار شروع کر کے ان تمام دھندوں سے بالکل الگ ہو جاؤں گا۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن لگتا ہے کہ اس دلدل میں اترنے کے بعد واپس ہونا ممکن نہیں۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس رات جمی اور رضیہ سے تصادم کا قصہ سنانے لگا۔ آخر میں بولا۔ ''اب تو میرے لیے الگ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں کراچی میں بالکل اکیلا ہوں' مجھے تم جیسے مخلص دوستوں کی تلاش ہے اور اس لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''بات یہ ہے واجا.....'' رنگا نے کہا۔ ''ہیروئن' چرس اور کوکین وغیرہ اپنی لائن کا دھندہ نہیں ہے۔ مجھے ایسی چیزوں سے سخت نفرت ہے۔ بہت شدید نفرت ہے۔ یہ چیزیں تو آنے والی نسلوں کو بھی مفلوج کر رہی ہیں۔ اندر سے کھوکھلا کر رہی ہیں۔ نوجوانوں کو تو ایسا مضبوط ہونا چاہیے' ہمارا مافق۔'' اس نے دایاں ہاتھ بائیں بازو کے مسل پر مارا۔ ''یہ جو ہیروئن اور چرس بیچنے والے دراصل وہ دیمک ہے جو اس ملک اور قوم کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہے ہیں۔ یہ لوگ چور ہیں' بزدل' ڈرپوک' پولیس کا نام سنتے ہی اس طرح بھاگتے ہیں جیسے قیامت آ گئی ہو۔ اڑے جرم کرنا ہے تو مردوں کی طرح سینہ ٹھونک کر سامنے آؤ' مقابلہ کرو' سینے پر گولی کھاؤ' ہمارا مافق..... یہ کیا بات ہے کہ معمولی سا خطرہ بھی دیکھا تو دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھو بہادری اس کو بولتا ہے۔'' جوش میں آ کر وہ نہ صرف صاف اردو بولتے بولتے اپنے بندوں کی طرح مخصوص زبان بولنے لگا بلکہ اس نے ٹی شرٹ بھی اتار دی۔ ''یہ دیکھو۔'' وہ اپنے جسم پر نشانات کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ سینہ پولیس کی گولیوں کا نشانہ بھی بنا ہے اور دشمنوں کی گولیوں کو بھی اپنے اندر چھپایا ہے۔ ہم نے کبھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھایا۔''

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ رنگا کے پیٹ اور سینے پر گولیوں کے سات نشان تھے اور تین نشان لمبے تھے جو یقیناً چاقو یا خنجر کے تھے۔

''نہیں واجا۔'' وہ ٹی شرٹ پہن کر اس کے اوپر سونے کا لاکٹ درست کرتے ہوئے بولا۔ ''ڈرگس کا دھندہ اپنا لین کا نہیں ہے۔''

''تم غلط سمجھے رنگا۔'' میں نے کہا۔ ''میں یہاں ڈرگس کا دھندہ شروع نہیں کرنا چاہتا بلکہ میں تو اس ریکٹ کو توڑنا چاہتا ہوں جو یہ دھندہ کر رہا ہے۔'' میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔

''پچھلے چند ہفتوں کے دوران میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ کراچی منشیات فروشوں کی جنت ہے۔ میں سب سے نہیں لڑ سکتا۔ ایسے لوگوں تک پہنچنا میرے لیے مشکل نہیں ہے تو آسان بھی نہیں ہوگا۔ میں تو صرف ایک ریکٹ کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور اس میں میرا ذاتی انتقام کا جذبہ بھی شامل ہے اور.....''

میں بات کرتے کرتے رک گیا۔ دیوار کے سامنے ریشمی دبیز پردے میں حرکت پیدا ہوئی۔ پردہ چاک ہوا اور اندر داخل ہونے والی ہستی کو دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دوسری دیوار پر آویزاں قالین کی حسینہ زندہ ہو کر قالین سے باہر آ گئی ہو۔

انتہائی خوبصورت تھی وہ لڑکی۔ شیفون جیسے کپڑے کا باریک لباس جس سے بدن کی گلابیاں جھلک رہی تھیں۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال رہی ہوگی۔ قالین والی حسینہ اور اس قیامت میں فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے کندھے پر صراحی نہیں تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں شیشے کی ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں شیشے کے دو گلاس تھے جن میں سنہرے رنگ کا مشروب تھا اور دونوں گلاسوں سے ہلکی سی بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس نے ٹرے ہم دونوں کے بیچ میں رکھ دی اور رنگا کا اشارہ پا کر ایک گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ اس کی نظریں میری طرف اٹھیں اور میرے پورے جسم میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔

''کہاں چلے گئے؟''

رنگا کی آواز سن کر میں اپنے حواس میں آ گیا۔

''رنگا کی طرف سے دوستی کا جام۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں تمہیں شراب نوشی نہیں کرسکتا کہ اس چیز سے مجھے سخت نفرت ہے۔ یہ قہوہ ہماری دوستی کی بنیاد ثابت ہوگا۔''

میں نے اس قیامت کے ہاتھ سے گلاس لے لیا اور اس طرف دیکھا لمحہ بھر کو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں الف لیلیٰ بغداد کے کسی شہزادے کی خلوت گاہ میں پہنچ گیا ہوں۔ میں اپنے آپ کو بھی الف لیلیٰ کی کسی کہانی کا کردار محسوس کرنے لگا۔

میرے ہاتھ میں قہوے کا گلاس دینے کے بعد اس حسینہ نے دوسرا گلاس اٹھا کر رنگا کو پیش کیا اور اس کا اشارہ پا کر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس پردے کے پیچھے غائب ہوگئی جہاں سے برآمد ہوئی تھی۔ میں دیر تک ہولے ہولے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتا رہا۔

مجھے اپنے حواس پر قابو پانے میں خاصا وقت لگا تھا۔ قہوے کی پہلی چسکی لیتے ہی میرے

حواس قابو میں آنے لگے تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے رنگا کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ قہوے کی چسکیوں کے ساتھ ہماری گفتگو کا سلسلہ بھی دوبارہ شروع ہوگیا۔

''میں نے انسان کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کی۔'' رنگا کہہ رہا تھا۔ ''تم جب اس کمرے میں آئے تھے تو میں دیر تک دوسرے کمرے میں بیٹھا تمہارا جائزہ لیتا رہا تھا۔''

میں چونک گیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ شارٹ سرکٹ کیمرہ لگا ہوا تھا جس کے ذریعے کسی دوسرے کمرے میں میری نقل و حرکت کا جائزہ لیا جا رہا تھا لیکن میں نے کیمرہ تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

''تمہارے چہرے کے تاثرات سے میں نے بہت کچھ پڑھ لیا تھا۔'' رنگا کہہ رہا تھا۔ ''اور پھر تمہاری باتیں سن کر بھی مجھے تمہاری صداقت پر یقین آ گیا تھا اور اسی وقت میں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''عرصہ پہلے جب لاہور میں تمہاری سرگرمیاں عروج پر تھیں تو چند روز کے لیے مجھے بھی لاہور جانے کا موقع ملا تھا۔ میں نے صرف ایک مرتبہ کسی ہوٹل میں تمہیں دیکھا تھا۔ میں تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن مجھے کراچی واپس آنا پڑا۔''

''اور اب تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے تمہیں پہچاننے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میں تم جیسے بہادروں کی قدر کرتا ہوں۔ تمہاری مدد کر کے مجھے خوشی ہوگی بولو کیا چاہتے ہو؟''

میں چند لمحوں تک خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اسے بتانے لگا کہ میں اس کے پاس کیوں آیا تھا۔

''جی!'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ بہت چھوٹا اور بیچ کا آدمی ہے۔ کراچی میں اس سینڈیکیٹ کا اصل آدمی تحریمی ہے۔ اس تک پہنچنا اگرچہ ذرا مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ میں ایک دو روز میں معلوم کر لوں گا کہ وہ آج کل کہاں ہے۔ اگر تحریمی کو یہاں سے بھگا دیا جائے تو یہ سمجھ لو کہ کم از کم کراچی میں سینڈیکیٹ یتیم ہو جائے گا۔''

''یہ تحریمی کون ہے؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''جیوانی کا رہنے والا ہے۔'' رنگا نے جواب دیا۔ ''اس کا تعلق ہمارے قبیلے کی ایک شاخ سے ہے۔ بنیادی طور پر وہ ماہی گیر ہے۔ ایک چھوٹی سی ساحلی بستی میں رہتا تھا اور اپنے خاندان کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ مچھلیاں پکڑا کرتا تھا لیکن پھر ماہی گیری چھوڑ کر اس نے اسمگلنگ شروع کر دی۔ ایک گروہ میں شامل ہوگیا جو جیوانی کے ساحل سے اومان تک ایک تیز رفتار لانچ پر ادھر کا مال ادھر کیا کرتا تھا۔

ایک رات جب لانچ والا ایرانی شراب کے دو ہزار کریٹ اور دیگر غیر ملکی ممنوعہ سامان کی کھیپ لے کر ویران ساحل پر لنگر انداز ہوئی تو کوسٹ گارڈز کی ایک پارٹی پہلے ہی سے ساحل پر گھات لگائے بیٹھی تھی۔ کوسٹ گارڈز نے دراصل ایک اور اطلاع پر چھاپہ مارنے کی تیاری کر رکھی تھی۔ ان کے مخبر نے اطلاع دی تھی کہ منشیات کی ایک بھاری کھیپ اس ساحل سے اسمگل کی جانے والی ہے اور کوسٹ گارڈز کی پارٹی کو ریگستان کی طرف سے آنے والی اسمگلروں کی اس پارٹی کا انتظار تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اسمگلروں کی وہ پارٹی تو اس رات وہاں نہیں پہنچی شاید انہیں ساحلی محافظوں کی موجودگی کی بھنک مل گئی تھی لیکن اتفاق سے تحریمی والی لانچ ساحل پر لنگرانداز ہوئی اور جب لانچ سے مال اتار کر ساحل پر پہاڑیوں میں ایک جگہ چھپایا جارہا تھا تو کوسٹ گارڈز کی پارٹی نے ہلہ بول دیا۔

ایسے موقعوں پر بڑے پیمانے پر فائرنگ کا تبادلہ ضرور ہوتا ہے۔ اس رات بھی ایسا ہی ہوا۔ کوسٹ گارڈز پارٹی کا ایک اہلکار مارا گیا۔ تحریمی کی پارٹی کے بھی دو آدمی مارے گئے۔ ایک زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ تحریمی اور اس کے تین ساتھی کسی نہ کسی طرح لانچ پر پہنچ گئے اور گہرے سمندر کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

اسمگلرز پارٹی کے گرفتار ہونے والے زخمی نے بعد میں انکشاف کیا کہ کوسٹ گارڈز کا اہلکار تحریمی کی گولی سے ہلاک ہوا تھا۔

تحریمی اومان پہنچ گیا۔ اسے بھی اطلاع مل گئی تھی کہ قتل کے سلسلے میں اس کا نام آچکا ہے۔ اس نے پاکستان آنے کا ارادہ بدل دیا اور اومان ہی میں رہائش اختیار کرلی۔

گوادر سے پسنی' جیوانی اور ماڑہ تک کی ساحلی پٹی پر آباد بلوچ خلیج کے دوسری طرف اومان اور مسقط جیسی ساحلی ریاستوں کو اپنا دوسرا گھر سمجھتے ہیں۔ وہاں انہیں رہائش اختیار کرنے' ملازمت حاصل کرنے یا کوئی کاروبار شروع کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

اومان پہنچنے کے بعد تحریمی کئی سال تک منظر نامے سے غائب رہا اور پھر شارجہ اور دبئی میں اس کے دیکھے جانے کی خبریں ملنے لگیں۔ تحریمی چونکہ ہمارے ہی قبیلے کا تھا اس لیے فطری طور پر میں اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا رہتا تھا اور پھر وقتاً فوقتاً اس کے بارے میں اطلاعات یہاں تک پہنچتی رہیں جن سے پتا چلتا رہا کہ اب وہ کوئی معمولی آدمی نہیں رہا۔ وہ عرب شیخوں کی طرح شاندار زندگی گزار رہا تھا۔ اسے ان عرب ریاستوں میں ایک معزز مقام بھی حاصل تھا۔ یہ عزت اور ساری دولت اسمگلنگ کی مرہون منت تھی۔ اس نے دبئی میں ایک سینڈیکیٹ بنالیا تھا جس کے تعلقات انٹرنیشنل ڈرگ مافیا سے بھی تھے۔

تحریمی کے سینڈیکیٹ کے آدمی پاکستان میں بھی موجود تھے۔ پشاور کا انتظام جلات خان نامی شخص نے سنبھال رکھا تھا۔ لاہور میں یہ ذمے داری شاہ جی کے سپرد تھی۔ ہیروئن پشاور سے لاہور آتی اور وہاں سے کراچی بھیج دی جاتی۔ یہاں امت خان نامی شخص اس سارے دھندے کی نگرانی کررہا تھا۔

شبہے سے بچنے کے لیے غیر ممالک کو بھیجا جانے والا مال کبھی کراچی اور کبھی لاہور سے فرضی کمپنیوں کے ناموں سے بھیجا جاتا تھا۔

تحریمی دو تین مرتبہ چوری چھپے کراچی آچکا تھا۔ پچھلے سال امت خان پولیس سے ایک جھڑپ میں مارا گیا۔ اس کی موت کے بعد بزنس میں کچھ بدعنوانیوں کا بھی انکشاف ہوا۔ امت خان نے سینڈیکیٹ کے کروڑوں روپے خورد برد کردیئے تھے جن کا کبھی پتا نہیں چلا۔

امت خان کی موت اور بدعنوانیوں کے انکشاف کے بعد تحریمی نے خود کراچی میں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے بعض کرپٹ حکام سے مل کر جیوانی میں کوسٹ گارڈ اہلکار کے برسوں پرانے قتل کے کیس سے اپنا نام نکلوادیا اور کراچی آگیا۔

وہ مستقل طور پر کراچی میں نہیں رہتا' کبھی دبئی' کبھی شارجہ اور کبھی کراچی۔ اس لیے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ آج کل کہاں ہے اور رضیہ نامی عورت جمی کے ساتھ رہ رہی ہے یا اوپر کے کسی آدمی کے پاس ہے....."

میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔ میرا واسطہ اب تک صرف رضیہ اور شاہ جی سے پڑا تھا لیکن یہاں تو بڑے سنسنی خیز انکشافات ہو رہے تھے۔ شاہ جی اور رضیہ تو چھوٹی مچھلیاں تھیں۔ یہاں تحریمی جیسے مگرمچھ موجود تھے اور اب میرا واسطہ ان ہی مگرمچھوں سے پڑنے والا تھا اور میں خوش قسمت تھا کہ صحیح وقت پر صحیح بندے سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تحریمی رنگا کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ دونوں جرائم کی دنیا سے وابستہ تھے۔ لائنیں اگرچہ مختلف تھیں لیکن جرم ظاہر ہے جرم ہی ہوتا ہے خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو۔ ان دونوں کے جرائم کے شعبے الگ تھے۔ آپس میں تصادم یا ٹکراؤ کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔ رنگا کو تو ویسے بھی منشیات کے بزنس سے نفرت تھی۔

عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ ہر شخص اپنی برادری یا قبیلہ کے آدمی کی حمایت میں بولتا ہے اگر وہ کسی جال میں پھنس جائے تو اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہاں صورت حال مختلف تھی۔ رنگا اپنے قبیلے کے اس آدمی سے ٹکرانے کے لیے تیار تھا جس کے خلاف میں مدد کی موہوم سی امید لے کر آیا تھا۔ ایسا کیوں ہے؟ رنگا کی گفتگو کے دوران کہیں بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا جس سے شائبہ بھی ہوتا کہ ان میں کوئی رقابت' کاروباری اختلاف یا کسی قسم کی دشمنی چل رہی ہو۔ یا تحریمی سے اسے کوئی ایسا نقصان پہنچا ہو جس کا وہ انتقام لینا چاہتا ہو اور اب میری وجہ سے اسے موقع مل رہا ہو اور جب یہی سوال میں نے رنگا سے کیا تو اس کے ہونٹوں پر غیر محسوس سی مسکراہٹ آگئی۔

"سب کچھ پہلی ملاقات ہی میں جان لینا چاہتے ہو؟" اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔

"کیا حرج ہے۔" میں نے بھی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ رنگا کی اس بات سے مجھے ہلکا سا اندازہ ہوگیا تھا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جس کے لیے وہ تحریمی کے خلاف میرے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہوگیا تھا۔

"اگر کوئی ایسی بات نہ ہو جسے تم راز میں رکھنا چاہو یا اس کے بیان کرنے سے تمہیں کوئی دکھ پہنچے یا کسی پرانے زخم کے تازہ ہونے کا احتمال ہو تو میں وہ سب کچھ سننا پسند نہیں کروں گا۔"

"ہم بلوچ لوگ ہیں۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "ہمارا ایک الگ معاشرہ ہے۔ الگ روایات ہیں' ہم بلوچوں میں ایک خاص بات تم چاہو تو اسے کمزوری بھی کہہ سکتے ہو' یہ ہے کہ جب ہم کسی پر اعتماد کرتے ہیں تو کوئی شک شبہ ذہن میں نہیں رکھتے۔ ہمارا اعتماد اندھا ہوتا ہے اور جب کسی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تو اس کے لیے اپنی جان تک دینے کو تیار رہتے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن جب بات دشمنی کی ہو تو ہماری دشمنی بھی انتہائی حدود کو چھو لیتی ہے۔ ہم کھلے دل کے لوگ ہیں۔ دھوکا اور فریب پسند نہیں کرتے۔ دھوکا' فریب اور غداری کرنے والوں کو اور دوست بن کر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پیٹھ میں چھرا گھونپنے والوں کو ایسی موت مارتے ہیں کہ دھرتی بھی تھرا اٹھتی ہے۔"

یہ گویا میرے لیے پیغام تھا کہ میں اس کے ساتھ کسی قسم کے دھوکے اور غداری کا خیال بھی ذہن میں نہ لاؤں۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "دشمن کو ہم کبھی معاف نہیں کرتے' ہماری دشمنی نسل در نسل چلتی ہے اور دنیا کی کوئی قوم ہماری دوستی کی مثال بھی پیش نہیں کر سکتی۔ دوست کے سامنے تو ہم اپنے دل کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو میں تم سے کوئی بات چھپاؤں گا نہیں۔ میں تمہیں تمہارے سوال کا جواب ضرور دوں گا۔ تمہیں یہ ضرور بتاؤں گا کہ میں تحریمی جیسے شخص کے خلاف تمہارا ساتھ دینے پر آمادہ کیوں ہو گیا لیکن گرم گرم قہوے کا ایک ایک گلاس اور پینے کے بعد۔"

اس نے ایک بار پھر ہرے رنگ کا فون اٹھا کر ماؤتھ پیس میں پہلے کی طرح مدھم لہجے میں کسی سے کچھ کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ میں ایک انجانے تصور سے اپنے آپ میں سنسنی سی محسوس کرنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ چند منٹ بعد وہی عمر خیام کی محبوبہ قالین کے تانوں بانوں سے نکل کر میرے سامنے آئے گی اور میرا دل دھڑکنا بھول جائے گا۔ یہ خیال آتے ہی میری نظریں غیر ارادی طور پر سامنے دیوار پر آویزاں قالین کی طرف اٹھ گئیں۔

قالین پر سے نظریں ہٹانا اگرچہ دشوار تھا مگر اس خیال سے کہ میری چوری نہ پکڑی جائے میں دوسری پینٹنگز کی طرف بھی نظریں اٹھانے پر مجبور ہو گیا اور پھر بات بناتے ہوئے بولا۔

"یہ قالین اور پینٹنگز....."

"شوق کی بات ہے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "مجھے آرٹ سے ہمیشہ عشق رہا ہے۔ میں نے آرٹ کے بہت قیمتی نمونے اور شاہکار قسم کی چیزیں جمع کر رکھی تھیں جن پر میں نے لاکھوں روپے خرچ کیے تھے لیکن دو سال پہلے میری اس آرٹ گیلری میں آگ لگ گئی اور سب کچھ ضائع ہو گیا۔ یہ قالین والا شاہکار۔" اس نے دیوار پر آویزاں قالین کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے ایک دوست کا تحفہ ہے جو اس نے مجھے مشہد سے لا کر دیا تھا۔ اسے آرٹ سے میری محبت کا علم تھا۔ اس نے چیز بھی وہ لا کر دی کہ دل خوش ہو گیا۔" وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ گرے کلر والے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میری طرف دیکھ کر معذرت کرتے ہوئے اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

فون پر بلوچی زبان میں بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر برہمی کے تاثرات ابھر آئے اور لہجہ بھی تیز ہو گیا۔ پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔

"تم بیٹھو' میں دو منٹ میں آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر اس دروازے سے دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں سے مجھے لایا گیا تھا۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے کسی قدر گھوم گیا۔ اب دیوار پر آویزاں وہ قالین میرے بالکل سامنے تھا۔ میں اس تصویر کو دیکھتے ہوئے اس حسینہ کے بارے میں سوچنے لگا جو تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے قہوہ لے کر آئی تھی۔ اس کا خیال آتے ہی میں اپنے آپ میں ایک بار پھر سنسنی کی سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میری نظریں غیر اختیاری طور پر دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور میں سوچنے لگا کہ ابھی پردہ چاک ہو گا اور وہ قالہ نمودار ہو گی۔ میں کمرے میں اکیلا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا اسے دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو

پا سکوں گا۔

یہ سوچتے ہوئے اچانک ہی مرے ذہن میں رنگا کی وہ بات یاد آ گئی جب اس نے کہا تھا کہ جب میں یہاں آیا تھا تو وہ دوسرے کمرے میں موجود تھا اور شارٹ سرکٹ ٹی وی اسکرین پر میرا مشاہدہ کرتا رہا تھا۔ کسی پوشیدہ کیمرے کا خیال ذہن میں آتے ہی میں نے ان لغو خیالات کو جھٹک دیا جو اس حسینہ کے حوالے سے میرا سکون غارت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی میں غیر ارادی طور پر گردن گھما کر وہ کیمرہ تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کمرے کی چھت فالسی سیلنگ کی تھی لیکن ظاہر ہے وہ کیمرہ سیلنگ پر نہیں ہو سکتا تھا۔ سر کے عین اوپر نصب کسی کیمرے سے چہرہ نظر نہیں آ سکتا تھا۔ میں چاروں طرف دیواروں کو گھورنے لگا مگر کوئی بھی ایسی جگہ دکھائی نہیں دی جہاں شارٹ سرکٹ ٹی وی کیمرہ نصب ہونے کا شبہ ہو۔

رنگا کو کمرے سے گئے ہوئے دس منٹ ہو چکے تھے۔ میری نظر ایک بار پھر دیوار والے پردے کی طرف اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

پردے میں حرکت پیدا ہونے سے لہریں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں پھر عین وسط میں پردہ چاک ہوا اور پردے کو حرکت کرتے دیکھ کر میرا دل جس تیزی سے اچھلا تھا اس سے بھی کہیں زیادہ تیزی سے ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

وہ ایک شیدی تھا جو شیشے کی ٹرے میں گولڈن کلر قہوے کے دو گلاس لیے پھدے کے عقب سے برآمد ہوا تھا۔ میرے منہ سے اس طرح گہرا سانس نکل گیا جیسے بھرے ہوئے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ اس سیاہ رو دبلے پتلے پستہ قامت شیدی کی آنکھوں کی سفیدی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں کچھ زیادہ ہی چمک رہی تھی اور جب وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا تو اس کے موٹے موٹے سیاہ ہونٹوں کے بیچ میں سفید دانت بھی چمک اٹھے۔

اس نے وہ ٹرے قالین پر رکھ دی اور دوسری ٹرے اٹھا کر واپس چلا گیا۔ میں گہرے گہرے سانس لیتا ہوا کچھ دیر اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر ٹرے میں رکھے ہوئے گلاسوں کو دیکھنے لگا۔ ٹرے تو ویسی ہی تھی شفاف شیشے کی البتہ گلاس مختلف تھے۔ نازک سے گلاسوں پر خوبصورت ڈیزائن بنے ہوئے تھے۔ ان چیزوں کے حوالے سے بھی میں رنگا کے ذوق کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

اور عین اسی وقت رنگا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر اب بھی برہمی کے تاثرات نمایاں تھے۔ میرے سامنے کشن پر بیٹھتے ہوئے اس کے تاثرات بدل گئے۔

"قہوہ پیو دوست۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ٹھنڈا ہو کر یہ قہوہ کچھ زیادہ مزے کا نہیں رہتا۔ اس کا مزہ گرم گرم پینے ہی میں ہے۔"

میں نے ایک گلاس اٹھایا تو رنگا نے بھی اپنا گلاس اٹھا لیا۔

"فون کال ریسیو کرتے ہوئے تمہارے چہرے پر کچھ برہمی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔" میں نے قہوے کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔ "اور جب تم واپس آئے ہو تو بھی....."

"غصہ ہو گیا تھا۔" اس نے مجھے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر کہا۔ "علاقے کا ایس ایچ او

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نیا نیا آیا ہے۔ ہر نئے آنے والے پولیس آفیسر کی طرح اس نے بھی تڑیاں دینی شروع کردی تھیں کہ سارے بدمعاش یا تو نمازیں پڑھنا شروع کردیں یا علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ بہت اڑی کرنے لگا تھا۔" وہ خاموش ہو کر قہوہ کی چسکیاں لینے لگا پھر بولا۔ "آج وہ سادہ لباس میں علاقے میں گھوم رہا تھا کہ میرے دو آدمیوں نے اس کی ٹھکائی کردی۔ بس یہی پھڈا تھا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو کئی بار سمجھایا ہے کہ وہ غیر ضروری طور پر پولیس والوں سے پنگے بازی نہ کیا کریں۔ انہیں اپنی ڈیوٹی کرنی ہے اور ہمیں بھی یہیں رہنا ہے لیکن ہر دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی کے ہاتھوں میں خارش ہونے لگتی ہے۔"

"کیا طے ہوا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ پھڈے تو ہم لوگوں کے ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں۔" اس نے جواب دیا اور پھر موضوع بدل دیا۔

"اور وہ بات تو رہ ہی گئی جو تحریمی کے حوالے سے تم مجھے بتانے والے تھے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"تحریمی!" رنگا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "وہ ہمارے ہی قبیلے کا آدمی ہے اور اس کا اصل نام مبارک احمد ہے لیکن اس کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے میں اپنے بارے میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔" اس نے قہوے کی ایک دو چسکیاں لیں اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں جیوانی میں پیدا ہوا تھا' میرا باپ بھی ماہی گیر تھا' ماہی گیروں کی زندگی کا زیادہ حصہ سمندروں پر ہی گزرتا ہے۔ میرا باپ بھی سمندر کی بپھری ہوئی اور پرجوش لہروں پر ہی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ کئی کئی روز تک گھر سے باہر رہتا۔ میں چھ سال کا ہوا تو مجھے جیوانی کے پرائمری اسکول میں داخل کرادیا گیا۔ ہماری رہائش ساحل کے قریب ایک بستی میں تھی اور جیوانی شہر وہاں سے تقریباً دو میل دور تھا۔ میری ماں روزانہ مجھے بستی سے شہر لے کر آتی اور مجھے اسکول میں چھوڑ کر شہر ہی میں ایک جگہ مزدوری کرنے چلی جاتی۔ اسکول کی چھٹی کے وقت وہ مجھے لے کر بستی آجاتی۔

پہلے پہل تو مجھے اسکول میں بہت ڈر لگا لیکن پھر پڑھنے میں مزہ آنے لگا۔ میں نئی نئی باتیں سیکھ رہا تھا اور اس چھوٹی سی عمر میں ہی بستی کے ان پڑھ بچوں پر رعب جمانے لگا تھا۔

میں نے پرائمری اسکول پاس کرلیا۔ مجھے پڑھائی کا شوق تھا لیکن ان دنوں جیوانی میں صرف پرائمری اسکول تھا۔ مڈل اور ہائی اسکول گوادر میں تھا۔

میرا باپ بھی مجھے پڑھانا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں بھی اسی کی طرح ماہی گیر بنوں اور ساری زندگی سمندر میں مچھلیاں پکڑتے ہوئے گزار دوں اور پھر میرا شوق دیکھ کر بستی والوں کی مخالفت کے باوجود وہ جیوانی چھوڑ کر گوادر آ گیا جہاں مجھے مڈل اسکول میں داخل کرادیا گیا۔

میں نے کسی کلاس میں فیل ہوئے بغیر میٹرک پاس کرلیا۔ میرا باپ مجھے پڑھا کر بڑا آفیسر بنانا چاہتا تھا۔ وہ خود ان پڑھ اور جاہل تھا مگر مجھے پڑھانے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔ اس نے گوادر بھی چھوڑ دیا اور کنبے کو لے کر کراچی آ گیا' جہاں مجھے کالج میں داخل کرادیا گیا۔ مجھ سے دس سال چھوٹی ایک بہن تھی لیکن اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ سات جماعت کے بعد اس نے اسکول چھوڑ دیا۔ وہ گھر

کے کاموں میں مصروف رہتی۔ ہم دونوں میں بہت پیار تھا۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ میرا بہت خیال رکھتی تھی۔ میرے مقابلے میں اس کی رنگت بہت صاف تھی اور نین نقش بھی خوب تھے۔ وہ بہت پیاری لڑکی تھی۔

کراچی آ کر میرے ماں باپ کو زیادہ محنت کرنی پڑتی تھی۔ ماں بڑے لوگوں کے گھروں میں کام کرکے کچھ آمدنی حاصل کرلیتی اور باپ اپنے ایک جاننے والے کے ساتھ ایک ٹرالر پر کام کرنے لگا تھا' وہ اب بھی کئی کئی روز تک سمندر میں رہتا تھا۔

یکا یک میرا باپ بیمار ہوگیا۔ نوکری چھوٹ گئی۔ صحت یاب ہونے کے بعد بھی اسے ماہی گیری کے کسی ٹرالر پر نوکری نہیں ملی۔ وہ کمزور ہوگیا تھا اور سمندر کی بپھری ہوئی لہروں سے لڑنے اور مچھلیوں کے جال پھینکنے کے لیے مضبوط ہاتھوں کی ضرورت تھی۔

میرے باپ نے ایک پرانی سائیکل خریدلی اور شہر میں مچھلیاں فروخت کرنے لگا۔ وہ صبح سویرے فش ہاربر پر جاتا' وہاں سے مچھلیاں خریدتا اور سائیکل کے ہینڈل کے دونوں طرف مچھلیوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں لٹکا کر شہر کی گنجان آبادی سے دور جدید اور ماڈرن بستیوں کی طرف نکل جاتا۔ وہ دن بھر سائیکل پر مچھلیاں فروخت کرتا۔ اسے میلوں فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ وہ کمزور آدمی تھا' سخت محنت سے مزید کمزور ہوتا چلا گیا۔ اپنے ماں باپ کی حالت دیکھ کر میں کڑھتا رہتا۔ ایک روز جب میں نے تعلیم چھوڑ کر باپ کے ساتھ کام کرنے کا فیصلہ کیا تو میرے باپ نے مجھے بہت ڈانٹا۔ وہ ہر صورت میں مجھے اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتا تھا۔

میری بہن فاطمہ بھی چاہتی تھی کہ میں تعلیم حاصل کروں۔ اسے بھی میرے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی تھی اور جب میں تھرڈ ایئر میں تھا تو مبارک احمد عرف تحریمی نے ہمارے گھر آنا جانا شروع کیا۔"

رنگا خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ میری نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اپنی داستان الم سناتے ہوئے اس کے چہرے پر بار بار کرب کے تاثرات ابھر رہے تھے۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تحریمی دراصل میرے والد کے کزن کا بیٹا تھا۔ چند سال پہلے وہ لوگ بھی جیوانی سے کراچی منتقل ہوگئے تھے اور اس طرح ان کا ہمارے گھر آنا جانا شروع ہوگیا تھا۔

تحریمی میرا ہم عمر ہی تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میری بہن فاطمہ میں دلچسپی لے رہا ہے۔ وہ عام طور پر اس وقت ہمارے گھر آتا جب میں کالج میں ہوتا اور میرا باپ شہر کے کسی علاقے میں مچھلیاں بیچ رہا ہوتا۔

فاطمہ نے بھی اس بات کو نوٹ کرلیا تھا۔ وہ ابھی کم عمر ہی تھی لیکن بڑی سمجھ دار لڑکی تھی۔ اس نے تحریمی کی نظروں میں میل دیکھ لیا تھا۔ وہ اس سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتی۔

اور پھر اچانک ہی تحریمی نے ہمارے گھر آنا جانا بند کردیا۔ میں نے ایک روز یونہی فاطمہ سے اس کے بارے میں پوچھ لیا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ آ گئی اور پھر اس نے بتایا کہ اس روز تحریمی آیا تو اماں بھی گھر پر موجود نہیں تھیں۔ تحریمی نے موقع پا کر بدتمیزی کرنے کی کوشش کی۔ اس کا ہاتھ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پکڑ کرلیا جس پر فاطمہ نے اس کے گال پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

اس کے بعد ہی تحریمی نے ہمارے گھر آنا جانا چھوڑا تھا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ ہم اس کی بدتمیزی پر اس سے باز پرس کریں گے۔

اور پھر تحریمی جیوانی واپس چلا گیا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ میں اس کے بارے میں معلومات رکھنے کی کوشش کرتا۔

میں نے گریجویشن کرلیا۔ باپ تو مجھے اور پڑھانا چاہتا تھا۔ وہ مجھے بہت اوپر دیکھنے کا خواہش مند تھا لیکن میں نے مزید تعلیم کا خیال ذہن سے نکال کر نوکری کی تلاش شروع کر دی۔ میرا باپ بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ اب وہ سائیکل نہیں چلا سکتا تھا۔ اسے آرام کی ضرورت تھی۔ میں نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا لیکن نوکری نہ ملنا تھی نہ ملی۔ میری طرح اور بھی بہت سے نوجوان ڈگریاں لیے پھر رہے تھے۔

میرا باپ بیمار پڑ گیا۔ وہ مجھے اعلیٰ تعلیم دلا کر بہت اوپر دیکھنے کا خواہش مند تھا' لیکن اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے اور پھر ایک روز وہ اپنی زندگی کی اس سب سے بڑی خواہش کو سینے میں دبائے منوں مٹی کے نیچے دفن ہو گیا۔

میں دل برداشتہ ہو چکا تھا۔ میں نوکری کا خیال ذہن سے نکال کر سائیکل پر شہر میں مچھلیاں فروخت کرنے لگا۔ میں نے بھی اپنے باپ کی طرح محنت میں کوئی عار نہیں سمجھا تھا۔

نہ جانے کیا بات تھی کہ میں تحریمی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ حالانکہ فاطمہ کے ساتھ بدتمیزی والے واقعہ کو میں بھول چکا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی نے اس واقعہ کو زیادہ اہمیت بھی نہیں دی تھی۔

تحریمی ان دنوں جیوانی میں اسمگلروں کی پارٹی میں شامل ہو چکا تھا اور یہ عجیب بات تھی کہ میں گریجویشن کرنے کے بعد شہر کی گلیوں میں گھوم پھر کر مچھلیاں بیچ رہا تھا اور صرف پانچ جماعت تک پڑھا ہوا تحریمی لاکھوں میں کھیل رہا تھا۔

اور پھر یہ اطلاع ملی کہ تحریمی کے ہاتھوں ایک کوسٹ گارڈ اہلکار مارا گیا ہے اور وہ گرفتاری سے بچنے کے لیے فرار ہو کر اومان اور وہاں سے شارجہ وغیرہ کی طرف نکل گیا تھا۔ اس کے بارے میں اطلاعات ملتی رہیں۔ وہ دولت مند عرب شیخوں جیسی زندگی گزار رہا تھا۔

ایک روز شام کو جب میں واپس آیا تو گھر میں اماں کے پاس ایک اجنبی کو بیٹھے دیکھ کر میں چونک گیا لیکن پھر فوراً ہی میں نے اسے پہچان لیا وہ تحریمی تھا۔

تحریمی چوری چھپے پاکستان آیا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ اس کے خلاف پرانا کیس ختم ہو جائے۔ وہ اس سلسلے میں خاصی بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ اس کے پاس پیسہ تھا اور پاکستان جیسے ملک میں جہاں کرپشن عروج پر ہو پیسہ ہر کرامت دکھا سکتا ہے۔

اس روز تحریمی کافی دیر ہمارے گھر بیٹھا رہا تھا۔ اس دوران اور تو بہت سی باتیں ہوئیں لیکن برسوں پہلے اس ناخوشگوار واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا' نہ وہ کچھ بولا نہ ہم نے کچھ کہا۔ ہم تو حقیقتاً اس واقعہ کو بھول چکے تھے اور فاطمہ کو بھی شاید برسوں پرانی وہ بات یاد نہیں رہی تھی۔

فاطمہ جوان ہو چکی تھی۔ وہ بڑی پیاری لڑکی تھی۔ اس روز وہ بھی تحریمی سے بے تکلفی سے باتیں کرتی رہی۔

تحریمی چلا گیا اور تقریباً تین مہینوں بعد واپس آیا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹہ گھر بیٹھ کر چلا گیا۔ اس سے اگلے روز شام کو جب میں اپنے دھندے سے واپس لوٹا تو گویا قیامت میرا انتظار کر رہی تھی۔

فاطمہ نے گلے میں پھندہ ڈال کر خودکشی کر لی تھی۔ ماں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور محلے کی عورتیں اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

میرے گھر پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد پولیس بھی آ گئی اور انہوں نے فاطمہ کی لاش کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہو گیا تھا۔ ماں کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا وہ کچھ بتانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

فاطمہ کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد ہمارے حوالے کی گئی تھی اور میرے لیے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کیا جانے والا انکشاف بہت سنسنی خیز ثابت ہوا تھا۔ مرنے سے پہلے فاطمہ کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ سینے میں طوفان سا مچل رہا تھا۔ وہ کون تھا جس نے میری بہن کو اس طرح موت کے منہ میں دھکیلا تھا؟ فاطمہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ اس کی پاک دامنی کی قسم تو محلے والے بھی کھاتے تھے۔ یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس کے کسی مرد سے اس طرح کے تعلقات ہوں گے۔ وہ تو عورتوں سے بات کرتے ہوئے بھی جھجکتی تھی' کسی مرد کے قریب جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پولیس مجھے الگ پریشان کر رہی تھی۔ ان کے خیال میں شاید مجھے فاطمہ کے کسی مرد سے ناجائز تعلقات کا علم ہو گیا تھا اور میں نے اسے مار ڈالا تھا حالانکہ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے صاف ظاہر تھا کہ فاطمہ کو موت سے کچھ پہلے ہوس کا نشانہ بنایا گیا تھا اور میں خود اس وقت اپنے گھر سے میلوں دور سائیکل پر گھومتے ہوئے مچھلیاں بیچ رہا تھا لیکن پولیس کو تو کھانے پینے کا بہانہ چاہیے تھا۔ میں ظلم کا شکار ہوا تھا اور مجھے ہی بہن کے قتل کے الزام میں سلاخوں کے پیچھے بند کر دینے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ آخر کار بستی کے چند معززین کی مداخلت پر دس ہزار روپے دے کر پولیس سے میری گلوخلاصی ہوئی۔

اور پھر تین دن بعد یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ فاطمہ کی خودکشی کا انکشاف ہونے سے تقریباً دو گھنٹے پہلے تحریمی کو ہمارے گھر میں آتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ یہ بات مجھے گلی کی ایک لڑکی نے بتائی تھی۔

فاطمہ کی عمر اگرچہ صرف سولہ سال تھی لیکن سلائی کڑھائی میں اس نے بڑی مہارت حاصل کر لی تھی۔ محلے کی بعض لڑکیاں بھی بلوچی کڑھائی سیکھنے کے لیے اس کے پاس آتی رہتی تھیں۔ زہرہ نامی لڑکی فاطمہ سے دو تین سال چھوٹی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے مجھے بتایا کہ اس روز وہ کڑھائی کے بارے میں کچھ پوچھنے کے لیے فاطمہ کے پاس آنا چاہتی تھی تو وہ ابھی ہمارے گھر سے دور ہی تھی کہ اس نے تحریمی کو دروازے میں داخل ہوتے دیکھا اور واپس چلی گئی۔ اس نے سوچا تھا کہ مہمان کے ہوتے ہوئے اس کا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہمارے گھر آنا مناسب نہیں تھا۔

زہرہ تحریمی کے نام سے واقف نہیں تھی۔ اس نے حلیہ بتاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ مہمان ایک روز پہلے بھی ہمارے گھر آیا تھا اور تقریباً تین مہینے پہلے بھی۔

میں فوراً ہی پولیس کے پاس پہنچ گیا اور آفیسر کو تحریمی کے بارے میں بتایا۔ آفیسر مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا۔ میں نے اتنے برسوں پہلے کا واقعہ بھی بتا دیا کہ کس طرح اس نے فاطمہ کے ساتھ بدتمیزی کی تھی اور فاطمہ نے اس تھپڑ کا انتقام لینے کے لیے فاطمہ کو ہوس کا نشانہ بنایا تھا۔

تحریمی ان دنوں کراچی میں موجود تھا اور میرا خیال تھا کہ اس انکشاف کے بعد پولیس اسے فوراً ہی گرفتار کر لے گی لیکن تین دن گزرنے کے بعد بھی پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ میں پولیس آفیسر سے الجھ پڑا اور پھر ایک انکشاف ہوا۔ وہ پولیس آفیسر تحریمی سے ملا تھا اور تحریمی نے ایک معقول رقم دے کر اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں نا کہ پاکستان وہ ملک ہے جہاں پیسہ ہر قسم کی کرامات دکھا سکتا ہے۔ یہاں بھی پیسے نے کرامت دکھائی تھی۔

پولیس آفیسر نے کہا کہ میں پرانی دشمنی کا انتقام لینے کے لیے ایک معزز آدمی پر شرمناک اور سنگین الزام لگا رہا ہوں جس کے نتیجے میں الٹا مجھ پر ہی کیس بن سکتا ہے۔ وہ اسمگلر معزز آدمی تھا اور ایک پڑھا لکھا محنت مزدوری کر کے رزق حلال کمانے والا شریف آدمی مشکوک ہو گیا تھا۔ میں پولیس آفیسر سے الجھ پڑا اور جب میں نے یہ کہا کہ اس نے تحریمی سے رشوت کھائی ہے تو وہ طیش میں آ گیا اور میری دھنائی کرنے کے بعد مجھے حوالات میں بند کر دیا۔

دوسرے دن محلے کے معززین ہی نے پانچ ہزار روپے دے کر مجھے چھڑایا تھا اور مجھے دلاسہ دینے کی کوشش کرتے رہے کہ اب میں اس واقعے کو بھول جاؤں لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ اپنی معصوم بہن کی توہین اور اس کی موت کا بدلہ ضرور لوں گا۔

تحریمی کو تو میں نے ختم کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا لیکن اس راشی اور بے ضمیر آفیسر کو بھی میں نے سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

مجھے پتا چل گیا تھا کہ تحریمی گلشن اقبال میں اپنے ایک دوست کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ میں اس رات گلشن اقبال پہنچ گیا۔ مجھے وہ بنگلہ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس وقت میرے پاس ایک تیز دھار چھرا بھی تھا۔ یہ چھرا میں مچھلیوں کا پیٹ چاک کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا اور میرا ارادہ تھا کہ آج اس چھرے سے تحریمی کا پیٹ چاک کر ڈالوں گا۔

لیکن اس رات قسمت نے میرا زیادہ ساتھ نہیں دیا۔ تحریمی میرے ہاتھ لگا تو مگر بچ گیا۔ میں اس پر چھرے سے صرف ایک وار کرنے میں کامیاب ہو سکا اور یہ وار اس کی بائیں ران پر لگا تھا۔

تحریمی بھاگ گیا۔ اس کے دوست اور ایک آدمی نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی مگر میں بھی وہاں سے بھاگ نکلا۔

تیسرے دن رات کو پولیس نے مجھے میرے گھر سے پکڑ لیا۔ اصولی طور پر پکڑے جانے کے بعد مجھے گلشن اقبال پولیس اسٹیشن کے حوالے کیا جانا چاہیے تھا مگر مجھے ہمارے ہی علاقے کے تھانے میں

لے جایا گیا اور ایک بار پھر میں تھا اور وہی پولیس آفیسر جس سے میرا جھگڑا ہوا تھا۔

مجھے چھت سے الٹا لٹکا کر میرے پیٹ اور کمر پر ڈنڈے برسائے گئے۔ دوسرے طریقوں سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ مجھے تین دن تک سونے نہیں دیا گیا۔ تیز روشنی میں مجھے اس طرح بٹھائے رکھا جاتا کہ میں اس کی چکاچوند سے بچنے کے لیے آنکھیں بند کرتا تو میرے سر پر ٹھوکریں ماری جاتیں اور مجھے جاگتے رہنے پر مجبور کیا جاتا۔

میرے خلاف کوئی کیس رجسٹر نہیں کیا گیا تھا۔ کیس رجسٹر ہوتا بھی کیسے جبکہ وہ واردات اس تھانے کی حدود سے میلوں دور کسی اور علاقے میں ہوئی تھی۔ ہمارے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ پولیس والے جو ہیں نا میں انہیں سرکاری بدمعاش کہتا ہوں۔ ان کے پاس بے پناہ طاقت ہے۔ وردی کی طاقت' بے پناہ اختیارات ہیں' یہ جس کو چاہیں سڑک پر ننگا کر دیں اور جسے چاہیں تھانے میں بند کر کے تشدد کا نشانہ بناتے رہیں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ انہیں کسی کا خوف نہیں یہ تو بے تاج بادشاہ ہیں۔

مجھے بعد میں پتہ چلا کہ تحریمی اس رات میرے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد وہاں سے بھاگ کر کسی اور ٹھکانے پر چلا گیا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو میرے خلاف گلشن تھانے میں باقاعدہ رپورٹ لکھوا سکتا تھا۔ قاتلانہ حملے کے الزام میں مجھ پر سنگین کیس بن سکتا تھا۔ میرے لیے مزید مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں لیکن تحریمی نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ وہ خود غیر قانونی طور پر پاکستان آیا ہوا تھا۔ وہ میرے خلاف کوئی قانونی کارروائی کیسے کر سکتا تھا۔ تاہم اس نے مجھے سزا دینے کی ذمے داری میرے علاقے کے اس راشی اور بے ضمیر آفیسر کو سونپ دی جس نے مجھے تین دن تک حوالات میں بند رکھ کر روئی کی طرح دھنک دیا۔

جیسے جیسے مجھ پر زیادتیاں ہو رہی تھیں میرا جوش انتقام بڑھتا جا رہا تھا۔ میری ماں اپنا ذہنی توازن کھو چکی تھی۔ میرا خیال ہے اس نے فاطمہ کو بچانے کی کوشش کی ہوگی اور تحریمی نے اس کے سر پر کسی بھاری چیز سے ضرب لگائی تھی جس سے اس کے دماغ پر چوٹ لگی تھی اور پھر تین ماہ کے اندر اندر وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

مجھے ماں کا تھوڑا بہت لحاظ تھا' اس کی وجہ سے بھی میں زیادتیاں برداشت کر کے کچھ دبا سا رہتا تھا لیکن اس کے انتقال کے بعد میں آزاد ہو گیا۔ ایک اور بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ شرافت سے زندہ نہیں رہا جا سکتا تھا۔ پولیس مجھے ضرورت سے زیادہ ہی پریشان کرنے لگی تھی اور اس انسپکٹر کو تو مجھ سے جیسے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔

تحریمی کراچی ہی میں کہیں روپوش ہو چکا تھا یا ملک سے فرار ہو گیا تھا۔ میں نے انسپکٹر سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

کوئی بھی شخص پولیس سے پنگا لینا پسند نہیں کرتا لیکن میرے دو دوستوں ٹیڈی اور حضوری نے میرا ساتھ دیا اور ہم نے ان سرکاری بدمعاشوں سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا۔

اتفاق سے تیسرے ہی دن میں انہی دوستوں کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ سادہ لباس میں دو پولیس والے اندر گھس آئے۔ وہ مجھے تھانے لے جانا چاہتے تھے۔ میں نے اور میرے دوستوں نے مزاحمت کی۔ ایک سادہ پولیس والے نے ریوالور نکال لیا۔ ٹیڈی نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

حملہ کر کے ریوالور چھین لیا اور گولی چلا دی جو پولیس والے کے بازو پر لگی۔ میں دوسرے سادہ پوش پر جھپٹ پڑا۔ ہم دونوں فرش پر گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ اس دوران سل کا بٹا میرے ہاتھ پر لگ گیا اور میں نے اس کا سر پھاڑ دیا۔

وہ میری اور پولیس کے بیچ پہلی ہاتھا آفیشل جھڑپ تھی۔ نان آفیشل اس طرح کہ وہ پولیس والے بغیر کسی وجہ کے زبردستی مجھے تھانے لے جانا چاہتے تھے جبکہ میرے خلاف تھانے میں کسی قسم کی شکایت یا رپورٹ نہیں تھی۔ یہ دراصل اس انسپکٹر کی حرامزدگی تھی جو مجھے پریشان کر رہا تھا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس واقعہ کے بعد میرے خلاف باقاعدہ رپورٹ درج کر لی جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ علاقے کے بعض معززین میری حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور پولیس انسپکٹر ایسا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسی کارروائی کر بیٹھتا کہ اس کے خود پھنس جانے کا احتمال ہوتا۔ حالانکہ ان لوگوں کے پاس ہزار طریقے ہوتے ہیں۔

ہم تینوں دوست کئی روز تک روپوش رہے اور پھر سامنے آ گئے۔ فاطمہ کی موت کے بعد پولیس کے پکڑ میں میرے گھر کی ایک ایک چیز بک چکی تھی۔ اب وہ گھر بھی نہیں رہا تھا۔ ہمیں پیسوں کی ضرورت تھی۔ بعض لوگ ہمدردی میں کچھ دے دیتے تھے۔

انہی دنوں دو تین غنڈوں نے علاقے میں اودھم مچا رکھا تھا۔ وہ دکانداروں سے بھتہ وصول کرنے کے لیے انہیں پریشان کرتے۔ انکار کی صورت میں پٹائی کی جاتی اور توڑ پھوڑ کی جاتی۔

میں نے اپنے دونوں ساتھیوں ٹیڈی اور حضوری کے ساتھ مل کر ان غنڈوں کو علاقے سے مار بھگایا۔ دکاندار اور اس علاقے میں کاروبار کرنے والے ہم سے بہت خوش ہوئے اور مجھے نذرانے کے طور پر ہر ہفتے کچھ نہ کچھ دینے لگے اور یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

علاقے کے دکاندار اور کاروباری لوگ پہلے خوشی سے ہمیں نذرانہ پیش کرتے تھے پھر ہم زبردستی بھتہ وصول کرنے لگے۔ اس کے لیے ہم نے وہی حکمت عملی اپنائی تھی یعنی جو دکاندار بھتہ دے اسے دوسرے غنڈوں سے تحفظ فراہم کیا جائے اور جو نہ دے اس کی نہ صرف پٹائی کی جائے بلکہ اس کی دکان میں بھی توڑ پھوڑ کی جائے۔

بازار میں ٹھیلے والوں سے پہلے پولیس والے بھتہ وصول کرتے تھے۔ پھر یہ کام ہم کرنے لگے۔ جس سے ہماری پولیس سے باقاعدہ ٹھن گئی۔

اب میں پولیس سے نہیں ڈرتا تھا۔ میرے ساتھ دو تین اور لڑکے شامل ہو گئے تھے اور پھر یہ گروہ بتدریج بڑھتا چلا گیا۔ اور گروہ کے تمام لڑکوں نے مجھے اپنا سربراہ تسلیم کر لیا اور میں بہت جلد رنگا دادا کے نام سے مشہور ہو گیا۔

یہ کھنڈر نما بلڈنگ پتا نہیں کس کی ملکیت ہے لیکن یہاں ایک منشیات فروش نے قبضہ جما رکھا تھا' ہم نے کئی ہفتوں کے مقابلے کے بعد انہیں مار بھگایا اور اس بلڈنگ پر قبضہ کر لیا۔

اس دوران اس پولیس انسپکٹر کا یہاں سے تبادلہ ہو گیا۔ نئے آنے والے آفیسر نے پہلے تو حسب معمول ہمیں خوفزدہ کرنے کی کوشش کی اور پھر ایک رات وہ یہاں پہنچ گیا اور ہم میں معاملہ طے پا

گیا۔ ہر دو ہفتوں بعد پانچ لاکھ روپے یعنی دس لاکھ روپے مہینہ۔

دس لاکھ روپے مہینہ دینے کے باوجود ہماری پولیس سے ٹھنی رہتی ہے۔ کبھی کبھار کوئی جھڑپ بھی ہو جاتی ہے آج بھی کوئی ایسی ہی گڑبڑ ہوئی ہے۔ نئے آفیسر کو آئے ہوئے صرف تیسرا دن ہے اور اس نے پندرہ لاکھ روپے کا مطالبہ کر دیا ہے۔ بہرحال' یہ معاملہ بھی طے ہو جائے گا۔

رنگا خاموش ہو کر کچھ دیر تک دیوار پر آویزاں فائلین کو دیکھتا رہا پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔

''تو دوست' یہ ہے میری کہانی۔ اب تم جان گئے ہو گے کہ میں ایک شریف آدمی سے دادا کس طرح بنا؟''

میرے منہ سے بھی گہرا سانس نکل گیا۔ ہر غنڈے اور بدمعاش کا پس منظر ایک جیسا ہی تھا۔ اس ملک میں غنڈوں' بدمعاشوں اور قاتلوں کی تعداد میں اضافہ کرنے میں پولیس کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ یہاں کے پولیس اسٹیشن عقوبت خانے اور جیلیں جرائم کے بڑے ٹریننگ سنٹر ہیں چند ہفتے یا چند مہینے جیل میں گزارنے والا شخص منجھا ہوا مجرم بن کر ہی باہر نکلتا ہے۔

''اور تحریمی' اس کا کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ پاکستان سے بھاگ گیا تھا۔'' رنگا نے جواب دیا۔ ''اور چند مہینوں بعد واپس آیا تو میں اپنے معاملات اور پولیس سے الجھا ہوا تھا لیکن بہرحال' میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ مجھے یہ پتا چل گیا تھا کہ اس نے بعض بااثر لوگوں سے مل کر اپنا برسوں پرانا معاملہ طے کر لیا تھا اور یہاں اس نے اپنا سینڈیکیٹ بنا لیا تھا۔

تحریمی نے اپنے گرد ایک مضبوط حصار بنا لیا تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ اپنے قدم جما لینے کے باوجود میں اس سے براہ راست ٹکر لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا لیکن پس منظر میں رہ کر اسے وقتاً فوقتاً نقصان پہنچاتا رہا۔

وہ ہیروئن کا دھندہ کرتا ہے۔ افغانستان سے پشاور' لاہور اور کراچی اور یہاں سے یورپی ممالک کو ہیروئن سپلائی کی جاتی ہے۔ میں تین مرتبہ اس کا مال پکڑوا چکا ہوں۔ چوتھی مرتبہ تم نے پکڑوا دیا۔ میرے حساب سے تو اتنا نقصان اٹھانے کے بعد اس کی کمر ٹوٹ جانی چاہیے تھی اور اسے اس دھندے سے بھاگ جانا چاہیے تھا۔ لیکن لگتا ہے اس کی پشت بہت مضبوط ہے اور اس بزنس میں عرب شیخوں کا بھی سرمایہ لگا ہوا ہے۔''

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''اور اب تم بھی لگتا ہے اس کے چکر میں آ رہے ہو' تم نے بہت اچھا کیا جو میرے پاس آ گئے۔ اب ہم دونوں اس کے خلاف مشترکہ کارروائی کر سکتے ہیں۔ میں بھی کھل کر سامنے آؤں گا جب دو طرف سے حملہ ہو گا تو وہ یقیناً بوکھلا جائے گا اور یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹنے کی کوشش کرے گا لیکن میں اسے بھاگنے نہیں دوں گا۔ جب تک میں اپنے ہاتھوں سے اسے موت کے گھاٹ نہیں اتاروں گا' مجھے چین نہیں ملے گا اور فاطمہ کی روح کو بھی سکون نہیں ملے گا۔''

''لیکن..... تم ہر وقت تو میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔'' میں نے کہا۔

''ٹیڈی تمہارے ساتھ رہے گا۔'' رنگا نے جواب دیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"یوں تو میرا ہر ساتھی قابل بھروسا اور نڈر ہے لیکن ٹیڈی شروع سے میرے ساتھ ہے تم اس پر آنکھ بند کر کے بھروسا کر سکتے ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "تحریمی کو اس کے بل سے نکالنے کے لیے ضروری ہے کہ تم رضیہ یا جی کی نظروں میں آ جاؤ۔ اگر وہ چھپ کر بیٹھے رہے تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"اور وہ دوسرا آدمی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حضوری؟" رنگا نے جواب دیا۔ "اس پر بھی تم آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہو۔ ان دونوں نے بھی میری طرح اپنے سینوں پر بہادری کے تمغے سجا رکھے ہیں۔ یہ اپنی جان تو دے دیں گے لیکن دشمن کو کبھی پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔"

"ایک بات اور....." میں واقعی ساری باتیں جیسے آج ہی پوچھ لینا چاہتا تھا۔ "وہ لڑکی جو قہوہ لے کر آئی تھی؟" سوال کرتے ہوئے میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"میری دوست ہے۔ ایرانی ہے۔" رنگا نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک مرتبہ مجھے ایران کے ساحلی شہر بندر عباس جانے کا موقع ملا تھا۔ حریری سے وہیں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے شیدی کو اس طرح پسند کر لیا کہ الگ ہونے کو تیار نہیں ہوئی اور میرے ساتھ ہی چلی آئی۔"

"خوش قسمت ہو۔" میں نے کہا۔

"لوگ ہمیں نگیٹو یا پازیٹو کہتے ہیں اور میں نے کبھی برا نہیں مانا۔" رنگا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

میں بھی مسکرا دیا۔ وہ دونوں واقعی نگیٹو پازیٹو تھے۔ حریری ایسی گوری چٹی کہ ہاتھ لگائے میلی ہو جائے اور رنگا کالا بھجوت۔

"اچھا دوست۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا میری چیزیں واپس مل سکتی ہیں۔ جب میں یہاں آیا تھا تو ٹیڈی نے میری تلاشی لے کر سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔"

"ایک منٹ۔" رنگا نے ایک ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کوئی نمبر ملایا۔ چند سیکنڈ بعد بلوچی زبان میں کچھ کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ اس کے دو منٹ بعد ٹیڈی کمرے میں داخل ہوا اور میرا پستول، نوٹوں کا بنڈل، کھلی رقم اور دوسری چیزیں میرے سامنے رکھ دیں۔

"تمہاری امانت ہے واجا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم گن لو۔"

"مجھے تم پر کوئی گمان نہیں۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹیڈی۔" رنگا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کل سے تم واجا جی کے ساتھ رہو گے۔" وہ اسے میرے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا "تا جی اور ہم ایک ہیں۔ ہم سب ایک اکائی کی طرح کام کریں گے۔"

"جو حکم واجا۔" ٹیڈی نے جواب دیا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے اپنے پچھلے رویے پر معذرت کرنے لگا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کی معذرت قبول کر لی اور اس سے کل کی ملاقات کا پروگرام بنانے لگا۔

باتیں کرتے ہوئے میری نظریں دیوار گیر کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔ میں تقریباً نو بجے کے

قریب یہاں آیا تھا اور اب ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ کام کی ساری باتیں ختم ہو چکی تھیں میں آج کی کارروائی سے مطمئن تھا۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھ رہا تھا کہ مجھے رنگا جیسا آدمی مل گیا تھا اور میں کراچی میں بھی رضیہ اور شاہ جی جیسے لوگوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ شاہ جی اور رضیہ کی بیک پر تحریمی تھا جو رنگا کا دشمن تھا بلکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور مجھے یقین تھا کہ آنے والے دن خاصے سنسنی خیز ثابت ہوں گے۔

فون کی گھنٹی بجی تو رنگا نے ریسیور اٹھا لیا۔ چند لمحے بات کی اور پھر ریسیور رکھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"واجا! تم اس طرف چلے جاؤ، ہم دو منٹ میں آتے ہیں۔" اس نے دیوار کے سامنے تنے ہوئے پردے کی طرف اشارہ کیا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس پردے کے دوسری طرف وہ قیامت تھی جسے دیکھ کر میرا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ رنگا اور ٹیڈی اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ میں بھی اٹھ کر اس پردے کی طرف بڑھ گیا۔ نہ جانے مجھے کسی گڑبڑ کا احساس کیوں ہونے لگا تھا۔

میں درمیان سے پردہ ہٹا کر جیسے آگے بڑھا میرے منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی اور میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میرا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ میں ایک ہاتھ سے پیشانی سہلانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی بڑی شدید قسم کی حیرت میں غوطہ زن ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے رنگا اس جگہ پردے کے پیچھے سے برآمد ہوا تھا۔ پھر وہ حسینہ قہوہ لے کر ٹھیک اسی جگہ سے نمودار ہوئی تھی اور پھر وہ شیدی بھی اس جگہ سے ہمارے کمرے میں داخل ہوا تھا لیکن میرے سامنے کنکریٹ کی ٹھوس دیوار تھی جس نے میرا راستہ روک لیا تھا۔ میرا سر اس دیوار سے ٹکرایا تو میرا دماغ جھنجنا اٹھا تھا۔

"سوری واجا۔" رنگا جلدی سے بولا۔ "مجھ سے غلطی ہو گئی، تمہارا ناریل پھوٹا تو نہیں؟"

"نہیں۔" معمولی سی چوٹ ہے لیکن....."

رنگا میری معذرت سنے بغیر دوبارہ کشن پر بیٹھ گیا اور ہرے رنگ کے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کر ایک بار پھر پردے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔ اس مرتبہ دیوار تمہارا راستہ نہیں روکے گی۔"

میں نے اس مرتبہ عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بڑے آرام سے پردہ ہٹایا۔ اب میرے سامنے سے دیوار غائب تھی۔ وہ راستہ دروازے کی طرف تھا۔ میں نے رنگا کی طرف دیکھا۔

"میرا انتظار کرنا، مجھے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" رنگا نے کہا۔

میں دوسری طرف آ گیا۔ اس طرف مختصر سی راہداری تھی۔ میں دوسری طرف کھڑے ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ فرش سے چھت تک دیوار کا ایک حصہ سلائیڈنگ ڈور کی طرح اپنی جگہ سے سرک رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ راستہ اس طرح بند ہو گیا جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ اس دیوار کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کوئی راستہ ہوگا اور دیوار کے اس میکنزم کا تعلق یقیناً ہرے رنگ کے اس ٹیلی فون سے تھا جس پر کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں ابھی اس دیوار کو گھور ہی رہا تھا کہ عقب سے ایک نہایت شیریں آواز سن کر اچھل پڑا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے میرے کانوں کے قریب اچانک ہی چاندی کی گھنٹیاں کھنک اٹھی ہوں۔

''خوش آمدید۔''

میں نے مڑ کر دیکھا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میرے سامنے وہی قیامت کھڑی تھی' لیکن اس وقت اس کا لباس مختلف تراش اور مختلف رنگ کا تھا۔ ویسے لگتا یہی تھا جیسے قدیم بغداد کی الف لیلیٰ کا کوئی کردار زندہ ہو کر میرے سامنے آ گیا ہو۔

اسے نہ شلوار کہا جا سکتا تھا نہ پاجامہ' گھٹنوں سے اوپر تھیلے کی طرح بہت ڈھیلا جس میں بے شمار چنٹیں پڑی ہوئی تھیں اور ٹخنوں سے قریب ٹانگوں سے چپکا ہوا۔ پائینچے پر الاسٹک یا بٹن لگے ہوئے تھے۔ کمر پر تقریباً چار انچ چوڑی سنہری پٹی جو بیلٹ کی طرح لپٹی ہوئی تھی' سامنے درمیان میں روپے کے سکے کے برابر سفید ریشمی کپڑے کا دائرہ تھا جس پر یاقوت یا اس جیسا رخ رنگ کا کوئی موتی چمک رہا تھا۔

جسم کے بالائی حصے کے لباس کو چولی ہی کہا جا سکتا تھا جس کی آستین چار انچ سے زیادہ لمبی نہیں تھی۔ کندھوں پر آستینوں کے پف سے بنے ہوئے تھے۔ چولی کا گریبان اس کی دلنواز مسکراہٹ کی طرح خاصا فراخ تھا۔ چولی کے اختتام پر پیٹ کا کچھ حصہ کندن کی طرح چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

سر پر کسی قسم کی اٹھی ہوئی ٹوپی یا کلاہ تھا جس پر سفید شیفون کا دوپٹہ پگڑی کی طرح لپٹا ہوا اس کا پلو اس کی پشت پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

''بالکل وہی عمر خیام کی رباعی۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ میں صرف سیٹرک پاس آدمی' میری زندگی جرائم کی دنیا میں گزری تھی۔ عمر خیام کو میں کیا جانوں' اسے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے اعلیٰ ذوق اور زبان دانی کی ضرورت تھی لیکن بار بار عمر خیام کا تذکرہ اس لیے کر رہا ہوں کہ جب عرصہ پہلے میں لاہور میں اپنی مجرمانہ سرگرمیوں میں مصروف تھا تو ایک روز نولکھا بازار میں ایک کتب فروش کی دکان کے سامنے گزرتے ہوئے ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ دکان کے دروازے کے قریب ہی ایک کیلنڈر لٹکا ہوا تھا جس پر ایسی ہی حسینہ کی بہت ہی خوبصورت تصویر چھپی ہوئی تھی۔ میں دکان میں داخل ہو گیا۔ اندر اس قسم کی چند تصویریں فریموں میں بھی آویزاں تھیں۔

اور پھر یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ سیٹھ عبداللہ نامی وہ پبلشر ہر سال عمر خیام کی رباعیات پر اس قسم کے کیلنڈر چھاپا کرتا ہے۔ میں عمر خیام کو پڑھے بغیر اس کی شاعری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اگر وہ ایسی ہی حسیناؤں کو دیکھ کر اشعار کہا کرتا تھا تو وہ واقعی ایک باذوق آدمی تھا۔ بہرحال' میں نے اس دکان سے کئی فریم خرید کر اپنے گھر کے کمروں میں آویزاں کر لیے تھے۔

''عمر خیام مجھے دیکھ کر ہی تو شعر کہتا تھا۔''

وہ کھنکتی ہوئی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔

''اوہ!'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ یہ حسینہ باذوق بھی تھی۔ ''تو پھر تمہاری عمر میں کیا سوچوں' کیا سمجھوں؟''

اس نے ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ لگایا پھر بولی۔

''اب میں کسی کھنڈر کی طرح اتنی قدیم بھی نہیں ہوں۔ عمر خیام کی شاعری تو ہر دور کے لیے ہے۔ صدیوں پہلے میں نہیں تھی مجھ جیسی کوئی اور ہو گی جنہیں دیکھ کر وہ بہک جاتا تھا اور شعر کہتا تھا اور آج وہ زندہ ہوتا تو مجھے دیکھ کر جام پیے بغیر بہک جاتا اور ویسے ہی اشعار کہتا۔''

''درایں چہ شک!'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''اوہ!'' اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ ''فارسی جانتے ہو؟''

''نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''بہت عرصہ پہلے اپنے ایک جاننے والے سے یہ جملہ سنا تھا۔ اس وقت بے اختیار زبان سے نکل گیا۔ شاید کسی ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا تھا۔''

''درایں چہ شک۔'' وہ مسکرا دی۔ ''مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی مہمان مہربان کہ میں نے تمہیں دیر تک یہاں روکے رکھا۔ آؤ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ رنگا کو آنے میں تاخیر ہو گی۔''

وہ مجھے ایک ایسے کمرے میں لے آئی جو شاندار طریقے سے آراستہ تھا۔ یہاں بھی فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا' جس میں پیر دھنس رہے تھے۔ دیواروں پر شاہکار پینٹنگز آویزاں تھیں اور ان پینٹنگز کے درمیان حریری کی ایک خوبصورت دس بائے بارہ انچ سائز کی رنگین تصویر بھی آویزاں تھی۔ یہ کیمرے کا پورٹریٹ تھا اور اس میں بھی حریری نے ایسا ہی لباس پہن رکھا تھا۔ رنگا نے بتایا تھا کہ وہ ایرانی تھی۔ ایران تو بہت ماڈرن ہو چکا تھا۔ وہاں کی عورتیں تو اسکرٹ بلاؤز پہنتی تھیں لیکن حریری کو شاید یہ لباس زیادہ پسند تھا۔

میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی حریر کی طرح تھی۔ نرم و ملائم' ملکوتی حسن کی مالک اور اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ اپنے قیامت خیز حسن سے بخوبی آگاہ تھی۔

فرشی نشست پر اس قیامت کے سامنے بیٹھنا میرے لیے واقعی قیامت ہو رہا تھا۔ اس کے بات کرنے کا انداز' اس کی کھنکتی ہوئی آواز اور اس کی ہر ادا میرے دل پر قیامت ڈھا رہی تھی۔

آدھا گھنٹہ میرے لیے واقعی قیامت بن کر گزرا تھا۔ ہر لمحہ میری یہ کوشش رہی تھی کہ مجھ سے کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ یہاں کسی جگہ کوئی کیمرہ پوشیدہ تھا جو میری ہر حرکت کو کسی اور کمرے میں ٹی وی اسکرین پر اجاگر کر رہا ہو گا' اس لیے میں بہت زیادہ محتاط بھی تھا۔

اور پھر رنگا کو دروازے میں نمودار ہوتے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ آگے نہیں آیا تھا اس نے وہیں رک کر اشارہ کیا اور میں اٹھ کر اس کے ساتھ آ گیا۔

حریری اس کمرے سے نکل کر ایک راہداری تک ہمارے ساتھ آئی تھی اور پھر وہیں رک گئی۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے احمریں ہونٹوں پر بڑی دل فریب الوداعی مسکراہٹ تھی اور پھر میں رنگا کے ساتھ دوسری راہداری میں مڑ گیا۔

اور پھر یہ انکشاف میرے لیے بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ اس وقت میں اس بوسیدہ عمارت میں نہیں بلکہ اس کے ساتھ والی جدید طرز تعمیر کی حامل عمارت میں تھا۔ یہ عمارت فلیٹوں پر مشتمل تھی۔ ہم ایک فلیٹ کے دروازے سے باہر نکلے تو راہداری میں ایک میمن جوڑے سے سامنا ہو گیا۔ ادھیڑ عمر آدمی نے بڑے ادب سے ہاتھ اٹھا کر رنگا کو سلام کیا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رنگا بتا رہا تھا کہ یہ نئی عمارت اس پرانی عمارت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ جب اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی تو اس نے یہاں تین فلیٹ بک کروالیے تھے اور پھر بعد میں لاکھوں روپے خرچ کر کے اس بوسیدہ عمارت اور اس نئی عمارت کے بیچ دیوار میں وہ خفیہ راستہ بنوایا تھا جس کے بارے میں اس کے دو چار وفاداروں کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔

جب میں رنگا کے ساتھ سیڑھیاں اترتا ہوا اس عمارت سے باہر نکلا تو مرکزی گیٹ کے سامنے ٹیڈی ہمارا منتظر تھا۔

''او کے واجا۔'' رنگا میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

''پھر کسی وقت ملاقات ہوگی۔ تم ٹیڈی کے ساتھ اپنا پروگرام طے کرلو۔ یہ مجھے صورتحال سے آگاہ کرتا رہے گا۔''

میں نے رنگا سے ہاتھ ملایا اور ٹیڈی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اگرچہ بارہ سے اوپر کا وقت تھا مگر یوں لگتا تھا جیسے اس علاقے میں ابھی شام اتری ہوئی۔ مرکزی چوک پر تو بڑی رونق تھی۔ تمام ریسٹورنٹس کھلے ہوئے تھے۔ پان کے کھوکھوں اور کولڈ ڈرنکس کی دکانوں کے سامنے بھی لوگ ٹولیوں کی صورت میں کھڑے گپ شپ کرتے ہوئے وقت گزار رہے تھے۔

کراچی واقعی عروس البلاد تھا۔ یہاں بعض علاقوں میں تو رات ہوتی ہی نہیں تھی۔

میں ٹیڈی کے ساتھ چلتے ہوئے کل کا پروگرام بنا رہا تھا اور پھر ایک جگہ ہم رک گئے۔ وہ بھی ایک بارونق چوک تھا۔ ایک طرف دو تین خالی ٹیکسیاں اور تین چار رکشے بھی کھڑے تھے۔ میں نے ٹیڈی سے ہاتھ ملایا اور ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی میں سفر کرتے ہوئے میں ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بائیں طرف بیٹھا کرتا تھا۔ وجہ کوئی خاص نہیں تھی لیکن یہ میری عادت بن چکی تھی۔ باہر کھڑے ہوئے ڈرائیور نے بھی اپنی سیٹ سنبھال لی اور انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے میری منزل کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے کریم آباد کہہ کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔

ٹیکسی حرکت میں آئی اور اب مجھے نرگس کا خیال آنے لگا۔ اتنی دیر میں واقعی اسے بھولا رہا تھا لیکن وہ میرے لیے یقیناً بہت پریشان ہوگی۔

ٹیکسی گنجان آبادی والی تنگ سی گلیوں میں چکراتی رہی۔ سڑک کے دونوں طرف بلند عمارتیں تھیں۔ ہر عمارت کے ڈربہ نما فلیٹوں میں رہنے والے نجانے کس طرح زندگی گزار رہے تھے۔ شروع میں جب ہمیں مکان کی تلاش تھی تو پراپرٹی ایجنٹ نے ہمیں دو تین فلیٹ بھی دکھائے تھے لیکن ہمیں کوئی فلیٹ پسند نہیں آیا تھا۔ ہم کھلی فضا میں زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ کسی فلیٹ میں قدم رکھتے ہی دم گھٹنے لگتا تھا۔

ٹیکسی بہت دیر بعد ان گلیوں سے نکل کر مولوی مسافر خانہ کے قریب بندر روڈ پر آ گئی۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور شام سے اب تک کے حالات پر غور کرنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ واقعی خوش نصیب تھا کہ رنگا جیسے آدمی سے ملاقات ہوگئی تھی اور اب مجھے کوئی پریشانی نہیں رہی تھی۔''

ٹائروں کی چرچراہٹ اور ٹیکسی کو لگنے والے زوردار جھٹکے سے میں اپنی جگہ سے اچھل کر اگلی سیٹ کی پشت سے ٹکرایا۔ رنگا کے فلیٹ میں دیوار پر ٹکرانے سے میری پیشانی ابھی تک دکھ رہی تھی اور اب پیشانی

ہی سیٹ کی پشت سے ٹکرائی تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار کراہ خارج ہوگئی۔

میں جھٹکا کھا کر دوبارہ اپنی سیٹ کی پشت سے ٹکرایا اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا، ٹیکسی کے دونوں طرف کے دروازے ایک جھٹکے سے کھلے اور مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔

دونوں طرف سے خوفناک صورت والے دو آدمیوں نے مجھے پستولوں کی زد پر لے رکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

''نیچے اترو۔'' وہ آواز کسی بھیڑیے کی خوفناک غراہٹ سے مشابہ تھی۔ ''کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو کھوپڑی اڑادوں گا۔''

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے ڈرائیور کی طرف دیکھا اس کا چہرہ خوف سے پیلا ہو رہا تھا۔

میں بائیں طرف والے دروازے سے ٹیکسی سے اتر آیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ پرانی نمائش کا چوراہا تھا اور ہماری ٹیکسی سڑک کے انتہائی بائیں طرف ایک پرانی بنگلہ نما دو منزلہ عمارت کے قریب کھڑی تھی۔ اس سے دو تین گز آگے سرخ رنگ کی شیراڈ بھی کھڑی تھی جس کے اسٹیئرنگ کے سامنے کوئی بیٹھا ہوا تھا۔

آدھی رات بیت چکی تھی۔ پرانی نمائش کے اس چوراہے پر بسوں، ویگنوں اور دیگر گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی مگر کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ایک آدمی کو اسلحہ کے زور پر اغوا کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ یہاں تو دن دہاڑے بھری پری سڑکوں پر اغوا کرلیا جاتا ہے اور کوئی دھیان نہیں دیتا۔ آدھی رات کو کس کی شامت آئی تھی کہ مداخلت کرتا۔

''اپنی ٹیکسی یہاں سے بھگا کر لے جاؤ اور پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش مت کرنا۔'' دوسرے آدمی نے ٹیکسی ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے غرا کر کہا۔ ''اور اگر کہیں پولیس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں بچو گے۔''

''نہیں مائی باپ میں ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔'' ٹیکسی والا گھگیایا اس نے انجن اسٹارٹ کر کے ٹیکسی کو زوردار جھٹکے سے آگے بڑھادیا کہ کہیں اسے جانے کی اجازت دینے والے کی نیت نہ بدل جائے۔ ٹیکسی طوفان کی طرح گرومندر کی طرف چلی گئی تھی۔

ان دونوں آدمیوں نے مجھے پستولوں کی زد پر لے رکھا تھا۔ وہ مجھے دھکے دیتے ہوئے آگے کھڑی ہوئی سرخ شیراڈ کے قریب لے آئے۔ ایک نے میرا لباس تھپتھپا کر پتلون کی جیب سے پستول نکال لیا اور کار کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف چلا گیا۔ دوسرے شخص نے کار کا پچھلا دروازہ کھول کر مجھے اندر دھکیل دیا اور خود بھی میرے ساتھ بیٹھ کر دروازہ بند کردیا۔ دوسری طرف سے دوسرا آدمی بھی کار میں بیٹھ چکا تھا۔ میں ان دونوں کے بیچ سینڈوچ بن کر رہ گیا تھا اور ان دونوں کے پستولوں کی نالیں میرے دونوں طرف پہلوؤں میں چبھ رہی تھیں۔

کار کا انجن اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اس کی صورت دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ جمی تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"ہیلو!" جمی کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ہیلو ہائے بعد میں کر لینا جمی کے بچے پہلے یہاں سے نکلو۔ ہری اپ۔" میرے بائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کے منہ سے غراہٹ سی نکلی۔

جمی نے سیدھے ہو کر کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ اس کا رخ بریٹو روڈ کی طرف تھا۔ یہ سڑک زیادہ طویل نہیں تھی۔ اس کے دونوں طرف پرانی طرز کی وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں اور سڑک پر گہرا سناٹا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف اونچے اور گھنے درختوں کی وجہ سے سناٹا کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔

تقریباً دو سو گز آگے شیراڈ مولجر بازار والی سڑک پر بائیں طرف مڑ گئی اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک پیٹرول پمپ کے دائیں طرف کی گلی میں گھوم گئی۔

جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مانک جی اسٹریٹ تھی۔ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ اس کے دونوں طرف بھی قدیم طرز تعمیر کی حامل بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں اور یہ سڑک بھی سنسان تھی۔

اور پھر اس علاقے میں گھومنے کے بعد شیراڈ ایک ایسی ہی قدیم کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو گئی۔ کوٹھی کی اصل عمارت گیٹ سے کم از کم بیس گز کے فاصلے پر تھی۔ شیراڈ بجری کے روش پر رینگتی ہوئی وسیع پورچ میں رک گئی۔

مجھے کار سے اتار لیا گیا۔ دونوں آدمی منکر نکیر کی طرح میرے دائیں بائیں پستولیں لیے کھڑے تھے۔ میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا کہ کمپاؤنڈ میں تاریکی ہونے کے باوجود میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہاں جھاڑ جھنکار کے سوا کچھ نہیں تھا اور یہ کوٹھی بھی غالباً باقاعدہ آباد نہیں تھی اور اس لیے دیکھ بھال پر زیادہ توجہ نہیں تھی۔

برآمدہ تقریباً تین فٹ اونچا تھا جس پر چڑھنے کے لیے پتھر کی دو سیڑھیاں تھیں جو ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔

جمی کار کا انجن بند کر کے ہم سے پہلے ہی اچھل کر تاریک برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا اور پھر سامنے والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دونوں آدمی مجھے بھی پستولوں کی زد میں لیے اسی دروازے میں داخل ہو گئے۔

میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ ان دونوں میں سے اگر ایک کے پاس پستول ہوتا تو میں پرانی نمائش والے چوک پر راستے میں یا یہاں کار سے اترتے ہوئے اپنی آزادی کی کوشش کر سکتا تھا لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ ان دونوں کے پاس پستول تھے۔ ایک طرف سے کوشش کرتا تو دوسری طرف سے مارا جاتا۔ لہٰذا میرے بچنے کا کوئی چانس نہیں تھا اور اس دروازے میں داخل ہونے کے بعد تو یہ چانس بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ لیکن میں مایوس نہیں تھا۔ زندگی میں مایوس ہونا سیکھا ہی نہیں تھا امید کا دامن ہمیشہ آخری وقت تک تھامے رکھا تھا اور مجھے کبھی مایوسی نہیں ہوئی تھی۔

راہداری کے سامنے ایک وسیع ہال تھا اور میری توقع کے عین مطابق وہاں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ خالی فرش پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اس ہال میں اگرچہ کوئی بلب وغیرہ روشن نہیں تھا لیکن دائیں طرف کی راہداری سے مدہم سی روشنی اس طرف پہنچ رہی تھی۔

مجھے اس راہداری کی طرف دھکا دے دیا گیا۔ یہ راہداری کافی کشادہ تھی جس کے اختتام پر ایک دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا اور میرے خیال میں یہ دروازہ عقبی سمت کھلتا تھا۔

راہداری میں ایک طرف ایک دروازہ اور اس کے سامنے دو دروازے تھے اور روشنی اس طرف کے ایک نیم وا دروازے سے جھلک رہی تھی۔

جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں جمی کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں جیسے ہی دو قدم آگے بڑھا جمی نے میرے چہرے پر زوردار گھونسہ جڑ دیا۔ گھونسہ اچانک اور اس قدر شدید تھا کہ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ پورا جبڑا ہل گیا اور میرے خیال میں ایک آدھ دانت بھی اپنی جگہ سے ہل گیا تھا۔

میں اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ لڑکھڑا کر رہ گیا اور اس سے پہلے کہ سنبھل سکتا جمی نے دوسرا وار کر دیا۔

یہ گھونسہ میرے سر کی طرف آیا تھا جس سے بچنے کے لیے میں ایک طرف جھکا۔ میرا سر تو بچ گیا مگر وہ گھونسہ وزنی ہتھوڑے کی طرح میری گردن پر لگا اور اس مرتبہ میں لڑکھڑا کر گرد آلود فرش پر گر گیا۔

"میں اس رات کی مار نہیں بھولا ہوں۔" جمی کے حلق سے کتے جیسی غراہٹ نکلی۔ "پہلے میں تم سے اپنی اس مار کا بدلہ لوں گا اور اس کے بعد تم سے کچھ پچھلا حساب لیا جائے گا جس کے لیے یہ دونوں کچھ زحمت کریں گے۔"

اس کے ساتھ ہی جمی نے ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ کم بخت میرے جسم کے ہر حصے کو گرما رہا تھا۔ جمی غالباً سگریٹ نوشی کا عادی تھا۔ بہت جلد اس کا سانس پھول گیا۔

"بس کرو جمی۔" میرے ساتھ آنے والے دونوں آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔ اس کی رنگت قدرے سانولی اور چہرے پر چیچک کے داغ تھے قد ساڑھے پانچ فٹ کے قریب اور جسم کسرتی تھا۔ "ہم نے تم سے اپنی مار کا بدلہ لینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ساری رات تمہارے لیے وقف نہیں کر سکتے ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

جمی نے دو تین ٹھوکریں اور رسید کر دیں اور ایک طرف کھڑے ہو کر ہانپنے لگا۔ میں اسے اس طرح ہانپتے دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

میں دونوں ہاتھ فرش پر ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ چیچک والے نے میرے کندھے پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔

"اٹھو۔" وہ غرایا۔ "بہت عیش کر لیے تم نے کراچی میں۔ اب ذرا تھوڑی تکلیف اٹھانے کے لیے بھی تیار ہو جاؤ۔"

"اٹھنے کا موقع دو گے تو اٹھ سکوں گا نا۔" میں نے کہا اور ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا اور اس مرتبہ اس شخص نے مجھے ٹھوکر نہیں ماری۔

"تمہارے دو مختلف کھاتے ہیں جن کا حساب کرنا ہے۔" چیچک زدہ چہرے والے نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "لاہور میں رضیہ کے گھر سے چوری کی ہوئی رقم اور اس کی جائیداد فروخت کر کے حاصل ہونے والی رقم' ویسے تم ہو بہت دلیر آدمی تم نے جس طرح جعلسازی سے رضیہ کی جائیداد فروخت کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تھی وہ قابل تعریف ہے۔ بہرحال رضیہ کا حساب تو تم سے ہم کریں گے اور تم نے بندرگاہ پر ہمارا جو مال پکڑوایا تھا اس کا حساب تم سے باس لے گا۔ ویسے یہ حساب کچھ زیادہ ہی لمبا ہے ڈھائی سو کلو ہیروئن تھی۔ عالمی منڈی میں ایک کروڑ روپیہ فی کلو کے حساب سے ڈھائی ارب بنتے ہیں۔ بڑی لمبی رقم ہے سو بار جنم لے کر بھی ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارا باس تم سے زیادہ عقلمند ہے وہ کسی پر ادھار نہیں چھوڑتا۔ اپنی رقم وصول کرنے کے ہزاروں طریقے جانتا ہے۔"

"تمہارا باس کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تحریکی۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن فی الحال تمہیں اس کے بارے میں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بعد کی بات ہے فی الحال تو ہم تم سے رضیہ کا حساب لیں گے۔"

"رضیہ کے حساب سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے کہا۔ "یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں جانوں اور وہ جانے تم مداخلت کرنے کا کیا حق رکھتے ہو؟"

"حق رکھتے ہیں۔" وہ بولا۔ "رضیہ ہمیں خوش کر رہی ہے تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم بھی کسی معاملے میں اس کی تھوڑی بہت مدد کر دیں۔ تم سے حساب لینے کی اجازت ہمیں رضیہ نے دی تھی چاہو تو خود پوچھ سکتے ہو۔" اس نے کہتے ہوئے اندرونی دروازے کی طرف دیکھا۔

اس لمحے دروازہ کھلا اور رضیہ نمودار ہوئی۔ اسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ سب سے زیادہ قابل توجہ بات اس کا لباس تھا بہت ہی شرمناک لباس پہن رکھا تھا اس نے۔

"یہ دنیا بہت چھوٹی ہے ناجی۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "آج نہیں تو کل تم ہماری نظروں میں آ ہی جاتے' بہرحال تم بہت جلد ہماری نگاہ میں آ گئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی۔ پھر بولی:

"آج اتفاق سے ہمارے ایک بندے نے تمہیں لیاری کے علاقے میں گھومتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس نے تمہاری نگرانی جاری رکھی تم اس تھرڈ ریٹ غنڈے سے ملنے گئے تھے جو اپنے آپ کو بہت بڑا داداکہتا ہے۔"

"آدھے گھنٹے تک جب تم اس کے اڈے سے باہر نہیں نکلے تو ہمارا آدمی سمجھ گیا تمہیں وہاں دیر لگے گی اس نے عقلمندی یہ کی کہ فون پر بابل کو اطلاع دیدی۔" اس نے چیک زدہ شخص کی طرف دیکھا۔ "ہم نے فوراً ہی پلاننگ کر لی اور تمہیں یہاں لانے کا منصوبہ بنا لیا گیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ اب تم چوہے دان میں پھنس چکے ہو۔"

"تم نے اس غنڈے سے رابطہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔" چیک زدہ شخص نے کہا۔ "ہمارے باس تحریکی اور رنگا میں پہلے ہی ٹسل چل رہی ہے۔ تحریکی کو جب پتہ چلے گا کہ تم اس کے خلاف مدد لینے کے لیے رنگا کے پاس گئے تھے تو اس کا غصہ بڑھ جائے گا۔ ویسے بھی جو شخص اپنی بہن کی عزت کی حفاظت نہ کر سکا ہو وہ کسی اور کی کیا مدد کرے گا۔"

اب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ انہوں نے میرا تعاقب کر کے مجھے کس طرح گھیرا تھا اور

میرے خیال میں یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ انہوں نے بیچ راستے ہی میں اچک لیا تھا اگر وہ میرا تعاقب کرتے ہوئے میرے ٹھکانے تک پہنچ جاتے تو مجھے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

مجھے ایک بار پھر نرگس کا خیال آ گیا۔ اس وقت ڈیڑھ بجنے والا ہو گا وہ یقیناً بہت پریشان ہو گی۔

"کیا خیال ہے بالے؟" چیک زدہ شخص بابل نے اپنے تیسرے ساتھی کی طرف دیکھا۔ "پہل کون کرے گا؟"

"میرا خیال ہے یہ معاملہ چونکہ رضیہ کا ہے اس لیے رضیہ ہی کو پہل کرنے کا موقع دینا چاہیے۔ لیکن ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ یہ زیادہ زخمی نہ ہونے پائے۔"

"اس بات کا خیال ہم رکھے گا ڑے!"

کھڑکی کی طرف سے یہ آواز سن کر میں کیا سب ہی اچھل پڑے تھے۔ ٹیڈی کی آواز پہچاننے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

بابل نے بڑی تیزی سے کھڑکی کی طرف گولی چلائی۔ اس کھڑکی میں صرف دو ہی شیشے ثابت بچے تھے' گولی ایک شیشے کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔ گولی کی آواز کے ساتھ شیشہ ٹوٹنے کے چھناکے کی آواز بھی سناٹے میں پھیل گئی تھی۔

رضیہ اس وقت مجھ سے دو تین قدم کے فاصلے پر تھی' فائر کی آواز سے اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ اس نے اندرونی دروازے کی طرف لپکنے کی کوشش کی تو میں نے برق رفتاری سے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا اور اس کے دونوں ہاتھ موڑ کر اس طرح پیچھے کر دیئے کہ وہ میرے سامنے ڈھال بن گئی۔ میں اسے کھینچتا ہوا پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ گیا۔

اسی لمحہ فضا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس مرتبہ گولی باہر سے چلائی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بابل کی چیخ بھی گونج اٹھی۔ گولی نے اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دیا تھا اور وہ تیورا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

بالے نے فوراً ہی اپنا پستول والا ہاتھ میری طرف اٹھا دیا۔ لیکن میں مطمئن تھا۔ میں نے رضیہ کو ڈھال بنا رکھا تھا۔ اگر ان کے سامنے رضیہ کی کوئی اہمیت تھی تو وہ یقیناً گولی نہیں چلائے گا۔ جمی نے بھی ایک طرف چھلانگ لگاتے ہوئے جیب سے پستول نکالنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ باہر سے دوسری کھڑکی سے گولی چلائی گئی۔ جمی چیختا ہوا گرد آلود فرش پر گرا گولی نے اس کا سیدھا گھٹنا توڑ دیا تھا۔

"اڑے او چوہے کی اولاد۔" باہر سے ٹیڈی کی آواز سنائی دی۔

"اپنا پستول زمین پر پھینک دو نیچ آدمیوں نے اس کوٹھی کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ تم لوگ بچ کر نہیں جائے گا پستول پھینک دو ڑے ورنہ تم سب کا ناریل پھوڑ دے گا۔"

جمی زخمی گھٹنا تھامے بری طرح چیخ رہا تھا۔ رضیہ میرے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ بالے تذبذب کا شکار تھا۔

"ہمارا دوست کو چھوڑ دو۔" باہر سے ٹیڈی کی آواز سنائی دی۔

"ہم وعدہ کرتا ہوں تم لوگوں کو کچھ نہیں بولے گا۔ اگر میرا تین بولنے تک پستول نہیں پھینکا تو تم

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔" صرف ایک لمحہ کو خاموشی ہوئی اور پھر ٹیڈی نے گنتی شروع کردی۔ اس نے دو کہا تھا کہ رضیہ چیخ اٹھی۔

"بالے پھینک دو پستول' پھینک دو۔"

اور پھر بالے نے پستول پھینک دیا۔

"اس دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوجاؤ۔ تمہارے ہاتھ سر سے اوپر دیوار پر ہونے چاہئیں۔" ٹیڈی نے دوسرا حکم دیا۔ "اور لنگڑے تم بھی اپنا پستول جیب سے نکال کر پھینک دو اور لمبو کے پاس چلے جاؤ۔"

جمی نے بڑی مشکل سے پتلون کی جیب سے پستول نکال کر پھینک دیا اور گھسٹتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے ابھی تک رضیہ کو گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے کسمسا رہی تھی اور پھر میں نے اچانک ہی اس کے ہاتھ چھوڑتے ہوئے زوردار دھکا دیا۔ وہ منہ کے بل گری۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ پیشانی فرش سے ٹکرائی تھی اور خون بہہ نکلا تھا۔

اس لمحہ ٹیڈی کھڑکی کے اوپر چڑھ کر اندر کود آیا۔ وہ اکیلا تھا۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس نے کوٹھی کو گھیرے میں لیے جانے کی جو تڑی دی تھی' وہ بلف تھا اور اس کا بلف سو فیصد کامیاب رہا تھا۔

"واجا!" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ان تینوں کو باندھ کر ڈال دو۔ ہم لوگ کو یہاں سے جلدی نکلنا ہے۔"

میں سب سے پہلے رضیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ لباس شرمناک ہونے کے باوجود اس نے دوپٹہ بھی کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ محض شوقیہ طور پر۔ میں نے دوپٹہ کھینچا تو وہ چیخنے چلانے لگی۔

"کیوں چیخ تا اے رے چھوکری؟" ٹیڈی غرایا۔ "واجا کوئی تمہارا ساتھ زولم تو نہیں کرتا پڑا ہے' تمہارا چیخم چیخی بے کار ہے۔ کوئی تمہارا آواز نہیں سنے گا۔"

اور واقعی رضیہ کی چیخیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ یہ بڑی بڑی رہائشی کوٹھیوں پر مشتمل علاقہ تھا۔ دولت مند لوگوں کی رہائش تھی ان کوٹھیوں میں اور دولت مند لوگ دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ نہیں اڑاتے۔ مین روڈ سے بھی یہ علاقہ دُور تھا۔ چھوٹی سڑکیں تھیں' پولیس کی گشتی پارٹیاں بھی اس طرف کم ہی چکر لگاتی ہوں گی۔ اگر کوئی فون پر پولیس کو اطلاع دے دے تو دوسری بات تھی۔ لیکن ہمیں فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس لیے رضیہ کے چیخنے کی بھی ہمیں پروا نہیں تھی۔

میں نے دوپٹے سے رضیہ کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور اسی دوپٹے کے دوسرے سرے سے اس کے پیر بھی جکڑ دیئے۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اس نے دانت کچکچاتے ہوئے پرانی دھمکی دُہرائی۔

"تمہارے ٹکڑے کرکے پھینک دوں گی کتوں کو کھلا دوں گی۔"

"ہمارے جانے کے بعد یہاں کتے آئیں گے اور فی الحال تو وہ تمہارے اس گداز اور حسین جسم پر دعوت اڑائیں گے۔" میں نے کہا اور اٹھ کر بالے کے قریب آ گیا۔

بالے بھی شاید سمجھ گیا تھا کہ ٹیڈی نے چھ آدمیوں کی موجودگی کی دھمکی دی تھی۔ کیونکہ اب تک ٹیڈی کے علاوہ اسے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دی تھی اور شاید اس لیے اس نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کرلیا تھا۔

ہاتھ پیر باندھنے کے لیے کوئی رسی وغیرہ نہیں تھی اور میرے خیال میں یہ کام بالے اور جمی کی بیلٹوں سے لیا جاسکتا تھا۔ میں بالے کی بیلٹ کھولنے کے لیے اس کے قریب پہنچا' اس کی پشت پر پہنچ کر میں نے دونوں ہاتھ دائیں بائیں سے آگے بڑھائے۔ ابھی میری انگلیوں نے اس کے بکل کو چھوا ہی تھا کہ وہ بڑی تیزی سے گھوم گیا۔

مجھے بالے سے کسی ایسے اقدام کی توقع نہیں تھی۔ اس کا دھکا لگنے سے میں لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹا۔ بالے نے مجھے دبوچنے کی کوشش کی۔ شاید وہ مجھے گرفت میں لے کر اپنی ڈھال بنانا چاہتا تھا۔ لیکن میں تیزی سے نیچے جھک گیا اور اسے ٹانگوں سے پکڑ کر اپنے اوپر سے پیچھے اچھال دیا۔

بالے بھد کی آواز سے پشت کے بل فرش پر گرا۔ وہ واقعی جرأت مند آدمی تھا۔ ٹیڈی کے ہاتھ میں پستول کی پروا کیے بغیر اس نے یہ خطرناک قدم اٹھایا تھا اور فرش پر گرنے کے بعد اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں اس سے پہلے ہی سنبھل گیا اور اسے ایک بار پھر اٹھا کر اپنے اوپر سے پشت کے بل پٹخ دیا۔

"واڑے۔" قریب کھڑا ٹیڈی بولا۔ "کیا دھوبی پاٹ مارا ہے حرامی کو۔"

میں تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور بالے پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔ میری ہر ٹھوکر پر وہ بلبلا اٹھتا۔ ایک ٹھوکر اس کے جبڑے پر لگی وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا۔ اس کا کوئی دانت ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے جب تھوکا تو خون کے ساتھ ہی اس کا وہ دانت بھی باہر آ گیا۔ میں نے اسے ایک زوردار گھونسہ مار کر ایک بار پھر زمین پر گرا دیا اور بیلٹ کھول کر اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔

جمی خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب اور خوف کے ملے جلے تاثرات تھے۔ جب میں نے اس کی پتلون کی بیلٹ کھولی تو اس نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ اس کے ہاتھ پشت پر باندھ کر پیروں کو جکڑنے کے لیے مجھے اپنی بیلٹ استعمال کرنا پڑی تھی۔

"ہم تمہارے ساتھیوں کو خبر کردیں گے۔" میں نے اٹھ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ تمہیں آ کر یہاں سے چھڑا لے جائیں گے اور تم۔" میں رضیہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "نرگس تمہیں سڑکوں پر ہاتھ پھیلائے بھیک مانگتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہے اور میں اس کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔"

جواب میں مجھے رضیہ سے ایسی گندی اور غلیظ گالیاں سننے کو ملی تھیں کہ جمی اور بالے نے بھی نظریں جھکا لی تھیں اور پھر بالے کو طیش آ گیا۔

"اب اپنی یہ بکواس بند کرو۔" وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔ "صرف تمہاری وجہ سے ہمیں یہ وقت دیکھنا پڑا ہے۔ اگر تم مجھے پستول پھینکنے کو نہ کہتیں تو اس وقت ہماری جگہ یہ دونوں بندھے ہوتے۔ اس کالیے نے کوٹھی کو گھیرے میں لیے جانے کے حوالے سے ہمیں بلف کیا تھا۔ تمہاری وجہ سے ہمیں ہتھیار ڈالنے پڑے اور تمہاری وجہ سے بابل کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔"

"اب تم کتے کی طرح کیوں بھونک رہے ہو۔" رضیہ بھی چیخی۔ "میرے ساتھ عیاشی کرتے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

وقت تو تمہیں کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ کبھی ایسا برا وقت بھی دیکھنا پڑے گا اس وقت جو کچھ بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔ کم از کم تحریمی کو تو پتا چل جائے گا کہ اس نے ہیجڑوں کی فوج پال رکھی ہے۔"

بالے نے بھی بہت سخت اور مردانہ قسم کا جواب دیا۔

"ان کو حساب کتاب کرنے دو واجا۔" ٹیڈی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اپنا وقت کیوں برباد کرتا ہے خواہ مخواہ کو نکلو ادھر سے۔"

میں نے بابل کی جیب سے اپنا پستول نکال لیا' جسے اس نے میری تلاشی کے بعد اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔ دوسرے پستولوں کو میں نے ہاتھ لگانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ ہم انہیں کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل آئے۔

کوٹھی کے گیٹ سے تقریباً پچاس گز آگے سڑک کے کنارے درخت کے نیچے ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ ٹیڈی نے مجھے اشارہ کیا اور خود ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میرے بیٹھنے کے بعد اس نے انجن سٹارٹ کیا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ ٹھیک اسی وقت پہلے کسی گلی میں پولیس کے سائرن کی آواز سنائی دی تھی۔ میرے خیال میں فائرنگ کی آواز سن کر کسی قریبی کوٹھی کے مکینوں نے پولیس کو فون کر دیا تھا۔ ہم عین وقت پر وہاں سے نکل آئے تھے۔

پولیس سائرن کی آواز سولجر بازار کی طرف سے آرہی تھی۔ جب کہ ہماری ٹیکسی کا رُخ مخالف سمت میں تھا اور آخر کار ٹیکسی نشتر روڈ پر نکل آئی۔ یہاں سے ٹیڈی نے اس کا رُخ لسبیلہ چوک کی طرف موڑ دیا۔

"تمہیں کہاں چھوڑوں واجا؟" اس نے پوچھا۔

"کریم آباد کی طرف لے چلو۔" میں نے جواب دیا۔

ٹیڈی ٹیکسی کو چوک سے سیدھا نکال لے گیا اور پھر تین ہٹی سے اسے لالوکھیت کی طرف موڑ دیا۔

"تم اس کوٹھی تک کیسے پہنچ گئے ٹیڈی؟" آخر کار میں نے وہ سوال کر ہی ڈالا جو بہت دیر سے میرے دماغ میں کلبلا رہا تھا۔

"تمہارا قسمت اچھا تھا واجا جو ہم کو خبر ہو گیا۔" ٹیڈی نے جواب دیا۔ "جب تم اس ٹیکسی پر ادھر سے نکلا تو ہم نے بابل کو ایک سرخ شیراڈ میں بیٹھتے ہوئے دیکھ لیا۔ کار میں دو آدمی پہلے سے موجود تھا' ہم کو شک ہو گیا وہ سرخ شیراڈ بھی تمہارا ٹیکسی کے پیچھے جائے گا۔ ہم نے ایک دوست کا ٹیکسی پکڑا اور شیراڈ کا پیچھا شروع کر دیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"ہمارا شک ٹھیک نکلا ہم نے ایک کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ لوگ تمہارا حجامت بنا رہا تھا۔ مگر تم بھی کمال کا چیز ہے واجا۔" اس نے ایک ہاتھ سٹیئرنگ سے اٹھا کر میری ران پر مارا پھر بولا۔ "تم نے بھی جمی کا وہ حالت بنایا کہ وہ بہت عرصہ تک یاد رکھے گا۔ پھر جب وہ لوگ دوبارہ تمہاری پٹائی کا پروگرام بنا رہے تھے تو ہم کو مداخلت کرنا پڑا ہمیں اور پھر ہمارا کھوپڑی بھی کام کر گیا۔ ایسے ٹائم پر میرا کھوپڑی بڑا تیزی سے کام کرتا ہے۔ میں نے انہیں چھ آدمیوں کا دھمکی دیا تو ان لوگوں نے ہتھیار پھینک دیا۔ وہ عورت ٹھیک

بولا تھا تحریمی نے واقعی ہیجڑوں کا فوج پال رکھا ہے۔ لیکن واجا وہ لونڈیا ہے بڑی زوردار۔"

"اوپر سے زوردار نظر آتی ہے اندر سے ختم ہو چکی ہے۔ باسی مال۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اس وقت ٹیکسی کریم آباد کا پل اترتے ہی چوراہے پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے چوراہے سے ذرا آگے پٹرول پمپ والی گلی کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے ٹیڈی کو اس وقت اپنے ساتھ گھر تک لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں بھی رنگا کی طرح اس اصول پر کاربند تھا کہ یا تو کسی پر بالکل ہی اعتماد مت کرو اور اعتماد کرو تو ایسا کہ کسی بات پر شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ اندھا اعتماد اور میں رنگا اور اس کے آدمیوں پر بھی اندھا اعتماد کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

کوٹھی کے گیٹ کے سامنے ٹیکسی رکوا کر میں نیچے اتر آیا۔ ٹیڈی وہیں سے واپس جانا چاہتا تھا لیکن اس وقت اسے ایک کپ چائے یا کافی پلانا میں اپنا فرض سمجھتا تھا۔

میں نے جیسے ہی کال بیل پر انگلی رکھی' دوسری طرف سے نرگس کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟" آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔

"میں ہوں۔" میں نے بھی دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

گیٹ فوراً کھل گیا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ نرگس واقعی بہت پریشان تھی اور برآمدے کی بتی بجھائے گیٹ کے آس پاس لان میں ٹہل رہی تھی۔ میں جیسے ہی اندر داخل ہوا وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔

"کہاں رہ گئے تھے۔ پریشانی سے میری جان نکلی جا رہی تھی۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے آرہے تھے۔ جانے میں کیا کیا سوچ....."

ٹیڈی کے کھانسنے کی آواز سے وہ ایک دم مجھ سے الگ ہو گئی۔

"یہ..... یہ کون ہے؟" وہ بوکھلا سی گئی۔

"دوست ہے اندر چلو آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔" میں نے کہا اور پھر گیٹ کے باہر کھڑے ہوئے ٹیڈی کو اندر بلا لیا۔

نرگس نے اس کی طرف دیکھا شاید اندھیرے میں ٹیڈی کی صورت اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ وہ مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی برآمدے کی طرف چلی گئی۔ میں ٹیڈی کو لے کر اندر آ گیا۔ روشنی میں ٹیڈی کی صورت دیکھ کر نرگس سہم سی گئی۔ ٹیڈی نے اس کی نظروں کو تاڑ لیا۔

"ڈرو نہیں بہن۔ اپنا فوٹو ہی خدا نے ایسا بنایا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم واجا کا دوست ہوں تم خوش قسمت ہے تم کو ایسا دلیر جوان ملا ہے۔"

"واجا۔" نرگس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ "میں تو سمجھی تھی کہ آج اس کا باجا بن ہی گیا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس دیا۔ "میرا باجا تو آج واقعی بج جاتا مگر ٹیڈی نے بروقت پہنچ کر بچا لیا خیر۔ تفصیل بعد میں بتاؤں گا پہلے تم کافی پلاؤ بہت اچھی سی۔"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ٹیڈی کے نام پر بھی نرگس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔ وہ ہم دونوں کو گھورتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ میں اور ٹیڈی لاؤنج میں صوفوں پر بیٹھ گئے۔

ہمیں کافی تقریباً آدھے گھنٹے بعد مل سکی تھی۔ نرگس کپ میز پر رکھ کر میرے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے شب خوابی کا مہین سا لباس پہنا ہوا تھا اور سامنے والے صوفے پر بیٹھا ہوا ٹیڈی اس کی طرف نظریں اٹھانے سے گریز کر رہا تھا۔

میں نے ٹیڈی کا مختصر تعارف کرا دیا۔ تفصیل بعد میں بتانے کا ارادہ تھا۔

ٹیڈی کافی ختم کرتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اسے گیٹ تک رخصت کرنے کے لیے آیا تو اس نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا تھا کہ وہ کل میرے پاس پہنچ جائے گا۔

اور جب میں دوبارہ اندر آیا تو نرگس نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا۔ میں بڑی مشکل سے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کا شکوہ بجا تھا۔ مجھے فون پر اطلاع دے دینی چاہیے تھی کہ مجھے دیر ہو جائے گی اور مجھ سے یہ غلطی ہو گئی تھی' حالانکہ میں جہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں ایک نہیں دو نہیں تین ٹیلی فون موجود تھے۔

ہم بیڈ روم میں آ گئے اور پھر نرگس کو شروع سے اب تک پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بتانے لگا۔

''وہ کتیا.... حرام زادی....'' نرگس نے دانت کچکچائے۔ ''اب وہ میرے ہاتھ لگ جائے میں اس کی بوٹیاں ہی نوچ ڈالوں گی۔''

''تمہیں شاید ایسا موقع نہ ملے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کیونکہ اب یہ کام رنگا اور اس کے ساتھی کریں گے۔ رنگا اگرچہ بہت دھیمے لہجے میں بات کرتا ہے لیکن اس کے سینے میں انتقام کا لاوا کھول رہا ہے۔ حریری کے ساتھ جو بھی ہوگا اس کے انتقام کی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گا۔'' میں نرگس کو رنگا کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا تھا۔ لیکن حریری کے بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کا نام تک میری زبان پر نہیں آیا تھا۔ کیونکہ میں نرگس کی فطرت سے اب تک بہت اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ وہ میرے منہ سے اچھے الفاظ میں کسی عورت کا تذکرہ برداشت نہیں کر سکتی تھی اور حریری ظاہر ہے میں اس کا ذکر خوب صورت الفاظ میں کرتا اس کے حسن اور شباب کی تعریف کرتا اور نرگس میرا منہ نوچ لیتی۔ لیکن فی الحال اپنے منہ پر اس کے ناخنوں کی سرخ لکیریں ڈلوانے اور ٹیڈی کے الفاظ میں اپنا فوٹو بگاڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

وہ رات باتوں ہی میں گزر گئی اور جب سوئے تو ایسے سوئے کہ دوپہر سے پہلے ہم دونوں میں سے کسی کی آنکھ نہیں کھل سکی تھی اور اس روز گھر کے کام نرگس ہی کو کرنے پڑے تھے' کیونکہ کام کرنے والی عورت صبح گھنٹی بجا بجا کر واپس جا چکی تھی۔

☆ .... ☆☆☆ .... ☆

رات کے دس بجے تھے۔

میں اور نرگس اس وقت ٹیڈی کے ساتھ گلشن اقبال میں موجود تھے۔ وہ بڑی بارونق جگہ تھی۔ میں

نرگس کے ساتھ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور ٹیڈی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ ہم تینوں آئس کریم کھا رہے تھے۔ سامنے آئس کریم کی دکان پر میلہ سا لگا ہوا تھا۔ دکان کے سامنے فٹ پاتھ پر بھی میز کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور کوئی کرسی خالی نہیں تھی۔ اس لیے ہم نے اپنی کار ہی میں آئس کریم منگوا لی تھی۔ ہماری طرح اور بھی بہت سے لوگ اپنی گاڑیوں میں بیٹھے یا ادھر ادھر کھڑے آئس کریم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ٹیڈی نے آج صبح دس بجے ہمارے ہاں آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ دوپہر ایک بجے کے قریب پہنچا تھا۔ کھانا ہمارے ساتھ ہی کھایا تھا۔ ٹیڈی کا خیال تھا کہ ہمیں شہر کے مختلف علاقوں میں آزادی سے گھومنا پھرنا چاہیے' تاکہ رضیہ کے ساتھیوں کی طرف سے کسی قسم کے ردعمل کا پتا چل سکے۔ لیکن میں اس وقت کہیں جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ویسے بھی دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد مجھ پر سستی طاری ہو جاتی تھی۔

نرگس نے ماسی کو کچھ سودا لینے کے لیے مارکیٹ بھیجا ہوا تھا۔ آج صبح ہمارے ہاں اخبار نہیں آیا تھا۔ ہاکر شاید بھول گیا تھا۔ میں نے ماسی سے کہہ دیا تھا کہ وہ کوئی اخبار بھی لیتی آئے۔

ماسی سودا لے کر آئی تو میں نے اس سے اخبار لے لیا۔ وہ کوئی ایوننگ پیپر تھا۔ اس قسم کے اخبار سنسنی خیز خبریں شائع کرنے میں خاصی شہرت رکھتے ہیں اور یہ اخبار بکتے ہی ایسی سنسنی خیز خبروں پر ہیں۔

مجھے جس چیز کی تلاش تھی وہ پہلے ہی صفحہ پر تین کالمی سرخی کے ساتھ موجود تھی۔ وہ خبر کچھ یوں تھی۔

''شہر میں ڈاکوؤں اور رہزنوں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔''
''سولجر بازار میں تین معزز شہریوں کو لوٹ کر باندھ دیا گیا۔''
''مزاحمت کرنے پر ایک شخص کے سر میں گولی ماری دی گئی۔''

میں وہ خبر پڑھتا چلا گیا اور پھر میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ رات والے واقعہ کو ایک بالکل ہی مختلف رنگ دیا گیا تھا۔

اس خبر کے مطابق پولیس کو رات گئے سولجر بازار کی ایک کوٹھی میں فائرنگ کی اطلاع ملی۔ پولیس جب جائے وقوعہ پر پہنچی تو ڈاکو فرار ہو چکے تھے' تاہم کوٹھی میں ایک لاش اور تین افراد ان کے منتظر تھے جن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔

ان لوگوں کے بیان کے مطابق دو ڈاکو انہیں پرانی نمائش کے چوراہے سے گن پوائنٹ پر اغوا کر کے اس ویران کوٹھی میں لے آئے تھے جہاں ان کی ساتھی عورت پر مجرمانہ حملہ بھی کیا گیا۔ ان کے ایک ساتھی نے ڈاکوؤں کے خلاف مزاحمت کی کوشش کی تو اسے سر میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ ڈاکوؤں نے ان سے نقدی اور گھڑیاں چھین لیں جبکہ ان کی ساتھی عورت رضیہ کے زیورات بھی نوچ لیے گئے اور اسے دونوں ڈاکوؤں نے باری باری زیادتی کا نشانہ بھی بنایا۔ بعدازاں وہ ڈاکو انہیں باندھ کر فرار ہو گئے۔

ان سب کے بیانات الگ الگ بھی شائع ہوئے تھے۔ بالے اور جمی کے بیانات بھی تھے اور

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رضیہ کا بیان بھی۔ رضیہ کا بیان کچھ زیادہ ہی سنسنی خیز تھا۔ اس کے بیان کے مطابق وہ لوگ شادی کی ایک تقریب سے واپس آ رہے تھے۔ رضیہ نے اس وقت لاکھوں روپے مالیت کے زیورات پہن رکھے تھے۔ اس کے کہنے کے مطابق اس نے شروع ہی سے دو آدمیوں کو ایک کار میں ان کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ تاہم اس نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی جس کے نتیجے میں انہیں اپنے ایک ساتھی کی زندگی اور قیمتی زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء سے محروم ہونا پڑا تھا۔

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ ان کے نہیں پولیس کے تیار کردہ بیانات تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کا پولیس سے کوئی معاملہ طے ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے تحریکی کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی ہو اور بیانات والی ساری کارروائی اس کی ہدایت پر عمل میں لائی گئی ہو۔

رضیہ، بالے اور جمی نے میرا اور ٹیڈی کا حلیہ تفصیل سے بیان کیا تھا۔ تاہم خبروں میں کہیں بھی ہمارا نام نہیں تھا۔ نام ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ ان لوگوں کو پولیس سے بچانے کے لیے بیان بازی کی یہ پلاننگ بڑی ہوشیاری سے کی گئی تھی۔ الزام نامعلوم ڈاکوؤں پر تھا۔ ہمارا نام بیچ میں کیسے آ سکتا تھا۔ نام ہوتا تو اس سارے پلان کی قلعی کھل سکتی تھی۔

میں نے ٹیڈی کو یہ خبر پڑھ کر سنائی تو وہ مسکرا دیا۔

''ہمارا تو کئی مرتبہ اخبار میں فوٹو چھپا ہے۔ صرف حلیہ چھپنے سے کیا ہوتا ہے واجا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''ہم لوگ آزاد ہے کون مائی کا لعل ہاتھ ڈالے گا ہم پر۔''

میں دیر تک اس صورت حال پر غور کرتا رہا۔ پولیس کا کردار میرے لیے باعث افسوس تھا۔ یہ میری زندگی کا طویل تجربہ تھا ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم ثابت کر دینا پولیس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا اور یہی ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ یہاں آج تک قومی تشخص پیدا نہیں کیا گیا، شعور کو ابھارنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ بات صرف پولیس کی نہیں ہر سرکاری محکمہ کا یہی حال ہے۔ ان محکموں سے فرض شناسی تو عنقا ہو چکی ہے۔ کوئی جائز کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا جاتا ہے۔ کبھی جمہوریت کے نام پر اور کبھی انقلاب کے نام پر اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جاتا رہا ہے۔ یہاں ہمیشہ چند خاندانوں کی حکومت رہی ہے۔ ہر خاندان نے اس ملک پر راج کرنے کے لیے باریاں مقرر کر رکھی ہیں۔ ایک خاندان ہٹتا ہے تو دوسرا برسر اقتدار آ جاتا ہے اور عوام کو ہمیشہ ہی سے بے وقوف بنایا جاتا رہا ہے۔

میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ ٹیڈی کی آواز سن کر میرے خیالات منتشر ہو گئے وہ کہہ رہا تھا۔

''کیا سوچتا ہے واجا؟''

''اوہ کچھ نہیں۔'' میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ''میں دراصل انہی لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ انہوں نے کس قدر چالاکی سے اپنے آپ کو بچایا ہے۔''

''یہ سب پیسے کا کمال ہے واجا۔'' ٹیڈی نے جواب دیا۔ ''اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے صرف دو چیزیں کام آتی ہیں۔ پیسہ اور طاقت اس کے بغیر زندگی نہیں ہوتی۔ تم پھکر نہیں کرو ڑے۔'' وہ بات کرتے کرتے رک گیا پھر بولا۔ ''ہم لوگ جو تمہارا ساتھ ہے کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔''

میں نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اسے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ میرے پاس کتنا پیسہ ہے اور پیسے کی طاقت سے میں بھی واقف تھا۔

وہ دن ہم نے گھر پر ہی گزارا۔ رات کے کھانے کے بعد ہم نے باہر نکلنے کا پروگرام بنایا۔ اس مقصد کے لیے میں نے اپنی ہی گاڑی استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب ہم نے آزادی سے گھومنے پھرنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا تو گاڑی استعمال کرنے میں کیا حرج تھا۔

ہم سب سے پہلے پشاوری آئس کریم کھانے کے لیے گلشن اقبال کے بلاک تھری کے اس رونق شاپنگ ایریا میں رُکے تھے۔ اس کے سامنے کشادہ سڑک کے دوسری طرف بلاک فائیو تھا۔ اس طرف بھی اگرچہ دکانیں تھیں، مگر وہاں زیادہ رونق نہیں تھی۔

ہم آئس کریم سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ ٹیڈی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

''وہ اس آدمی کو دیکھ رہے ہو۔'' اس نے تقریباً بیس گز دور ایک ہٹے کٹے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ بلا ہے بلا بدمعاش۔'' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''ہیروئن بیچتا ہے حرامی۔ یہی اس کی بدمعاشی اور داداگیری ہے۔ شام کے بعد اس علاقے میں گھومتا رہتا ہے۔ اس کے گاہک یہیں پر اس سے رابطہ کرتے ہیں۔''

میں نے پہلے بھی بلے کو دیکھا تھا، مگر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اب ٹیڈی کے توجہ دلانے پر خیال آیا کہ تھوڑی دیر بعد میں نے کسی نہ کسی آدمی کو بلے کے پاس رُکتے ہوئے دیکھا تھا اور اب میں خاص طور پر اس پر توجہ دے رہا تھا۔

ہماری آئس کریم ختم ہو چکی تھی۔ لیکن میں بلے کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا اور وہاں رُکے رہنے کا جواز پیدا کرنے کے لیے میں نے لڑکے کو بلا کر مزید آئس کریم منگوا لی اور گہری نظروں سے بلے کا جائزہ لیتا رہا۔

بیس منٹ میں تین آدمی بلے کے پاس آ کر رُکے تھے۔ ان میں دو تو پکی عمر کے آدمی تھے اور تیسرا ایک نوجوان اس کی عمر بیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کے ہاتھ میں ایک رجسٹر اور دو کتابیں بھی تھیں، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ سٹوڈنٹ ہے۔ اس نے نیلی شرٹ اور سفید پتلون پہن رکھی تھی۔ دبلے پتلے جسم کا مالک وہ بہت مدقوق سا نوجوان تھا۔ نوجوان کہاں اس کی جوانی تو نچڑ چکی تھی۔ پچکے ہوئے گال اور اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں۔

وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا بلے کے پاس رُک گیا۔ ان دونوں نے ہاتھ ملائے۔ نوٹوں اور ہیروئن کی پڑیا کا تبادلہ ہوا اور وہ نوجوان تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

یہ سب دیکھ کر میرے دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ ہیروئن کی لعنت ہماری نوجوان نسل کو کس طرح دیمک بن کر چاٹ رہی تھی۔

میری زندگی زیر زمین دنیا کے اندھیرے راستوں پر چلتے ہوئے ہی گزری تھی۔ اگرچہ میں نے بھی ہیروئن کا دھندہ کیا تھا، لیکن جب اس کے تباہ کن اثرات کا اندازہ ہوا تو میں نے یہ دھندہ چھوڑ دیا اور منشیات فروشوں کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا، جس پر میں کئی مرتبہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں کوئی دانشور یا عالم فاضل شخص نہیں ہوں۔ لیکن یہ میری زندگی کا طویل تجربہ ہے کہ ملک میں ہیروئن اور دیگر منشیات کا استعمال اس قدر تیزی سے کیوں فروغ پا رہا تھا۔

کسی معاشرے میں منشیات کتنی عام اور مقبول ہیں اس کا انحصار اس معاشرے کی روایات، مذہب سے وابستگی یا غیر وابستگی اور قانون کے احترام یا عدم احترام پر ہوتا ہے۔ عام طور پر نشہ باز معاشرے، ماحول یا خاندان سے راہِ فرار تلاش کرتے ہیں۔ انہیں دکھ، پریشانی، تکلیف یا تھکن سے نجات کی تلاش ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف دوستوں کا دل رکھنے یا کسی انوکھے تجربے کی خاطر منشیات کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

تجربہ میں آیا ہے کہ نو دولتیے اور نو تقاضے منشیات کے زیادہ عادی ہیں۔ جہاں دولت کی فراوانی ہو یا مفت ہاتھ آئی ہو یا سرمایہ داری، نوابی یا جاگیرداری جیسے ٹھاٹھ باٹ ہوں وہاں منشیات کے استعمال کو فروغ ملتا ہے۔ شہروں کی وسعت، نئی بستیوں کے پھیلاؤ اور بڑھتی ہوئی صنعت کاری کے مسائل کی وجہ سے نوجوانوں پر نگرانی کم ہوگئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر معاشرتی اور اقتصادی تبدیلیوں نے اکتاہٹ، افسردگی اور اجنبیت پیدا کر دی ہے۔ بیکاری بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے فرصت کا وقت زیادہ میسر آنے لگا ہے جسے بہتر انداز میں گزارنے کے لیے کوئی مفید مصروفیت یا تفریح کا موزوں پروگرام نہیں ہے۔

مذہبی اور اخلاقی اقدار کی پامالی نے نوجوان طبقے پر اکتاہٹ سی طاری کر دی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ معاشرے میں قانونی بندشیں نہ ہوں تو منشیات شرفاء تک محدود رہتی ہے۔ بندشیں عائد کر دی جائیں یا حصول دشوار ہو جائے تو مجرمانہ ذہنیت پیدا ہوتی ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ روک ٹوک بالکل نہ ہو تو اکثر تنہائی، اداسی، ناکامی اور فرار کی صورت میں نتیجہ نکلتا ہے اگر پابندی سخت ہو تو احتجاج، بغاوت اور انتقام کے جذبے پیدا ہوتے ہیں۔

پریشانی اور الجھنیں زندگی کا لازمہ ہیں۔ ان کا مردانہ وار مقابلہ کر کے ہی انسان دنیا میں عزت و کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن بعض لوگ اپنی مخصوص ذہنی ساخت اور تربیت کے باعث اس مقابلے میں ناکام رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں یہ زندگی ان کے لیے بوجھ اور جہنم بن جاتی ہے۔ ایسے لوگ پریشانیوں کے چنگل سے کبھی آزاد نہیں ہو پاتے۔ مایوسیاں اور ناکامیاں انہیں بے حد حساس اور زود رنج بنا دیتی ہیں۔ ان کا اپنی ذات پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ ہر مشکل پہاڑ اور ناقابل تسخیر نظر آتی ہے۔ اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات کی راہ نہیں ملتی تو منشیات کا سہارا تلاش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ پریشانیوں کا براہِ راست مقابلہ کرنے اور انہیں نیچا دکھانے کے بجائے ان کی تلخیوں کو اپنے قلب و ذہن سے مٹانے اور غم غلط کرنے کی ناکام کوشش میں لگ جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی صورت حال اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ اس کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ یہ ملک مذہبی نظریات کے تحت قائم ہوا تھا لیکن نصف صدی گزرنے کے بعد بھی مذہب کی حکمرانی قائم نہیں ہو سکی۔ یہاں مذہب کئی فرقوں میں بٹا ہوا ہے۔ ہر فرقے کے علماء اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ نوجوان پریشان ہیں کہ وہ کس طرف جائیں؟ جہاں

مذہب چوں چوں کا مربہ ہو وہاں کوئی واضح راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ برسر اقتدار آنے والا ہر حکمران مذہب کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بناتا رہا ہے۔ سیاستدان اقتدار کی کرسی تک پہنچنے کے لیے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ یہ غالباً دنیا کا واحد ملک ہے جہاں اسمبلیوں میں بھی مار پیٹ اور گالم گلوچ ہوتی ہے۔

نوجوان نسل کی خاصی بڑی تعداد اکتاہٹ و مایوسی کا شکار ہے۔ انہیں زندگی کے حقیقی اور ٹھوس مسائل سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں، کیونکہ ان سے نمٹنے کے لیے نہ تو وہ مناسب تربیت و ہنر سے آراستہ ہیں اور نہ ہی ان کے سامنے کوئی واضح نصب العین ہے۔ انہیں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مواقع میسر نہیں ہیں۔ یہ صورت حال انہیں آخر کار منشیات کی طرف راغب کرتی ہے۔

ہیروئن ایک سست رفتار موت ہے، جو آہستہ آہستہ بہت دبے قدموں اپنے طلب گار کی طرف بڑھتی ہے اور آخر کار اسے ہمیشہ کی نیند سلا دیتی ہے۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اس دوران سلور کلر کی ایک قیمتی اور خوب صورت کار بلے بدمعاش سے چند گز کے فاصلے پر آ کر رکی۔ کار میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کریم کلر کی ساڑھی پہن رکھی تھی، جس پر ہلکے نیلے رنگ کا کشیدہ کاری کا بارڈر تھا۔ بلاؤز بھی کریم کلر ہی کا تھا۔

عورت کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اگرچہ وہ خاصی حسین تھی، مگر چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ سٹیئرنگ پر ٹکائے چند لمحے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ پھر دوسری طرف حلیم فروخت کرنے والے کے ملازم لڑکے کو اشارے سے قریب بلا کر اس سے کچھ پوچھا تو لڑکا دور کھڑے ہوئے بلے بدمعاش کی طرف اشارہ کر کے واپس پلٹ گیا۔

وہ عورت اب گہری نظروں سے بلے کی طرف دیکھنے لگی جو بے نیازی کے انداز میں کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ عورت نے اسے اشارہ کیا تو وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا کار کی طرف چلنے لگا۔

میں نے اپنا آئس کریم کا گلاس نرگس کے ہاتھ میں تھما دیا اور ابھی آیا کہہ کر کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

میں چلتے چلتے گرے کلر کی کار کی دوسری طرف رک گیا اور جھک کر اس طرف اپنی ایک آنکھ کو ملنے لگا جیسے آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہو۔ اس دوران میری تمام تر توجہ بلے بدمعاش اور کار میں بیٹھی ہوئی عورت کی طرف مرکوز تھی۔ بلا ڈرائیونگ سائیڈ والی کھڑکی پر جھکا ہوا تھا۔ وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ میں بلے کے منہ سے نکلا ہوا صرف ایک جملہ سن سکا تھا۔

''آدھے گھنٹے بعد سڑک کے دوسری طرف ان عمارتوں کے پیچھے پارک کے شمالی گیٹ کے سامنے۔''

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں سیدھا ہو کر بدستور آنکھ ملتا ہوا آگے بڑھ گیا ابھی میں چند ہی گز آگے نکلا ہوں گا کہ وہ کار وہاں سے روانہ ہو گئی۔ بلا بدمعاش بھی ٹہلنے والے انداز میں چلتا ہوا آگے نکل گیا اور میں دوبارہ اپنی کار میں آ گیا۔

''کہاں گئے تھے؟'' نرگس نے مجھے گھورا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"بس یونہی تھوڑی سی ہوا خوری کرنے گیا تھا۔" میں نے اس سے اپنا آئس کریم کا گلاس لیتے ہوئے جواب دیا۔

نرگس ایک بار پھر مجھے گھور کر رہ گئی اور یہ غنیمت تھا کہ اس وقت اس نے کوئی جرح نہیں کی تھی۔ میں نے لڑکے کو بلا کر خالی گلاس واپس کیے اور آئس کریم کا بل بھی ادا کر دیا۔ ٹیڈی اپنی سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

گاڑی سٹارٹ ہو کر نیپا چورنگی کی طرف دوڑنے لگی۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ چورنگی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی میں بول پڑا۔

"یہاں سے گاڑی واپس موڑ لو ٹیڈی۔"

ٹیڈی نے کوئی سوال کیے بغیر چوراہے پر گاڑی کو واپس گھما لیا۔ اب ہم سڑک کے دوسری طرف تھے اور پھر اس جگہ کے عین سامنے جہاں ہم نے آئس کریم کھائی تھی' میں نے کار رُکوائی۔ یہاں چند دکانیں تھیں۔

"کیا ہوا؟" نرگس نے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"گھر سے نکلتے ہوئے تم نے کچھ چیزیں خریدنے کو کہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "وہاں سامنے اتنی دیر کھڑے رہے لیکن نہ تمہیں یاد رہا اور نہ مجھے۔ تم ان دکانوں پر دیکھ لو اور میں....." میں نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اٹھا دی اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ٹیڈی مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں دکانوں کے ساتھ ایک گلی میں گھوم کر پچھلی طرف نکل گیا اور پھر وہ پارک کی تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

پارک زیادہ بڑا نہیں تھا۔ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے اجڑا ہوا سا لگ رہا تھا۔ یہاں روشنی کا بھی انتظام نہیں تھا۔ اس کے چاروں طرف تقریباً بیس بیس فٹ چوڑی سڑکیں تھیں اور ان کے ساتھ ساتھ بنگلے تھے۔

میں پارک کے شمالی گیٹ کے قریب پہنچ گیا۔ پارک میں اندھیرا تھا اور کسی شخص کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں گیٹ میں داخل ہو کر گارڈینیا کی جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔ وہاں سے میں گیٹ اور سامنے والی سڑک پر بخوبی نگاہ رکھ سکتا تھا۔

بلے بدمعاش اور اس عورت کی باتیں سن کر میں محض تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر آیا تھا۔ میرے ذہن میں اس وقت طرح طرح کے خیالات ابھر رہے تھے۔ اگر اس عورت کو صرف ہیروئن لینی ہوتی تو وہیں پر معاملہ طے ہو سکتا تھا' لیکن بلے بدمعاش نے اسے آدھے گھنٹے بعد یہاں بلایا تھا جس کا مطلب تھا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ میں عام طور پر دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے کا عادی نہیں تھا۔ لیکن میرا تجسس مجھے یہاں لے آیا تھا۔ میں نے نرگس اور ٹیڈی کو بھی اصل بات نہیں بتائی تھی اور اب اپنی اس حماقت پر سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو میری مدد کو بھی کوئی نہیں آئے گا۔

مجھے جھاڑیوں کے پیچھے دبکے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ گرے رنگ کی ایک کار آہستہ

آہستہ چلتی ہوئی سڑک پر تقریباً بیس گز آگے بجلی کے کھمبے کے قریب رُک گئی۔ میں نے گہری نظروں سے کار کی طرف دیکھا۔ سٹیئرنگ کے سامنے وہی عورت بیٹھی ہوئی تھی' جو کچھ دیر پہلے آئس کریم کی دکان کے قریب بلے بدمعاش سے ملی تھی۔ اس کے جسم پر لباس بھی وہی تھا۔ وہ بار بار گردن گھما کر اطراف میں دیکھ رہی تھی۔

دس منٹ بعد بلا بدمعاش بھی کسی طرف سے نکل کر کار کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے کار کی کھڑکی پر جھک کر کوئی سرگوشی کی اور ایک طرف کو چل پڑا۔ وہ عورت بھی کار سے اتر کر اس کے پیچھے چلنے لگی۔

میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور ان کا تعاقب کرنے لگا۔ بلا سڑک پار کر کے دوسری گلی میں پہنچ گیا تھا۔ عورت بھی اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

میں گلی کے موڑ پر رُک گیا اور دیوار کی آڑ سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ بلا بدمعاش ایک مکان میں داخل ہو گیا' جبکہ وہ عورت مکان کے سامنے پہنچ کر رُک گئی تھی۔ شاید وہ اگلا قدم اٹھانے میں جھجک رہی تھی۔ لیکن پھر وہ بھی اندر داخل ہو گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

میں آڑ سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ مکان کے سامنے پہنچ کر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ لیکن دروازہ اندر سے لاک ہو چکا تھا۔ میں نے متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ ان مکانوں کی پچوایشن دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس مکان کا صحن دوسری طرف ہوگا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اوپر سے گھوم کر پچھلی گلی میں آ گیا اور مطلوبہ مکان کے سامنے رُک کر صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔

گلی میں تاریکی تھی۔ میں نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور کمپاؤنڈ وال پر چڑھ کر آہستگی سے اندر کود گیا۔ آنگن زیادہ بڑا نہیں تھا' مکان کے صرف ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ جب کہ باقی کمرے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا اس کمرے کی کھڑکی کے سامنے پہنچ کر رُک گیا' جہاں روشنی ہو رہی تھی۔

کھڑکی کھلی ہوئی تھی' لیکن سامنے بھاری پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے ذرا سا پردہ سرکا کر اندر جھانکا' وہ عورت اور بلا بدمعاش کمرے میں موجود تھے۔ عورت اپنے ہینڈ بیگ کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی اور چہرے پر پیلاہٹ تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ ہیروئن کی عادی تھی اور نشے کی طلب ہی اسے یہاں لے آئی تھی۔ بلا بدمعاش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر مکاری اور آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ اس وقت واقعی جنگلی بلا ہی لگ رہا تھا۔

"پہلے تم پڑیا کہاں سے لیتی تھیں؟" بلے نے عورت سے پوچھا۔

"طارق روڈ پر جھیل پارک کے قریب ایک آدمی سے مل جایا کرتی تھی۔ لیکن دو دن پہلے وہ پکڑا گیا۔ میرے پاس دو دن کی خوراک موجود تھی' لیکن آج صبح سے تلاش میں ہوں کسی نے تمہارے بارے میں بتایا تھا تو تلاش کرتی ہوئی یہاں آ گئی۔" عورت نے جواب دیا۔ اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"شادی شدہ ہو؟" بلے نے ایک اور سوال کیا۔

"بیوہ ہوں۔" عورت نے جواب دیا۔ "چھ سال پہلے شادی ہوئی تھی لیکن چند ہی مہینوں بعد

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

شوہر کا انتقال ہوگیا۔"

"گزارا کیسے ہوتا ہے؟ میرا مطلب ہے خرچ وغیرہ کیسے چلتا ہے۔ کوئی دھندہ وغیرہ کرتی ہو؟" اس مرتبہ بلے کے لہجے میں چبھن تھی۔

"میں کوئی دھندہ وغیرہ نہیں کرتی۔ شریف عورت ہوں۔ فیروز آباد میں میرے شوہر کی دو کوٹھیاں ہیں' جو اس کی موت کے بعد مجھے وراثت میں ملی ہیں۔ سوسائٹی میں بھی ایک مکان ہے جہاں میں خود رہتی ہوں۔ فیروز آباد والی دونوں کوٹھیاں کرائے پر دے رکھی ہیں۔ صدر میں میرا ایک جنرل سٹور بھی ہے' جسے میرا ملازم چلاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے موٹی اسامی ہو۔" بلے کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا مطلب؟" عورت نے اسے گھورا۔

"مطلب یہ کہ خاصی مال دار عورت ہو اور حسین بھی۔ ویسے یہ عمر تمہارے بیوہ ہونے کی تو نہیں تھی' ایک بات بتاؤ۔" بلا چند لمحے اس کے سراپا کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "ہیروئن کی عادت تمہیں کیسے لگی؟ کسی عیاش آدمی کے ہتھے چڑھ گئی تھیں کیا؟"

"زیادہ بکواس مت کرو۔" عورت کے لہجے میں ناگواری تھی۔ "یہ لعنت مجھے اپنی ایک دوست سے تحفے میں ملی تھی۔ کم بخت پیچھا چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتی اور یہ لعنت ہی مجھے یہاں تک لے آئی ہے۔"

"بات یہ ہے بی بی۔" بلا بدمعاش اس کے سراپا کو گھورتے ہوئے بولا۔ "آج کل بڑی سختی ہو رہی ہے اوپر کے دباؤ کی وجہ سے پولیس نے ہم جیسے لوگوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ ہم جیسے چھوٹے لوگ جن بڑے ایجنٹوں سے مال خریدتے تھے' وہ پکڑے جانے کے خوف سے روپوش ہو گئے ہیں اور ہمیں بھی مال نہیں مل رہا ہے۔"

"تو پھر تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا تھا؟" عورت تیز لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی تھی۔

"یہی سب کچھ بتانے کے لیے۔" بلا معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔

"میں سڑک پر کھڑے ہو کر تو تمہیں تفصیل نہیں بتا سکتا تھا۔"

"میں جانتی ہوں تمہارے پاس ہیروئن موجود ہے' مگر تم اس کی زیادہ قیمت وصول کرنا چاہتے ہوئے۔" عورت نے کہتے ہوئے بیگ کھولا اور کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر اس کی طرف اچھال دیا۔ "یہ پانچ ہزار روپے ہیں مجھے صرف ایک خوراک چاہئے صرف ایک خوراک میری قوت برداشت اب جواب دیتی جا رہی ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ میرے پاس ایک گرام بھی نہیں ہے۔" بلے نے کہا۔

"تم جیسے لوگ بہت گھٹیا اور کمینے ہوتے ہیں۔ تم دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا جانتے ہو' یہ لو اور جلدی سے مجھے ایک پڑیا دے دو' میں ایک خوراک کے لیے تمہیں جو قیمت دے رہی ہوں' تم اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔" عورت نے یہ کہتے ہوئے کلائی سے سونے کی چار چوڑیاں اتار کر اس کی

طرف پھینک دیں۔ بلے نے چوڑیوں کو ہوا ہی میں اُچک لینا چاہا' لیکن ہاتھ میں صرف ایک ہی چوڑی آ سکی تھی' باقی تین چوڑیاں فرش پر گر کر لڑھکتی ہوئی صوفے کے نیچے چلی گئیں۔

"تم تو بلاوجہ ضد کر رہی ہو۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" بلا بدمعاش اب بھی اپنے مال کی قیمت بڑھانے کے چکر میں تھا۔ اس کی نظریں بار بار عورت کے سراپا کو گھور رہی تھیں۔ عورت کی ساڑھی کا پلو نیچے گر گیا تھا' جس سے اس کا پیٹ برہنہ ہو رہا تھا۔

"ایک خوراک..... صرف ایک خوراک کتے کے بچے....." عورت چیخی۔ بلے کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تو میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب لے لو۔ صرف ایک خوراک کے لیے تمہیں سب کچھ دینے کو تیار ہوں۔" عورت نے جسم پر لپٹی ہوئی ساڑھی اتار کر پھینک دی پھر بلاؤز بھی اتار دیا۔ اب اس کے بدن پر اوپر کا زیریں جامہ اور پیٹی کوٹ رہ گیا تھا اور پھر اس نے پیٹی کوٹ بھی اتار کر پھینک دیا۔ مجھے اپنے دماغ میں سنسنی سی محسوس ہونے لگی۔ سینے میں سانس رُکنے لگا۔ مجھے اپنے پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اس کا گلاب جیسا بدن بلب کی روشنی میں کندن کی طرح چمک رہا تھا۔

"تو میں تمہارے سامنے ہوں' جتنی قیمت چاہو وصول کر لو لیکن خدا کے لیے مجھے صرف ایک خوراک دے دو۔" عورت کے لہجے میں بے بسی تھی۔

میری ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں سر تا پیر کانپ اٹھا لیکن اس مرتبہ سنسنی اور کپکپاہٹ کسی اور نوعیت کی تھی۔ یہ سوچ کر ہی میرا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا کہ ایک عورت ہیروئن کی صرف ایک خوراک کے لیے اپنی عزت لٹانے کو تیار تھی۔

میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں نے ایک بار پھر کمرے میں جھانکا۔ عورت آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔ اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور بلا بدمعاش آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی کریہہ مسکراہٹ تھی۔

میں کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کے سامنے آ گیا اور دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اسے گھمایا۔ دروازہ اندر سے لاک نہیں تھا۔ میں زوردار دھکے سے دروازہ کھولتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ بلا بدمعاش اس وقت عورت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اس طرح آگے بڑھا رکھے تھے جیسے عورت کو اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہو۔

"یہ گندے ہاتھ اس کے جسم سے دور ہی رکھنا بلے۔" میں چیختا ہوا بلے پر حملہ آور ہوا۔

بلا ایک دم پیچھے مڑا لیکن اس دوران میں اس سے ٹکرا گیا تھا۔ بلا میری ٹکر سے لڑکھڑا کر سامنے والے صوفے پر گر گیا۔ وہ چھ فٹ سے نکلتا ہوا ہٹا کٹا آدمی تھا۔ اس میں طاقت بھی مجھ سے زیادہ ہی رہی ہوگی لیکن میں نتائج کی پروا کیے بغیر اس پر حملہ آور ہوا تھا۔

میں نے بلے کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر چھلانگ لگا دی۔ بلا مارکھا گیا تھا۔ میں نے اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔

دیوقامت بلا زیادہ دیر تک مار نہ کھا سکا۔ اس نے سنبھل کر مجھے گرفت میں لے لیا اور رگیدتا ہوا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دیوار تک لے گیا اور میرا گریبان پکڑ کر سر کو زور زور سے دیوار سے ٹکرانے لگا۔

ہر ٹکر پر میرا دماغ ہل جاتا لیکن میرے منہ سے آواز تک نہیں نکلی تھی۔ میں نے ایک مرتبہ موقع پا کر اس عورت کی طرف دیکھا جو اپنا ایک ہاتھ منہ پر رکھے شاید چیخ کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر وہ زمین پر پڑے ہوئے کپڑے اٹھا کر بدحواسی میں پہننے لگی۔ خوف و دہشت سے اس کا پورا جسم تھرتھرا رہا تھا۔

میں کچھ دیر تک تو بلے کے ہاتھوں پٹتا رہا' پھر ایک ٹانگ سمیٹ کر بلے کی رانوں کے درمیان زوردار ٹھوکر ماری۔ بلا بلبلا اٹھا۔ میں نے زوردار جھٹکے سے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔ بلے نے دونوں ہاتھ رانوں کے بیچ میں رکھے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

بلا آگے کو جھکا تو میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر مار دی۔ بلا پیچھے الٹ گیا۔ میں اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس پر ٹھوکروں اور گھونسوں کی بارش کرتا رہا لیکن آخر کار بلے کا ایک داؤ چل ہی گیا۔

وہ کچھ دیر تک میری پٹائی کرتا رہا' پھر مجھے فرش پر گرا کر میرے سینے پر سوار ہو گیا اور دونوں ہاتھ میرے گلے پر جما دیئے۔

بلے کے انگوٹھے میرے نرخرے پر تھے جیسے جیسے دباؤ بڑھ رہا تھا میری سانس رُک رہی تھی۔ میری آنکھیں حلقوں سے ابلنے لگیں۔ میں نے بلے کی طرف دیکھا۔ بلے کے چہرے پر درندگی کے آثار تھے۔ اس کی حالت اس درندے کی سی تھی جس کے منہ سے اس کا شکار چھین لیا گیا ہو۔

''کتے کے بچے ___ حرام زادے ___'' بلے کے حلق سے خونخوار درندے کی سی غراہٹ نکلی۔ ''میں کسی کو اپنے منہ کا اگلا ہوا کھانے کی تو اجازت دے سکتا ہوں لیکن میرا شکار آج تک کوئی مائی کا لعل مجھ سے نہیں چھین سکا۔ تمہیں تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

گلے پر بلے کے ہاتھ کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے ہوں۔ میں اپنی ٹانگیں اوپر کی طرف سمیٹنے لگا اور آخر کار اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔

میں نے دونوں پیر بلے کی گردن پر لپیٹ دیئے۔ اس نے گردن کو جھٹکے دے کر گرفت چھڑانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے اس کی گردن پر نیک لاک لگائے رکھا اور جسم کی پوری قوت استعمال کر کے دائیں طرف لوٹ لگا دی۔

بلا میرے اوپر سے لڑھک گیا اور مجھے اس کی گرفت سے نجات مل گئی۔ میں چند لمحے اپنی گردن سہلاتا رہا اور پھر بلے پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے لیکن مجھ سے ایک غلطی ہوئی اور میں ایک بار پھر بلے کی زد میں آ گیا۔

بلے بدمعاش نے میرے اوپر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ میری ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ نکلا۔ میری کنپٹی پر لگنے والا آخری گھونسا بڑا زبردست ثابت ہوا۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی مچلنے لگیں اور ذہن پر تاریکی چھانے لگی۔

''ٹھیں ژے۔''

یہ آواز سن کر میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکنے لگا۔ تاریکی چھٹتی چلی

گئی اور جب میرے حواس کسی قدر بحال ہوئے تو میں نے ٹیڈی کو بلے بدمعاش سے بھڑے ہوئے پایا۔

میں نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا وہ عورت موجود نہیں تھی۔ ہماری لڑائی کے دوران موقع پا کر وہ بھاگ نکلی تھی۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بلے پر چھلانگ لگا دی جو ٹیڈی کے سر کی ٹکر کھا کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے آ رہا تھا۔

بلا بدمعاش ہم دونوں کے درمیان فٹ بال بن گیا اور پھر اپنی کنپٹی پر ٹیڈی کے سر کی زوردار ٹکر برداشت نہ کر سکا۔ وہ چیخ کر اس طرح گرا کہ پھر حرکت نہیں کر سکا۔

''وہ عورت کہاں گئی۔ تم نے دیکھا تھا اسے؟'' میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے ٹیڈی سے پوچھا۔

''ہوا ہو گیا' اب تم بھی بھاگو ڑے۔'' ٹیڈی مجھے اشارہ کرتا ہوا ساتھ والے دروازے کی طرف لپکا۔ میں نے بھی اسی کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

ہم اس دروازے سے باہر نکلے تھے جہاں سے میں نے بلے بدمعاش اور اس عورت کو مکان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم دوڑتے ہوئے گلی سے باہر نکلے۔ سڑک پر گرے کلر کی وہ کار بھی نہیں تھی۔ ہم سڑک پار کر کے پارک کے اندر سے ہوتے ہوئے دوسری طرف آ گئے اور پھر ہم دوڑنے کے بجائے آرام سے چلنے لگے۔ ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

میری ناک اور ہونٹوں سے خون بہنا رُک گیا تھا لیکن تکلیف اب بھی اپنی جگہ پر موجود تھی۔ میں بار بار بائیں ہاتھ کی پشت اور آستین سے ناک اور ہونٹ پونچھ رہا تھا۔

ہم گلی سے نکل کر دکانوں کی طرف آ گئے۔ روشنی میں آتے ہی میں نے اپنی قمیص پر خون کے چھینٹے دیکھ لیے تھے۔ آستین بھی خون آلود تھی اور ہاتھ کی پشت بھی۔ ویسے بھی میری حالت ایسی نہیں تھی کہ لوگوں کا سامنا کر سکتا اور یہاں دکانوں کے سامنے اب بھی خاصی چہل پہل تھی۔ میں اس طرح رُخ پھیر کر چلنے لگا کہ کم سے کم لوگوں کی نظر مجھ پر پڑ سکے۔

نرگس کار سے ٹیک لگائے کھڑی پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور پھر ہمیں دیکھ کر وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔

''ارے! یہ کیا ہوا؟'' وہ مجھے دیکھتے ہی بدحواس ہو گئی۔ ''کہاں گئے تھے تم..... کیا ہوا یہ.....؟''

''کوئی خاص بات نہیں ہے' معمولی سا جھگڑا ہو گیا تھا۔ تفصیل بعد میں بتاؤں گا' چلو کار میں بیٹھو۔'' میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

ہم پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور ٹیڈی نے سٹیئرنگ سنبھال لیا اور پھر ہم زیادہ دیر وہاں نہیں رُکے۔ ٹیڈی نے کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی تھی۔

''دیکھو واجا! ہم تم کو ایک بات بالکل صاف بولتا ہے۔'' گلشن چورنگی سے آگے نکلنے کے بعد ٹیڈی نے اپنے سامنے لگے ہوئے آئینے میں میرے عکس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اپنا متھا ٹھنڈا رکھو۔ دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔ چھوٹے چھوٹے بدمعاشوں سے منہ ماری کر کے اپنا طاقت

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کو ضائع مت کرو۔"

"لیکن وہ حرامی اس عورت کی عزت پر ہاتھ ڈال رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"تو تمہیں کیا تکلیف پہنچی تھی واجا!" ٹیڈی بولا۔ "ایسا کھیل تماشا تو کراچی شہر میں روز ہوتا ہے اور پھر وہ عورت بھی بوت حرامی تھا۔ نشہ کرنے والی عورت اپنا عزت کو کدھر رکھ سکتا ہے۔ عزت دار ہوتا تو نشہ شروع ہی کیوں کرتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تم جب آئس کریم والا دکان کے سامنے سے اتر کر بلے بدمعاش کی طرف گیا تھا تو ہم کو اس وقت شک پڑ گیا تھا اور پھر تم نے ادھر گاڑی روکنے کو بولا تو ہم کو یقین ہو گیا کہ کوئی گڑبڑ ہونے والا ہے۔"

"ہم تمہارا پیچھے گیا مگر ہم کو دیر ہو گیا۔ اس عورت کا کار تو ادھر کھڑا تھا مگر وہ دکھائی نہیں پڑا۔ ہم نے پارک میں بھی دیکھا کہ شاید وہ دونوں اندھیرے میں جھاڑیوں کے پیچھے۔" وہ بات کرتے کرتے رُک گیا۔ شاید اسے نرگس کی موجودگی کا خیال آ گیا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "پھر ہم نے اس عورت کو گلی میں بھاگتے ہوئے دیکھا اس کا جسم پر پورا کپڑا بھی نہیں تھا ہم اس کو پکڑ لیا' وہ بوت ڈرا ہوا تھا۔ ہمارا پوچھنے پر اس نے مکان کی طرف اشارہ کر دیا اور کار میں بیٹھ گیا اور ایک منٹ کا اندر اندر کار سمیت وہاں سے ہوا ہو گیا۔ گلی میں اس مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اندر گھس گیا اور اگر ہم کو دیر ہو جاتا تو آج واقعی تمہارا باجا بج جاتا۔"

"ہاں' باجا تو واقعی بج جاتا پر باجا بجانے والے کے بھی دانت ٹوٹ جاتے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ بلا ہے بڑا کیکڑا آدمی۔" ٹیڈی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ چھوٹا چھوٹا بدمعاش لوگ..... انہیں تو اپنا عزت کا بھی پروا نہیں' یہ لوگ کیا جانے بدمعاشی کیا ہوتا ہے۔ ہیروئن بیچنا اور عورتوں پر ہاتھ ڈالنا تو دادا گیری نئی ہوتا نہ۔ ان سے منہ ماری کر کے اپنا طاقت ضائع کیوں کرتا ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ بات ادھر ہی ختم نہیں ہو گا۔"

"تو پھر کہاں ختم ہو گا؟" میں نے آستین سے ہونٹ پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"بلا بدمعاش پہلے تحریکی کے گروہ کے ساتھ تھا۔ اس کے ایک بندے سے لفڑا ہو گیا تو اسے مار کر وہاں سے بھگا دیا گیا۔ اور سمندر خان کے ساتھ مل گیا۔ سمندر خان بھی دراصل تحریکی ہی کا بندہ ہے۔ یہ سب لوگ اندر سے ایک ہی ہیں کیا بولتا ہے اس کو ایک تھیلے کے چٹے سفید....."

"چٹے سفید نہیں..... چٹے بٹے بولو ٹیڈی بھائی۔" نرگس نے پہلی مرتبہ مداخلت کی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"وہی بہن وہی۔" ٹیڈی نے سر ہلایا۔ "یہ سب لوگ وہی ہیں اپنا واجا نے بلے بدمعاش کا ایک شکار اس کے منہ سے چھینا ہے۔ وہ خاموش تو نہیں بیٹھے گا نا۔ سمندر خان کو بتائے گا اور سمندر خان یہ بات تحریکی تک ضرور پہنچائے گا۔"

"اسے کیا پتا میں کون ہوں۔" میں نے کہا۔

"ارے وہ میرا فوٹو تو پہچانتا ہے نا۔" ٹیڈی نے ایک ہاتھ کار کے سٹیرنگ سے اٹھا کر مخصوص

انداز میں اپنے چہرے پر پھیرا۔ "وہ میرا نام بھی جانتا ہے' اچھا ہے تھوڑا مزہ آئے گا۔"

میں جواب دینے کے بجائے باہر دیکھنے لگا۔ اس وقت ہم سہراب گوٹھ والے چوراہے پر پہنچ چکے تھے۔ وہاں سے ٹیڈی نے گاڑی بائیں طرف گھما دی۔ یہی سڑک سیدھی کریم آباد کی طرف چلی گئی تھی۔

اور پھر ہمیں گھر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

بنگلے میں داخل ہوتے ہی میں باتھ روم میں گھس گیا اور اسپرٹ وغیرہ سے اپنی ناک اور سوجے ہوئے ہونٹوں کی مرمت کرنے لگا۔

میں باہر آیا تو ٹیڈی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور نرگس کچن میں تھی۔ میں ٹیڈی کے پاس بیٹھ گیا۔ بیس پچیس منٹ بعد نرگس کافی بنا کر لے آئی۔ کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے ہم آج کے واقعہ پر تبصرہ کرنے لگے۔

آج کی گڑبڑ میں قصور واقعی میرا تھا۔ مجھے بلے بدمعاش کے دھندے میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے تھی اور مداخلت کرنے کا سوچا تھا تو ٹیڈی کو بتا دینا چاہئے تھا۔ بہرحال' جو ہونا تھا ہو چکا' اب آئندہ مجھے احتیاط کی ضرورت تھی۔

ٹیڈی کا پروگرام ہمارے ہی ساتھ رہنے کا تھا۔ نرگس نے اس کے لیے اوپر والے کمرے میں بستر لگا دیا تھا لیکن دو بجے سے پہلے ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلے تھے۔

ٹیڈی کے اوپر جانے کے بعد ہم اپنے کمرے میں آ گئے۔ میرے ہونٹ پھول گئے تھے اور ناک بھی سوجی ہوئی تھی۔ تکلیف اگرچہ بہت زیادہ نہیں تھی لیکن ہلکی ہلکی تکلیف بھی مجھے مسلسل بے چین کیے ہوئے تھی۔ میں ایک بار پھر باتھ روم میں گھس گیا اور آئینے میں اپنے بگڑے ہوئے چوکھٹے کو دیکھنے لگا۔ میں نے ناک کو انگلی سے ٹٹول کر دیکھا۔ ناک کا بانسہ محفوظ ہی رہا تھا۔

میں ابھی آئینے میں اپنی چوٹوں کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ آئینے میں نرگس کا عکس دکھائی دیا اور پھر وہ بھی باتھ روم میں گھس آئی اور میرے ہونٹوں اور ناک کا معائنہ کرنے لگی پھر اس نے میرے زخموں پر لوشن لگایا اور ہم باتھ روم سے باہر آ گئے۔

نرگس نے اگرچہ مجھے ایک پین کلر بھی کھلا دی تھی لیکن تکلیف مجھے مسلسل بے چین کیے ہوئے تھی۔ ہونٹ زیادہ پھول گئے تھے اور مجھے اب بولنے میں بھی خاصی تکلیف ہو رہی تھی۔ نرگس کوئی بات کرتی تو میں جواب میں خاموش ہی رہتا۔

صبح کے چار بجنے والے تھے۔ نرگس سو چکی تھی۔ میں کبھی اونگھ جاتا اور کبھی تکلیف کی وجہ سے پھر آنکھ کھل جاتی اور جب میں جاگ جاتا تو اپنے بارے میں سوچنا شروع کر دیتا۔

مجھے اپنے آپ پر واقعی حیرت ہو رہی تھی۔ کراچی آنے کے بعد میں دو مرتبہ پٹ چکا تھا اور اتفاق سے دونوں مرتبہ ٹیڈی میری مدد کو پہنچ گیا تھا۔

میرے اندر کیا تبدیلی آئی تھی کہ میں جمی اور بلے جیسے تھرڈ ریٹ بدمعاشوں سے پٹ گیا تھا۔ حالانکہ راجستھان میں بھی میں ہی تھا جس نے راکے خطرناک ترین ایجنٹوں کو تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا' کئی کئی آدمی بیک وقت میرے ہاتھوں پٹے تھے لیکن یہاں آتے ہی میں ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے

www.pdfbooksfree.pk

ہاتھوں پیروں میں جان نہ رہی ہو۔ یہ یہاں کی آب و ہوا کا اثر تھا یا میری طاقت سلب ہو رہی تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد آخرکار میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہ سب آرام پسندی اور کاہلی کا نتیجہ تھا' کئی کئی روز تو میں گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ بستر پر پڑا اینٹھتا رہتا تھا جس سے میری جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ میرے ہاتھوں پیروں کو بھی زنگ لگ رہا تھا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ کل ہی سے ایکسرسائز شروع کردوں گا اور یہ سب کچھ سوچتے ہوئے آخرکار میری آنکھ لگ گئی۔

☆.....☆☆☆.....☆

ناک اور ہونٹوں کی تکلیف کے باوجود میں نے اگلے ہی روز سے اپنے ایکسرسائز والے پروگرام پر عمل شروع کردیا۔ ہمارے بنگلے کے سامنے اگرچہ پارک موجود تھا لیکن اس میں گھاس نام کو بھی نہیں تھی۔ قرب و جوار میں بھی کوئی ایسا پارک موجود نہیں تھا۔ میں صبح ساڑھے پانچ بجے گاڑی پر گھر سے نکلتا اور گلشن اقبال میں عزیز بھٹی پارک پہنچ جاتا۔ اس سرسبز اور وسیع و عریض پارک میں ایک خوبصورت جھیل بھی تھی لیکن پارک کے عملے کی بے پروائی کے باعث وہ جھیل بیکار ہوگئی تھی۔ پانی کی سطح پر دبیز کائی اور نرسل پھیلی ہوئی تھی۔ بہرحال' مجھے اس جھیل سے کوئی غرض نہیں تھی۔

اور بھی بہت سے لوگ صبح سویرے جوگنگ اور ایکسرسائز کے لیے اس پارک میں آتے تھے۔ ان میں خواتین بھی ہوتی تھیں۔ خواتین نے اگرچہ ایکسرسائز کے لیے دبیز گھاس کا ایک الگ حصہ اپنے لیے مخصوص کررکھا تھا لیکن بہت سی خواتین ایسی بھی تھیں جو مردوں کے شانہ بشانہ جوگنگ اور ایکسرسائز کرتی ہوئی نظر آتیں۔

چند روز بعد ہی میں اپنے آپ میں بڑی تبدیلی محسوس کرنے لگا۔ اب میری پرانی صلاحیتیں عود کر آرہی تھیں۔ میں اپنے آپ میں برقی لہریں سی دوڑتی ہوئی محسوس کرنے لگا تھا' جس میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا اور پھر ایک روز ایک دلچسپ صورت حال پیدا ہوگئی۔ اس روز میں جھیل کے اطراف میں پختہ پٹڑی پر جوگنگ کررہا تھا۔ میرے ساتھ ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ ان کے پیچھے عورتیں تھیں۔ مخالف سمت سے بھی کچھ لوگ جوگنگ کرتے ہوئے آرہے تھے۔

جھیل کے آخری سرے پر موڑ کسی قدر تنگ تھا۔ اس جگہ تنگ سی پٹی کے ایک طرف جھیل تھی اور دوسری طرف بھی پانی کی کھاڑی سی تھی۔ دونوں کناروں پر گھنی جھاڑیاں تھیں۔

میں اس موڑ پر پہنچا ہی تھا کہ سامنے سے آنے والے ایک شخص کو دیکھ کر چونک گیا۔

وہ بلا بدمعاش تھا۔

بلا مجھ سے دس گز دور تھا۔ اس نے دھاری دھار سینڈو کٹ بنیان اور سفید نیکر پہن رکھی تھی۔ اس کی ٹانگوں اور بازوؤں کے ابھرے ہوئے مسلز صاف نظر آرہے تھے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ دوسروں کو ہیروئن کا عادی بنا کر ان کے جسموں سے زندگی نچوڑ لینے والے کو اپنی صحت کی کتنی فکر تھی۔ بلا پہلے بھی یہاں آتا ہوگا' مگر اس سے میرا سامنا پہلی بار ہوا تھا۔

بلے نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے الجھن اور پھر چمک سی ابھری تھی۔ ایک لمحے کو اس کی رفتار کم ہوئی تھی لیکن پھر دوسرے ہی لمحے اس نے دھاڑتے ہوئے میری طرف چھلانگ لگا دی۔

aazzamm@yahoo.com

میں اسے دیکھ چکا تھا' اس لیے میں بھی غافل نہیں تھا۔ وہ جیسے ہی میری طرف لپکا۔ میں پھرتی سے نیچے جھک گیا اور بلے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر سامنے اچھال دیا۔ وہ مٹی کی وزنی بوری کی طرح دھپ سے زمین پر گرا۔ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی لیکن اس نے اٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔

میرے دائیں بائیں جوگنگ کرنے والے دونوں ادھیڑ عمر آدمی تیزی سے دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے تھے۔ پیچھے آنے والی دونوں عورتیں بھی چیختی ہوئی پلٹ کر پیچھے دوڑ گئی تھیں۔

بلے نے اٹھ کر پھر حملہ کردیا اس مرتبہ وہ گھونسہ تان کر آگے بڑھا تھا۔ میں نے بڑی تیزی سے اس کا گھونسہ اپنی بائیں کلائی پر روکا اور دائیں ہاتھ سے اس کے جبڑے پر گھونسہ جڑ دیا وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا' لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سنبھل کر پھر چھلانگ لگا دی۔

اس مرتبہ میں اپنا بچاؤ نہیں کرسکا۔ بلا مجھے اپنے ساتھ لے کر نیچے گرا وہ میری گردن دبوچنا چاہتا تھا لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو رگیدتے رہے کبھی میں بلے کے اوپر آجاتا اور کبھی اس کے نیچے دب جاتا اور جب اٹھتے تو خونخوار درندوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے اور ایک دوسرے پر تابڑتوڑ حملے شروع کردیتے۔

دونوں طرف پانیوں کے بیچ میں خشکی کی وہ پٹی چھ فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی' اس طرف جوگنگ کے لیے آنے والوں کا سارا پروگرام گڑبڑ ہوگیا تھا۔ لوگ ہمارے دونوں طرف دور دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے' مگر کسی نے قریب آکر ہمیں چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ عورتیں تو چیختی ہوئی وہاں سے بہت دور بھاگ گئی تھیں۔

بلے کا ایک داؤ چل گیا اور اس نے مجھے اٹھا کر پٹخ دیا۔ لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا اور اگلے ہی لمحے میرا بھرپور گھونسہ اس کی ناک پر پڑا تو وہ بلبلا اٹھا۔ اس کی ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ لیکن وہ بھی بڑا سخت جان ثابت ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی سنبھل کر مجھ پر حملہ کردیا۔

ہم ایک بار پھر ایک دوسرے کو رگیدنے لگے۔ میں نے اسے گرانے کی کوشش کی لیکن میرا پیر پھسل گیا اور میں خشکی کی اس پٹی پر اس طرح گرا کہ میری ٹانگیں تو خشکی پر رہیں مگر اوپر کا آدھا دھڑ کنارے سے نیچے لٹک گیا۔ میں سنبھلنے کی کوشش کررہا تھا کہ بلا میرے سینے پر سوار ہوگیا اور میرے منہ پر گھونسے مارنے لگا۔

میری صورت حال بڑی نازک تھی۔ آدھے دھڑ سے کنارے پر لٹکے ہوئے ہونے کی وجہ سے میں پوری طرح اپنی طاقت بھی استعمال نہیں کرسکتا تھا۔

بلے نے میرے سر کو نیچے جھکا کر جھاڑیوں کے اندر پانی میں غوطہ دیا۔ وہ شاید مجھے اس طرح ڈبو کر مار ڈالنا چاہتا تھا۔ یہ میرے لیے خوفناک ترین لمحات تھے۔

میرا سر پانی سے ابھرا تو میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ بلے نے میرا سر دوبارہ پانی میں ڈبونا چاہا' لیکن اس مرتبہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر جما دیئے۔ اس طرح اس کی طاقت کسی قدر کم ہوگئی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بلے کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا چہرہ بے حد خوفناک ہو گیا تھا۔
میں نے اپنی دونوں ٹانگیں بھی سمیٹ لیں اور پوری طاقت ٹانگوں میں مجتمع کر کے اسے اپنے اوپر سے اُچھال دیا۔

بلا بدمعاش جھاڑیوں کے اوپر سے ہوتا ہوا شڑاپ کی آواز سے جھیل کے پانی میں گرا۔ اس کے منہ سے چیخ بھی نکلی تھی۔ بلے کو اپنے اوپر سے دھکا دیتے ہوئے میں نے اپنے آپ کو فوراً ہی سنبھال لیا تھا۔ دوسری صورت میں میں بھی پانی میں غوطے کھا رہا ہوتا۔

میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک آدمی دوڑ کر آگے آ گیا اور مجھے سہارا دے کر اٹھا دیا۔ یہ ان دو آدمیوں میں سے ایک تھا' جو بلے سے مقابلہ ہونے سے پہلے میرے ساتھ جوگنگ کر رہے تھے اور وہ دیکھ ہی چکے تھے کہ بلاوجہ بلے نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔

''میں اس شخص کو جانتا ہوں۔ بدمعاش آدمی ہے اس کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے۔'' اس شخص نے یہ الفاظ بلے کے لیے کہے تھے۔ ''چند روز پہلے بھی کسی نے اس کے گھر میں گھس کر اس کی پٹائی کی تھی۔ مگر یہ بدمعاش اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔''

دوسرے لوگ بھی اب میرے قریب آ گئے تھے۔ ان میں کئی ایسے بھی تھے جو گلشن میں رہتے تھے اور بلے بدمعاش کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ سب بلے کو گالیاں اور مجھ سے اظہار ہمدردی کر رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ میں بلے سے بھی بڑا بدمعاش ہوں تو شاید بلے سے زیادہ گالیاں میرے حصے میں آتیں۔

بلا بدمعاش نجانے کس وقت جھیل سے نکل کر سامنے ریلوے لائن کی طرف والی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا تھا۔ میں نے لوگوں کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور پارک سے نکل کر سڑک پر اس طرف چلنے لگا جہاں میری کار کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

اس روز کے بعد میں بھٹی پارک کی طرف نہیں گیا۔ کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے نہیں' بلکہ میں نے ٹیڈی کے بتائے ہوئے اس اصول پر عمل شروع کر دیا تھا کہ بلے جیسے چھوٹے چھوٹے بدمعاشوں پر اپنی توانائی ضائع کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے ٹیڈی کو یا نرگس کو اس روز کے واقعہ کے بارے میں کچھ بتایا بھی نہیں تھا۔

اس سے اگلے روز سے میں نے اپنے بنگلے کے سامنے والے پارک میں جانا شروع کر دیا۔ جوگنگ کرتے ہوئے پارک کے دو تین چکر لگاتا اور گھر واپس آ کر لان میں تھوڑی بہت ورزش کر لیتا۔

اب میں بہت بدل گیا تھا۔ میرے اندر ایک بار پھر پارہ سا بھر گیا تھا اور اب میں پہلے کی طرح بلے جیسے دو چار غنڈوں سے بیک وقت نمٹ سکتا تھا۔

تین چار روز گزر چکے تھے۔ رنگا سے اس کے بعد ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ تاہم ٹیلی فون پر ایک دو مرتبہ گپ شپ ضرور ہوئی تھی اور پھر ایک روز رنگا نے ٹیلی فون پر بڑی سنسنی خیز خبر سنائی۔

تحریکی ان دنوں کراچی آیا ہوا تھا۔ کئی روز پہلے جب سولجر بازار کی ویران کوٹھی میں وہ واقعہ پیش

آیا تھا' ان دنوں تحریکی شارجہ یا دبئی میں تھا۔ اسے وہیں پر بابل کے قتل اور اپنے دوسرے آدمیوں کی پٹائی کی خبر مل گئی تھی۔ اس رات کراچی میں تحریکی کے نائب نے اپنی صوابدید سے کام لیتے ہوئے صورت حال پر قابو پا لیا تھا اور اپنے بندوں کو بچانے کے لیے ڈاکوؤں کے خلاف غلط رپورٹ لکھوا دی تھی۔

اتنے روز خاموشی رہی تھی۔ ہم نے بھی اپنی سرگرمیاں معطل کر رکھی تھیں۔ لیکن تحریکی نے آتے ہی غل غپاڑہ شروع کر دیا تھا۔ بابل اس کے چند بہترین آدمیوں میں سے ایک تھا جو اس رات ٹیڈی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ تحریکی اسے آسانی سے نہیں بھول سکتا تھا۔

تحریکی کے آنے کے دوسرے ہی روز رضیہ اور جمی وغیرہ کے اغوا کی جھوٹی رپورٹ کی روشنی میں پولیس نے ایک تازہ رپورٹ درج کر لی تھی' بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اس پرانی رپورٹ کو ایک نیا رنگ دیا گیا تھا۔

اور تازہ ترین رپورٹ یہ تھی کہ بابل کے قتل کا الزام ٹیڈی پر عائد کر دیا گیا تھا۔ رضیہ' جمی اور بالے نے بھی اپنے تازہ بیان دیے تھے' جن میں انہوں نے کہا تھا کہ پرانی نمائش کے چوراہے سے انہیں اغوا کرنے والے دو آدمی تھے۔ اغوا کرتے وقت انہوں نے چہروں پر نقاب چڑھا رکھے تھے' لیکن اس ویران کوٹھی میں جانے کے بعد انہوں نے اپنے چہروں سے نقاب اتار دیئے تھے۔ ان میں سے ایک ٹیڈی تھا۔ رنگا کا آدمی' جسے انہوں نے پہچان لیا تھا اور بابل کو گولی بھی ٹیڈی ہی نے ماری تھی۔

رضیہ کے بیان میں کچھ اضافی باتیں بھی تھیں۔ رضیہ کے نئے بیان کے مطابق انہیں اغوا کرنے والا ٹیڈی کا دوسرا ساتھی نظیر محمد عرف ناجی تھا (یعنی میں) جو پنجاب پولیس کو قتل' ڈکیتی' منشیات کی سمگلنگ' جعلسازی اور دیگر کئی سنگین وارداتوں میں مطلوب تھا۔ اس نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ سولجر بازار کی اس ویران کوٹھی میں ناجی ہی نے اس کے جسم سے زیورات اتروائے تھے اور پہلے اس نے پستول کی زد پر دوسرے کمرے میں لے جا کر اس کے ساتھ منہ کالا کیا تھا اور بعد میں ٹیڈی نے اپنی خواہش پوری کی تھی۔ رضیہ جیسی عورت کے لیے اس قسم کی شرمناک باتیں کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں۔ کوئی شریف عورت ایسا لفظ منہ سے نہیں نکالتی' جو اس کی ذلت و رسوائی کا باعث بن سکتا ہو۔ رضیہ ایک فاحشہ عورت تھی۔ اسے اس قسم کا بیان دیتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی تھی۔

رضیہ کے بیان میں میرے لیے ایک اور بات قابل توجہ تھی۔ اس نے کہا تھا کہ ناجی (یعنی میں نے) اس کے جسم سے زیورات اتروائے تھے اور ان زیورات میں اس نیکلس کا خاص طور پر ذکر تھا' جس کے لیے شروع ہی سے اس کی نیت خراب تھی۔

کچھ باتیں مجھے رنگا سے ٹیلی فون پر معلوم ہوئی تھیں اور کچھ میں نے اخبار میں پڑھ لی تھیں۔ پولیس کو اب بڑی سرگرمی سے ٹیڈی کی اور ناجی کی یعنی میری تلاش تھی۔

رنگا نے فون پر بتایا تھا کہ پولیس نے اگرچہ ٹیڈی کی تلاش میں اس کے علاقے میں ایک دو جگہوں پر چھاپے مارے تھے لیکن اس کے ڈیرے... کا رخ نہیں کیا تھا' جس کا مطلب تھا کہ رنگا کا رسوخ بھی کام آ رہا تھا اور ٹیڈی کی گرفتاری کے لیے پولیس محض خانہ پری سے کام لے رہی تھی یا شاید دکھاوے کی یہ کارروائی تحریکی کو تسلی دینے کے لیے کی جا رہی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

یہ ساری باتیں ٹیڈی کے علم میں بھی آ چکی تھیں۔ رنگا نے تقریباً بیس منٹ تک اس سے بھی بات کی تھی اور رنگا ہی نے ٹیڈی کو مشورہ دیا تھا کہ کم از کم دو دن تک باہر نہ نکلے۔

دو دن بعد رات گیارہ بجے کے قریب رنگا کا فون آ گیا۔ کال میں نے ہی ریسیو کی تھی۔

''تاجی واجا!'' رنگا نے چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کہا۔ ''صورت حال کچھ زیادہ ہی سنگین ہوگئی ہے۔ تحریکی بہت اوپر تک پہنچ گیا ہے۔ میں گاڑی بھیج رہا ہوں تم ٹیڈی کو واپس بھیج دو۔ حضوری' ٹیڈی کی جگہ لے لے گا۔ وہ تمہارے ساتھ رہے گا۔''

''کیا ٹیڈی یہاں زیادہ محفوظ نہیں ہے؟'' میں نے کہا۔ ''اس لیے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اسے چند روز یہیں رہنے دیا جائے۔''

''ٹیڈی تمہارے پاس محفوظ تو ہے لیکن وہ تمہارے قابو میں نہیں آئے گا۔'' رنگا نے جواب دیا۔ ''وہ ایک جگہ قید ہو کر بیٹھنے والا نہیں ہے۔ وہ باہر نکل گیا تو کسی کی نظروں میں آ جائے گا اس طرح تم بھی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ میرے پاس ایک ایسی جگہ ہے' جہاں وہ زیادہ محفوظ رہے گا اور ہاتھ پیر مارنے کی کوشش بھی نہیں کرے گا اور تم بھی محفوظ رہو گے۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات اور.....'' میں نے کہا۔ ''میری حفاظت کا ایک بہتر طریقہ یہ ہے کہ حضوری کو بھی یہاں مت بھیجو۔''

''کیا مطلب؟'' رنگا نے پوچھا۔

''مجھے یہاں صرف رضیہ پہچانتی ہے یا جی اور بالے نے ایک مرتبہ مجھے دیکھا ہے گویا پورے شہر میں صرف تین آدمی ہیں جو صورت سے مجھے پہچان سکتے ہیں اس طرح میرے لیے زیادہ خطرے کی بات نہیں ہے اور اگر حضوری میرے ساتھ ہوگا تو اس کی وجہ سے میں بھی آسانی سے نظروں میں آ جاؤں گا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا۔''

''بالکل سمجھ گیا واجا۔'' رنگا نے جواب دیا۔ ''یہ بات پہلے میری کھوپڑی میں کیوں نہیں آئی۔ اچھا ٹھیک ہے ٹیڈی کو فون دو میں اس سے بات کرتا ہوں۔''

ٹیڈی میرے قریب ہی بیٹھا تھا۔ میں نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک بات کرتا رہا وہ اگرچہ بلوچی زبان میں بات کر رہا تھا' لیکن اس کے منہ سے ایک دو جگہوں کے نام بھی نکلے تھے' جس سے میں سمجھ گیا کہ وہ رنگا سے کس قسم کا پروگرام بنا رہا تھا۔ پھر ٹیڈی نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''گاڑی ٹھیک آدھے گھنٹے بعد یہاں باہر والے پٹرول پمپ سے پچاس گز آگے پہنچ کر رُکے گی۔'' وہ بات کرتے ہوئے نرگس کی طرف مڑ گیا۔ ''سوری بابی (بھابی) آپ دونوں کے ساتھ چند روز بڑے آرام سے گزرے اور اس وقت تو تاش کی بازی میں واقعی بڑا مزہ آ رہا تھا۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔ ''ویسے بھی رنگا کی بات ہے اس کے بعد میں پھر آپ لوگوں کے ساتھ ہوں گا۔''

ٹیڈی کے ساتھ واقعی بڑا اچھا وقت گزرا تھا۔ ہم زیادہ تر رمی کھیل کر اپنا وقت گزارتے تھے اور اس وقت رنگا کا فون آنے سے پہلے بھی رمی ہی کھیل رہے تھے۔ ٹیڈی نرگس سے بے تکلف ہو گیا تھا وہ بھی اسے بہن کہتا اور کبھی بابی کہہ کر پکارتا وہ جب بھی اسے بابی کہتا نرگس میری طرف دیکھ کر مسکرا دیتی۔

تقریباً پچیس منٹ بعد ہم گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ نرگس میرے ساتھ والی سیٹ پر اور ٹیڈی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ پلاسٹک کا وہ تھیلا اس نے اپنے پاس رکھ لیا جس میں اس کے کپڑے تھے۔

پٹرول پمپ ہمارے بنگلے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ دو گلیاں گھوم کر مین روڈ پر آ گئے۔ پٹرول پمپ کے ساتھ ہی بس سٹاپ تھا اور اس وقت یہاں خاصی رونق تھی۔ بسوں کی آمدورفت لگی ہوئی تھی بہت سے لوگ اپنے اپنے روٹ کی بسوں کے انتظار میں کھڑے تھے۔ سامنے سڑک کے اس پار مینا بازار والے چوراہے کو دیکھ کر کہا جا سکتا تھا جیسے وہاں ابھی شام اتری ہو۔

مین روڈ پر تقریباً پچاس گز آگے جا کر میں نے گاڑی روک کر انجن بند کر دیا اور سیٹ پر پیچھے کی طرف مڑ کر ٹیڈی سے باتیں کرنے لگا۔

تقریباً دس منٹ بعد سفید رنگ کی ایک سوزوکی ہائی روف ہم سے تقریباً دس گز آگے نکل کر رُک گئی۔ ہائی روف کی چھت پر سرخ روشنی فلیش کر رہی تھی اور اس کے دونوں طرف کسی پرائیویٹ ہسپتال کا نام لکھا ہوا تھا۔

ٹیڈی نے مجھ سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ نرگس کو سلام کیا اور اپنا تھیلا اٹھا کر کار سے اتر گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایمبولینس کے قریب پہنچ گیا۔ ایمبولینس کا دروازہ کھلا اور ٹیڈی کے اندر بیٹھتے ہی وہ حرکت میں آ گئی۔ چند گز آگے جا کر ایک یوٹرن لیا اور تیزی سے واپسی کی طرف دوڑنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی فلیش کے ساتھ لگے ہوئے سپیکر سے ٹیں ٹیں۔ ٹیں ٹیں کی آواز فضا میں گونجنے لگی تھی۔ میں نے سڑک کے دوسرے حصے پر واپس جاتی ہوئی ایمبولینس کی طرف دیکھا۔ شیشوں پر نیلے رنگ کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس ایمبولینس میں کوئی مریض ہوگا یا کوئی خطرناک قاتل سفر کر رہا ہے۔

ہم نے اس وقت تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ تاش کی وہ بازی ختم ہونے کے بعد بندو خان کے ہاں جا کر کباب پراٹھا کھائیں گے۔ یہ تجویز ٹیڈی کی تھی۔ حالانکہ اب وہ بڑی شدت سے پولیس کو مطلوب تھا اور پرانی نمائش کے قریب بندر روڈ پر بندو خان کا ہوٹل اس علاقے میں واقع تھا' جہاں ٹیڈی آسانی سے پولیس کی نظروں میں آ سکتا تھا۔ سولجر بازار کا علاقہ سامنے ہی تو تھا جہاں ٹیڈی کے خلاف بابل کے قتل کی رپورٹ درج تھی۔

ٹیڈی بیس بائیس دن ہمارے ساتھ رہا تھا۔ اس دوران میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ امن پسند آدمی تھا' لیکن اپنا ناریل استعمال کرنا بھی جانتا تھا۔ تاہم بعض اوقات بقول اس کے اس کا ناریل گھوم جاتا تھا اور غالباً آج کوئی ایسی ہی بات تھی۔

مجھے حالانکہ وہ منع کرتا رہتا تھا کہ بلے جیسے چھوٹے بدمعاشوں سے مارا ماری کر کے اپنی توانائی ضائع نہ کروں۔ لیکن آج رنگا کے منع کرنے کے باوجود اس نے بندو خان کے ہاں کباب پراٹھا کھانے کا پروگرام بنا رکھا تھا اور اس کے بارے میں رنگا کا یہ خیال درست ہی ثابت ہوا تھا کہ وہ میرے قابو میں نہیں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آ ئے گا اور اس کی وجہ سے میں بھی کسی مصیبت میں پڑ جاؤں گا۔ میں نے ٹیڈی کو اس پروگرام سے باز رکھنے کی کوشش بھی کی تھی' مگر ہر مرتبہ اس کا ایک ہی جواب تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا ڑے!''

اور پھر اچھا ہی ہوا تھا کہ رنگا نے اسے واپس بلا لیا تھا۔ ٹیڈی کے الگ ہو جانے سے ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے اور نرگس نے وہ پروگرام برقرار رکھا اور چند سیکنڈ بعد میں نے بھی انجن سٹارٹ کر کے کار کو آگے بڑھا دیا اور یوٹرن لے کر اسے اس طرف دوڑا دیا جس طرف ایمبولینس گئی تھی۔

بندو خان کے ہوٹل تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی' بند روڈ پر اس ہوٹل کا حدود اربعہ بڑا دلچسپ تھا۔ سڑک سے ہٹ کر کشادہ سروس روڈ تھی اور اس کے بعد ہوٹل کی سنگل سٹوری عمارت' جو زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس کے سائیڈ ہی میں ایک ایسی عمارت میں الحمرا ہوٹل تھا۔ یہ دونوں ہوٹل پورے شہر میں کباب پراٹھے کے لیے خاصی شہرت رکھتے تھے اور بڑے بڑے دولت مند لوگ دور دور سے اپنے ذوق کام و دہن کی تسکین کے لیے یہاں آتے تھے۔

ہوٹل کے دائیں بائیں دور دور تک پلاٹ خالی تھے۔ پچھلی طرف بھی تقریباً دو سو گز تک ویرانہ تھا اور اس کے بعد لائنز ایریا کی آبادی تھی۔

اس وقت اگرچہ رات کے بارہ بج چکے تھے لیکن ہوٹل کے دائیں بائیں اور پچھلی طرف دور دور تک قیمتی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہوٹل کے سامنے نہایت کشادہ جگہ تھی۔ جہاں میز کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہوٹل کی عمارت کے اندر بھی ایک کشادہ ہال تھا اور فیملی یا لوبرڈز کے لیے الگ الگ کیبن بھی بنے ہوئے تھے۔

میں جب ہوٹل کی عمارت کے بائیں پہلو میں قدرے تاریک جگہ پر کار روک رہا تھا تو اس وقت نیلے رنگ کی ایک شاندار مرسیڈیز کار ہم سے چند گز آگے نکل کر رک گئی۔ میں اس وقت اپنی کار کا انجن بند کر رہا تھا کہ آگے والی کار کے دونوں طرف کے دروازے کھلے ایک طرف سے ایک ادھیڑ عمر آدمی برآمد ہوا تھا' جس نے سیاہ رنگ کا قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ پیروں میں سفید لوکیشن تھی۔ وہ بڑی شاندار شخصیت کا مالک لگ رہا تھا۔

کار کے دوسرے دروازے سے اترنے والی عورت کو دیکھ کر ایک لمحہ کو تو میرا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ لانبا قد' بھرا بھرا گداز بدن' چہرے کے نقوش جاذب نظر' چمکتی ہوئی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں اور سیاہ بال کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے۔

کار کا دروازہ لاک کر کے اس آدمی نے انہیں ایک بار پھر چیک کیا اور ہوٹل کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ میں نرگس کو اشارہ کرتا ہوا کار سے اتر گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چم چماتی ہوئی قیمتی اور نئی کاروں کے بیچ میں میری یہ سیکنڈ ہینڈ مارگلہ بڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔

ہم ہوٹل کی عمارت کے سامنے پہنچے تو وہ جوڑا اندر داخل ہو رہا تھا۔ موسم بڑا خوشگوار لگ رہا تھا۔ باہر ہوا میں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ لیکن نجانے کیا بات تھی کہ میں نے بھی اندر کسی فیملی کیبن میں بیٹھنے کا فیصلہ کیا اور نرگس کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہو گیا۔

وہ جوڑا دائیں طرف والے ایک کیبن میں داخل ہوا۔ ہم جب سامنے سے گزرے تو وہ آدمی پردہ کھینچ رہا تھا۔ اگلا کیبن خالی تھا۔ ہم دونوں اندر بیٹھ گئے۔ دروازے پر پردہ کھینچنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ویٹر نے پہلے ساتھ والے کیبن سے آرڈر لیا پھر ہمارے کیبن کے دروازے پر آ گیا میں نے اسے آرڈر دیا۔

ہمیں بیس منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اس دوران ساتھ والے کیبن سے ابھرنے والی سرگوشیانہ باتوں سے ہمارا دل لگا رہا۔ نرگس بار بار میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ ان باتوں سے ہمیں اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان دونوں میں کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

کھانا بھی پہلے ساتھ والے کیبن میں سرو کیا گیا پھر ویٹر ہمارے کیبن کے دروازے پر نمودار ہوا اور ہماری مطلوبہ اشیاء ہمارے سامنے سرو کر دیں۔

کھانا کھاتے ہوئے میں اچانک ہی چونک گیا۔ ساتھ والے کیبن سے ابھرنے والی آواز سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ لڑکی کہہ رہی تھی۔

''یہ تحریمی کسی روز تمہیں مروا دے گا۔ وہ خود تو سات پردوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور تم جیسے لوگوں کو آگے کر رکھا ہے۔ کسی وقت پکڑے گئے تو میں تمہاری زیادہ مدد نہیں کر سکوں گی۔ ڈیڈی کو پہلے ہی میرے تم سے ملنے پر اعتراض ہے۔ یہ تو اتفاق ہے کہ وہ آج شام کی فلائٹ سے اسلام آباد چلے گئے ہیں۔ اگر وہ یہاں موجود ہوتے تو آج تم سے ملاقات نہ ہو پاتی۔ تم اگر تحریمی کا ساتھ چھوڑ دو تو شاید انہیں ہماری ملاقاتوں پر کوئی اعتراض نہ ہو۔''

''بس یہ آخری پھیرا تھا۔'' چپڑ چپڑ کی آوازوں کے درمیان اس شخص کی آواز سنائی دی۔ ''میں نے تحریمی کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس کے بعد میں اس کی کوئی خدمت نہیں کر سکوں گا۔ آج کا مال اس کے حوالے کر دوں۔ اس کے بعد میں آزاد ہوں گا۔''

''مال کتنا ہے؟'' نسوانی آواز سنائی دی۔

''دس کلو۔'' آدمی نے جواب دیا۔

''کہاں رکھا ہے؟'' لڑکی نے استفسار کیا۔

''گاڑی میں اور کہاں؟'' مرد نے جواب دیا۔ ''ٹھیک ساڑھے بارہ بجے تحریمی کا ایک آدمی یہاں پہنچ جائے گا اور میں مال اس کے حوالے کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔''

''کیا یہ حماقت نہیں کہ کروڑوں کا مال گاڑی میں چھوڑ آئے ہو۔'' لڑکی نے کہا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی سرزنش تھی۔

''تو کیا میں دس کلو وزنی تھیلا کندھے پر لاد کر یہاں لے آتا۔'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''تھیلا گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا ہے۔ اس پر میلے کپڑے پڑے ہیں۔ دھوبی کو دینے کے لیے اور اس جگہ کا انتخاب بھی اس لیے کیا گیا ہے کہ یہاں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔''

میں نے سامنے بیٹھی ہوئی نرگس کی طرف دیکھا۔ یہ باتیں سن کر اس کی آنکھوں میں بھی عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ میں نے نرگس کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کیے اور بڑی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آہستگی سے آواز پیدا کیے بغیر کیبن سے باہر آ گیا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا عمارت کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔

پچھلی طرف اندھیرا اور ویرانہ تھا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گھوم کر اس طرف آ گیا' جہاں وہ مرسیڈیز اور ہماری کار کھڑی تھی۔ پارکنگ والے اس حصے سے ایک کار اس وقت ریورس میں وہاں سے نکل رہی تھی۔ میں اس کے ہیڈ کیمپس کی روشنیوں سے بچنے کے لیے جلدی سے ایک کار کی آڑ میں ہو گیا۔

سروس روڈ پر پہنچ کر کار مڑی تو اس کی روشنی کا زاویہ بھی بدل گیا۔ میں کاروں کی آڑ لیتا' تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سفید مرسیڈیز کے قریب پہنچ گیا اور جیب سے اپنی کار کی چابیوں کا گچھا نکال کر ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔

اس وقت میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو رہی تھی۔ اگر کسی نے مجھے کار کے دروازے پر زور آزمائی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔

میرے کی رنگ میں ایک ایسی فلیٹ چابی موجود تھی' جس سے ذرا سی کوشش کے بعد کسی بھی کار کا تالا کھولا جا سکتا تھا میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے فلیٹ چابی تالے کے سوراخ میں داخل کر دی۔

مرسیڈیز جیسی قیمتی گاڑیوں کا سسٹم عام گاڑیوں سے مختلف ہوتا ہے' لیکن مجھے امید تھی کہ یہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میری مجرمانہ زندگی میں ایسے کئی مرحلے آئے تھے کہ میں نے پیچیدہ سے پیچیدہ تالے بھی تھوڑی سی کوشش کے بعد کھول لیے تھے۔

دو منٹ گزر گئے' مگر تالا ٹس سے مس نہیں ہوا۔ میری پیشانی پر پسینہ ابھر آیا۔ گردن پر بھی پسینے کی دھاریں کینچوؤں کی طرح رینگ رہی تھیں۔ کسی بھی وقت دھر لیے جانے کا خوف تھا۔

اور پھر کلک کی ہلکی سی آواز سن کر میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔ میں نے فلیٹ چابی تالے سے باہر نکالی اور ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے دروازہ کھول دیا اور بڑی احتیاط سے ڈرائیونگ سیٹ پر رینگ گیا۔

میں نے ایک بار محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر پیچھے جھک کر سیٹ پر پڑے ہوئے میلے کپڑے ایک طرف ہٹا دیئے اور ان کے نیچے سیٹ پر پڑا ہوا نیلے کپڑے کا تھیلا اٹھا لیا خاصا وزنی تھا۔

میں تھیلا اٹھا کر گاڑی سے اتر آیا۔ بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا اسے لاک کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ میں کاروں کی آڑ میں جھکتا ہوا اپنی کار کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے کار کی ڈکی کھول کر تھیلا اندر رکھا۔ بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا اور کاروں کے درمیان جھکتا ہوا عمارت کے پچھلی طرف آ گیا۔ میرا جسم اس وقت پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میں بڑے اطمینان سے پچھلے دروازے میں داخل ہو کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ مجھے عمارت سے باہر جاتے یا واپس آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے میں ہر لحاظ سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا تھا۔

نرگس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور آہستگی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس ساری کارروائی میں دس منٹ لگے تھے اور ان دس منٹوں میں نہ صرف کروڑوں روپے کا نقصان تحریکی کا مقدر بن گیا تھا' بلکہ اس شخص کی زندگی بھی داؤ پر لگ گئی تھی۔ لیکن مجھے نہ تحریکی کے

نقصان کی پروا تھی اور نہ اس شخص کی زندگی کی' جو اب بھی ساتھ والے کیبن میں بیٹھا چپڑ چپڑ کھانا کھاتے ہوئے اپنی محبوبہ سے باتیں کر رہا تھا اور شاید یہ اس کی زندگی کا آخری کھانا تھا۔

ہم کھانا ختم کر چکے تھے۔ لیکن میں اس ڈرامے کا کلائمیکس دیکھنا چاہتا تھا' جس میں' میں محض اتفاق سے ایک کردار کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ساتھ والے کیبن سے ایک آواز سن کر میں چونک گیا۔ یہ اس شخص کی آواز تھی جو پہلے سے اپنی محبوبہ کے ساتھ اس کیبن میں موجود تھا۔

''تم پانچ منٹ دیر سے آئے ہو سالار۔''

''اب مزید دیر مت کرو۔'' ایک اجنبی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ یقیناً وہی نووارد تھا' جسے سالار کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا۔ ''مجھے وہاں سے نکلے ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے۔ مزید دیر ہو گئی تو باس پریشان ہو گا۔''

کرسیاں گھسیٹے جانے کی آواز سنائی دی اور پھر وہ لوگ کیبن سے نکل گئے۔ میں نرگس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد ہم نے بھی سیٹیں چھوڑ دیں۔ بل ادا کیا اور ہال سے باہر آ گئے۔ باہر بچھی ہوئی میزوں پر اب بہت کم گاہک رہ گئے تھے۔ میں نرگس کا ہاتھ پکڑے اس طرف آ گیا جہاں ہماری کار کھڑی تھی۔

اس طرف کا منظر خاصا دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔ سالار نامی لمبے تڑنگے شخص نے دوسرے سونڈ بوٹڈ آدمی کو گریبان سے پکڑ کر مرسیڈیز کے ساتھ دبا رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ عورت بھی سہمی کھڑی تھی۔ ہمیں اس طرف آتے دیکھ کر سالار نے پستول والا ہاتھ نیچے کر لیا گویا وہ پستول ہم سے چھپانا چاہتا تھا۔

''کیا ہوا بھائی صاحب کوئی گڑبڑ؟'' میں نے آگے بڑھتے ہوئے ازراہ ہمدردی پوچھا۔

''تم سے مطلب؟'' سالار بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ ''بھاگو یہاں سے۔''

میں پیچھے ہٹ گیا۔ جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر اپنی کار کا دروازہ کھولا اور سٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہی دوسری طرف کے دروازے کی ناب اٹھا دی۔ نرگس بھی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

''جلدی سے نکل چلو یہاں سے۔'' اس نے سرگوشی کی۔ اس کے چہرے پر ہلکے سے خوف کے تاثرات ہویدا تھے۔

میں نے انجن سٹارٹ کر کے گاڑی کو ریورس میں لیا اور سروس روڈ لا کر اس کا رخ موڑ دیا۔

کیپری سینما والے چوراہے سے میں نے کار کو بند روڈ پر پرانی نمائش کی طرف موڑا اور ایکسی لیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔

اپنے بنگلے تک پہنچنے میں بیس پچیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ گھر کی چابیاں نرگس کے پرس میں تھیں۔ میں نے گیٹ کے سامنے کار روکی تو وہ اتر کر تالا کھولنے کے لیے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

میں نے کار اندر لا کر برآمدے کے سامنے کھڑی کر کے انجن بند کر دیا۔ اس وقت نرگس برآمدے والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو چکی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے کار سے اتر کر ڈکی میں سے تھیلا نکالا اور اندر آ گیا۔

''یہ کیا ہے؟'' نرگس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''صبح تم نے کہا تھا کہ آٹا ختم ہو چکا ہے' اس لیے میں نے سوچا کہ دس کلو کا تھیلا لے ہی لیا جائے۔'' میں نے جواب دیا۔

''آٹا!'' نرگس کی بھنویں تن گئیں۔ ''میں نے تمہیں آٹے کے لیے کب کہا تھا اور پھر اس وقت آدھی رات کو کون سی دکان کھلی ہوئی تھی۔ تم تو راستے میں کہیں رُکے بھی نہیں تھے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے اسے گھورا۔ ''میں ہوٹل میں کھانا چھوڑ کر جھک مارنے گیا تھا۔''

میں نے تھیلا میز پر رکھ دیا۔ پہلے برآمدے والا دروازہ بند کر کے تالا لگایا' پھر تھیلا اٹھا کر بیڈ روم میں آ گیا۔ نرگس بھی میرے ساتھ ہی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید الجھن کے تاثرات تھے اور میرے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ۔ میں نے تھیلا بیڈ پر ڈال دیا۔

نرگس چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر پلنگ پر بیٹھ گئی اور تھیلا اپنی طرف کھینچ لیا۔ نیلے رنگ کا موٹے کپڑے کا تھیلا تھا' جس کا منہ بوری کی طرح موٹے ڈوری نما دھاگے سے سلا ہوا تھا اور اس کے دونوں سروں پر سرخ ویکس (لاکھ) سے مہریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ جھک کر ایک مہر کو دیکھنے لگی۔ مہر پر کوئی مخصوص نشان بنا ہوا تھا جو سمجھ میں نہیں آ سکا۔

نرگس نے تھیلے کی سلائی کو غور سے دیکھا پھر سر کے بالوں میں لگی ہوئی ہیئر پن نکال کر دونوں سروں کے درمیان سلائی ادھیڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ نائلون کے دھاگے کی سلائی خاصی مضبوط تھی۔

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی اور جب دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں قینچی تھی۔ اس نے کنارے سے تھیلے کو کاٹا اور پھر دوسرے سرے تک کاٹتی چلی گئی۔

اور پھر تھیلے سے جو کچھ بھی برآمد ہوا اسے دیکھ کر میری آنکھیں بھی چمک اٹھیں۔ میں بھی نرگس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا جو تھیلے میں سے پیکٹ نکال نکال کر پلنگ پر رکھ رہی تھی۔

تھیلوں میں سفید پوڈر بھرا ہوا تھا۔ میں ایک تھیلا اٹھا کر اسے ہاتھ میں تولنے لگا۔ وزن ایک کلوگرام سے کم نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پیکٹ کو الٹ کر دیکھا تو میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔

پیکٹ پر ایک مخصوص لوگو چھپا ہوا تھا۔ لوگو کے دائرے میں فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ سب کچھ میری سمجھ میں تو نہیں آ سکا۔ البتہ لفظ افغانستان سمجھ میں آ گیا۔

دس تھیلے تھے اور ہر تھیلے کا وزن ایک کلوگرام تھا۔ گویا دس کلوگرام ہیروئن ہر تھیلے پر مخصوص لوگو چھپا ہوا تھا جس میں افغانستان کا لفظ صاف طور پر پڑھا جا سکتا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ مال افغانستان کی اس لیبارٹری میں تیار ہوا تھا' جس کی مہر لگی ہوئی تھی۔

میں طویل عرصہ تک ہیروئن کے دھندے سے وابستہ رہ چکا تھا اور یہ بات اچھی طرح جانتا تھا

کہ دنیا بھر میں افغانستان میں تیار کی جانے والی ہیروئن کو ترجیح دی جاتی تھی۔ افغانستان نے روس کے نکل جانے کے بعد آپس کی خانہ جنگی سے اپنے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ شہروں' قصبوں اور دیہاتوں کو کھنڈر بنا دیا تھا۔ ہنستی بستی بستیاں اجاڑ دی تھیں۔ انہیں دنیا کی پسماندہ ترین قوم کہا جاسکتا تھا لیکن اعلیٰ کوالٹی کی ہیروئن تیار کرنے میں دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس لیے پوری دنیا میں افغانستان میں تیار کی جانے والی ہیروئن کو ترجیح دی جاتی تھی۔

میں نے نرگس سے قینچی لے کر اس کی نوک سے پیکٹ میں چھوٹا سا سوراخ کر دیا اور بہت معمولی مقدار میں ہیروئن ہتھیلی پر نکال کر اسے چکھا اور میری آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ یہ اعلیٰ ترین کوالٹی کی ہیروئن تھی۔

''یہ..... یہ ہیروئن ہے۔'' نرگس نے میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ ''کہاں سے لی۔ تم نے تو کئی روز سے کسی سے ملاقات بھی نہیں کی؟''

''تم نے ہوٹل کے کیبن میں اس ادھیڑ عمر آدمی اور خوبصورت عورت کی گفتگو سنی تھی۔'' میں نے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ''ان کی باتیں سننے کے بعد میں چند منٹ کے لیے باہر گیا تھا اور ان کی مرسیڈیز سے یہ تھیلا نکالنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ یہ تھیلا اپنی کار کی ڈکی میں رکھ کر میں کیبن میں واپس آ گیا تھا اور پھر باہر نکل کر تم نے پارکنگ میں وہ منظر بھی دیکھا تھا۔'' میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''بعد میں آنے والے سالار نامی شخص نے خوب صورت عورت کے ادھیڑ عمر محبوب کو گریبان سے پکڑ رکھا تھا۔ اس کا خیال ہوگا کہ بڈھے عاشق نے خود ہیروئن غائب کر دی ہے اور چوری ہونے کا بہانہ بنا رہا ہے۔ وہ اسے تحریمی کے پاس لے گیا ہوگا اور وہ لوگ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔'' میں ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ ''منشیات کا دھندہ کرنے والے موت کے یہ سوداگر۔'' میں نے پھر کہنا شروع کیا۔ ''یہ شیطان سے زیادہ شیطان اور موت کے فرشتے سے زیادہ بے رحم ہوتے ہیں۔ وہ بڈھے عاشق کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں گے۔''

میری باتیں سن کر نرگس کانپ اٹھی۔

میں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ محض اتفاقیہ طور پر میں تحریمی کو ایک زبردست چپت لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ عالمی منڈی میں دس کلو اعلیٰ ترین کوالٹی کی اس ہیروئن کی قیمت کروڑوں ڈالر تھی۔ تحریمی کو یہ نقصان رضیہ کی وجہ سے پہنچا تھا' نہ رضیہ مجھ سے یہاں پنگے بازی شروع کرتی اور نہ صورت حال یہ خطرناک رُخ اختیار کرتی۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ تحریمی شاید یہی سمجھے گا کہ اس بڈھے عاشق کی نیت میں فتور آ گیا تھا اور اس نے مال غائب کیا تھا۔ وہ پوچھنے کے لیے اسے تشدد کا نشانہ بنا رہے گا۔ اس لیے میرے خیال میں اصل صورت حال کا اس کے علم میں لانا ضروری تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہئے تھا کہ اسے کروڑوں ڈالر کا یہ نقصان محض رضیہ کی وجہ سے پہنچا تھا۔

یہ خیال آتے ہی میں نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے اسے اپنے خیال سے آگاہ کیا تو اس کی آنکھوں میں بھی چمک ابھر آئی۔

"اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا۔" وہ بولی۔ "اور پھر رضیہ کے ساتھ جو کچھ ہوگا اس کا تصور ہی میرے لیے دل خوش کن ہوگا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ تحریمی کو اطلاع کیسے دی جائے۔ ہمارے پاس تو اس کا فون نمبر وغیرہ بھی نہیں ہے۔" میں نے مایوسی سے جواب دیا۔

"رنگا سے بات کرو۔" نرگس بولی۔ "اسے پتا ہوگا۔"

رنگا کے نام پر میں اچھل پڑا۔ میری نظریں بے اختیار دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ ڈیڑھ بج رہا تھا اس وقت رنگا کے سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ زیر زمین دنیا سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی راتیں جاگتی ہیں اور دن سوتے ہیں اور پھر اتفاق سے اگر وہ سو بھی رہا ہوگا تو میرا نام سن کر اسے جگا دیا جائے گا اور یہ خبر سن کر وہ یقیناً اچھل پڑے گا۔

ٹیلی فون لاؤنج میں تھا۔ میں بیڈ روم سے نکلا تو نرگس بھی میرے ساتھ ہی آ گئی۔ میں نے صوفے پر بیٹھ کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی۔ وہ پہاڑی کوّے جیسی بھاری مردانہ آواز تھی۔ میں نے اپنا نام بتایا اور رنگا سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو دوسری طرف سے جواب ملا کہ وہ چند منٹ پہلے خواہ گاہ میں جا چکا ہے اور اب صبح سے پہلے اس سے بات کرنا ممکن نہیں۔

"میرا نام بتاؤ وہ ناراض نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔ "البتہ تم نے اسے نہ بتایا تو ضرور ناراض ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری کھال کھینچ ڈالے۔"

"ہولڈ کرو واجا!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

تقریباً ایک منٹ تک خاموشی رہی اور پھر نہایت شیریں قسم کی نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ حریری تھی۔ ٹیلی فون پر اس کی آواز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"خیریت تو ہے ناواجا؟" حریری نے ایک دو رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد پوچھا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ٹیلی فون پر حریری کی مترنم آواز سن کر میں اپنے آپ میں عجیب سی سنسنی محسوس کرنے لگا تھا۔ "ایک بہت ضروری بات کرنی ہے رنگا سے۔"

ایک سیکنڈ خاموشی رہی اور پھر رنگا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو واجا۔ میں اس وقت مصروف ہوں۔"

وہ اس وقت خواب گاہ میں تھا اور حریری اس کے ساتھ تھی۔ میں اس کی مصروفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا اور یہ تصور کرتے ہی میں اپنے آپ میں عجیب سنسنی کی سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔

میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر رنگا کو صورت حال سے آگاہ کرنے لگا۔ میری بات سن کر وہ یقیناً اچھل پڑا ہوگا۔ جھٹ سے بولا۔

"یہ تو تم نے واقعی کمال کر دکھایا واجا۔ تحریمی تو اپنے بال نوچ رہا ہوگا۔"

میں نے اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تو اس نے کہا۔

"تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ اسے یہ اطلاع تمہاری طرف سے ہی ملنی چاہئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا "پہلے تو وہ اس بڈھے پر ہی شک کرے گا اور پھر ہو سکتا ہے اس کا شبہ میری طرف منتقل ہو جائے لیکن اسے تم سے اطلاع ملے گی تو وہ پھڑک اٹھے گا۔"

"اسی لیے میں نے تمہیں فون کیا تھا۔" میں نے کہا۔ "مجھے اس کا نمبر بتاؤ میں ابھی اسے فون کرتا ہوں۔"

رنگا نے مجھے فون نمبر بتا دیا۔ پھر بولا۔ "اس کے بعد مجھے فون ضرور کرنا میں انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی اسے فون کرتا ہوں۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

نرگس کمرے میں جا چکی تھی۔ میں چند لمحے خاموشی سے ذہن میں ڈائیلاگ ترتیب دیتا رہا۔ پھر ریسیور اٹھا کر رنگا کا بتایا ہوا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔ ایک غراتی ہوئی مردانہ آواز میرے کان میں ٹکرائی۔

"کون ہے؟ کس سے بات کرنی ہے؟"

"تحریمی سے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ مجھ سے واقف نہیں لیکن....."

"یہاں کوئی تحریمی نہیں رہتا۔" اس شخص نے میری بات کاٹ دی۔

"سنو مسٹر! فون بند مت کرنا دس کلو کا معاملہ ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میری بات سننے سے پہلے ہی فون بند کر دے گا۔ لیکن میرا دس کلو وزنی حربہ کامیاب ثابت ہوا اور اس کی غراتی ہوئی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"کیا؟" وہ یقیناً اچھل پڑا ہوگا۔ "کون ہو تم؟"

"ناجی۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "وہ مجھے نہیں جانتا لیکن نام سے ضرور واقف ہوگا۔ اگر اسے یاد نہ آئے تو رضیہ کا حوالہ دے سکتے ہو۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوگا۔ اب یہ مت کہنا کہ تحریمی نام کا کوئی شخص یہاں نہیں رہتا۔ تیس سیکنڈ کے اندر اندر میری بات کراؤ۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔"

اور پھر تیس سیکنڈ ختم ہونے سے پہلے ہی تحریمی کی آواز سنائی دی۔

"ناجی!" اس کے لہجے میں بھی غراہٹ تھی۔ "تم اب تک مجھے بہت نقصان پہنچا چکے ہو۔ یہاں میرا ایک بندہ بھی تمہارے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔ لاہور میں تم شاہ جی سے ٹکرائے تھے وہ کم عقل تھا تم سے مار کھا گیا۔ اس کی کم عقلی ہی کی وجہ سے تم نے بندرگاہ پر ہمارا مال پکڑوایا تھا۔ لیکن کراچی میں میرے آدمیوں سے پنگا لے کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ تحریمی سے ٹکرا کر تم نے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ میں دنیا کے آخری سرے تک تمہارا پیچھا کروں گا۔ یہ مت سمجھنا کہ رنگا جیسا غنڈہ تمہیں بچا لے گا۔ اس میں تو اتنی جرأت نہیں کہ اپنی بل سے نکل کر میرا سامنا کر سکے۔ تمہیں کیا تحفظ فراہم کرے گا۔"

"اپنی بکواس جاری رکھو گے یا میری بھی سنو گے۔" میں نے کہا۔

"اپنی زبان کو لگام دو۔" اس کی غراہٹ پہلے سے تیز ہو گئی۔ "فون کیوں کیا تھا؟"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لیے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ کال ریسیو کرنے والے نے اسے دس کلو کا حوالہ ضرور دیا ہوگا' لیکن وہ جان بوجھ کر خود اس سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا اور آخرکار میں نے ہی اسے یاد دلایا۔ ''سالار جس آدمی کو پکڑ کر تمہارے پاس لایا تھا وہ ابھی تک زندہ ہے یا اسے مار دیا گیا؟''

''ایسے غداروں کو ہم آسانی سے نہیں مارتے۔'' تحریمی نے جواب دیا۔ ''لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''اور اس لونڈیا کا کیا حال ہے؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''میرے آدمی دعوت اڑا رہے ہیں۔'' تحریمی بولا۔ ''مگر تم یہ ساری بکواس کیوں کر رہے ہو؟''

''میری بات غور سے سنو تحریمی۔'' میں نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ''تمہارا وہ آدمی بے قصور ہے۔ اس نے تم سے غداری نہیں کی۔''

''کیا بکواس کرتے ہو؟'' تحریمی دھاڑا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' میرا لہجہ اس مرتبہ بھی پرسکون تھا۔ ''وہ ہیروئن اس وقت میرے پاس ہے۔ جو آج رات تمہیں ڈلیور ہونے والی تھی۔''

''کیا بکتے ہو؟'' وہ شاید پھیپھڑوں کی پوری قوت سے دہاڑا تھا۔ میں نے بڑی تیزی سے ریسیور کان سے ہٹا لیا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ میری تمہارے سر پر ایک اور چپت ہے۔ تفصیل بعد میں بتاؤں گا بہتر ہے کہ اس وقت تک اپنے بال نوچتے رہو۔''

میں نے جواب کا انتظار کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ چند لمحے اسی حالت میں بیٹھا رہا اور پھر جیسے ہی مڑا مجھے سینے میں سانس رُکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

نرگس میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا' جس کا رُخ میری طرف تھا۔

☆.....☆.....☆

''یہ یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' نرگس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر میں سٹ پٹا گیا۔

''یہ بدتمیزی نہیں اسے پستول کہتے ہیں اور اس میں گولیاں بھی ہیں۔'' نرگس نے جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ پستول کا رخ اب بھی میرے سینے کی طرف ہی تھا۔

میں نرگس کی اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔ اسے مجھ سے کیا بیر تھا کہ اس طرح پستول میری طرف پستول تان کر کھڑی ہو گئی تھی اور پھر اس نے اچانک ہی پستول میری طرف اچھال دیا تو میں اچھل کر اپنی جگہ سے ایک طرف ہٹ گیا۔ پستول میرے قریب صوفے پر گرا اور نرگس بھی بڑے اطمینان سے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے ایسا مذاق کیوں کیا تھا۔ وہ صورتحال کی نزاکت سے اچھی طرح واقف تھی۔ ایسی سنگین صورتحال میں تو آدمی اپنے سائے سے بھی محتاط رہتا ہے۔ اس قسم کی پچویشن پر کوئی بھی غیر متوقع قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے میں ہی نرگس کی اس حرکت پر کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس پر جھپٹ پڑتا اس طرح اسے یا مجھے کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

''اب تک کی باتوں سے میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تحریمی نہایت خطرناک اور بہت چالاک آدمی ہے۔'' نرگس میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ پولیس میں بھی اس کی بڑی رسائی ہے۔ اس کا اندازہ تم لگا چکے ہو۔ تمہیں اغوا کر کے ایک ویران کوٹھی میں لے جایا گیا تھا۔ اگر ٹیڈی بروقت وہاں نہ پہنچا ہوتا تو رضیہ تمہارا جو حشر کرتی اس کا اندازہ تم لگا سکتے ہو۔ لیکن تمہیں ان کے شکنجے سے نجات مل گئی اور بعد میں اس کیس کو جو رنگ دیا گیا اس سے تم واقف ہو اور یہ سب کچھ پولیس کی ملی بھگت سے ہی ہوا ہے۔ اسے تم تحریمی کے تعلقات کا ثمر کہہ سکتے ہو اور اس قسم کے تعلقات پیسے کے بغیر استعمال نہیں ہوتے۔ سرکاری مشینری اپنے فرائض بھول کر جرائم پیشہ لوگوں کا ساتھ دینے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا ہے۔''

''میں تمہاری اس لمبی چوڑی تقریر کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔'' میں نے بدستور الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نرے احمق ہو۔'' نرگس بولی۔ ''تم کم از کم دس پندرہ منٹ تک فون پر تحریمی سے بات کرتے رہے ہو۔ اتنی دیر میں آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس نمبر پر یہ کال کہاں سے کی گئی تھی۔ گو کہ ٹیلی فون ایکسچینج کا عملہ کسی صارف کو ایسی معلومات فراہم کرنے کا پابند نہیں لیکن پیسے میں بڑی طاقت ہے اور اس کا تمہیں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بھی طرح اندازہ ہے۔"

اوہ۔" میں اچھل پڑا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گاؤں کی رہنے والی ایک عورت اس قدر ہانت کا ثبوت دے گی۔ تم اتنی عقلمند کب سے ہوگئی ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

جب سے تم نے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ یہ پستول میں اندر سے اس لئے لے کر آئی ہوں کہ اس سے اپنی حفاظت کا کام لیا جائے۔ مجھے شبہ ہے کہ تحریمی نے یہاں کا ن نمبر معلوم کرلیا ہوگا اور اسے یا اس کے آدمیوں کو یہاں کا ایڈریس تلاش کرنے میں بھی زیادہ دشواری یش نہیں آئے گی۔ اس لئے۔"

گویا آج کی رات ہم پر بھاری ثابت ہوسکتی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

مجھے یاد نہیں کہ ہم نے کوئی رات کبھی سکون سے گزاری ہو۔" نرگس نے جواب دیا۔" میں نے ب سے تمہارے ساتھ گاؤں چھوڑا ہے ایسی ہی صورتحال کا شکار رہی ہوں۔ کبھی پولیس کا خوف اور کبھی ضیہ شاہ جی اور تحریمی جیسے قاتلوں کا خوف۔ یہ کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں۔" وہ میرے چہرے پر نظریں مائے ہوئے کہہ رہی تھی۔" اس رات تم نے ایک عورت کو بلے کے چنگل سے بچایا تھا۔ بلا ایک بہت معمولی سا اور سڑک چھاپ تھرڈ ریٹ غنڈہ ہے لیکن تم نے اس کے منہ کا نوالہ چھینا تھا اور وہ مرنے مارنے پر ادہ ہوگیا۔ بات صرف چند سو یا چند ہزار کی تھی لیکن تحریمی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری کھتے ہوئے بولی۔" تم نے اس کے آدمی سے دس کلو ہیروئن چھینی ہے۔ کم از کم دس کروڑ یا اس سے بھی یادہ کی چپت لگائی ہے۔ اسے پہلے بھی اس سے کئی گنا زیادہ نقصان پہنچا چکے ہو۔ پہلے اسے معلوم نہیں تھا کہ مخبری کرنے والا کون ہے لیکن اب تو وہ تمہارے بارے میں جان چکا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ آرام؟ مے بیٹھا رہے گا۔ اسے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ رنگا تمہارے ساتھ ہے۔ وہ کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ س کے دو دشمن اس کے خلاف مشترکہ محاذ قائم کرلیں۔ رنگا ایک مضبوط آدمی ہے۔ تحریمی اب تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا لیکن تمہارا کھوج لگانے کیلئے وہ زمین آسمان ایک کردے گا۔ ہوسکتا ہے وہ ٹیلی فون کال ٹریس کرلے اور آج ہی رات۔"

میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔" میں نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ تمہاری بات میں وزن ہے اور تمہارا اندیشہ غلط نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں سب سے پہلے ہمیں اس تھیلے کا بندوبست کرنا ہوگا اور کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ رنگا کے کسی آدمی کو بلا کر یہ تھیلا اس کے حوالے کردیا جائے۔"

فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس اس تھیلے کیلئے ایک محفوظ جگہ ہے۔" نرگس نے کہا۔

کونسی جگہ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

جہاں زیوروں والا تھیلا چھپا رکھا ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔ میں ایک دم اچھل پڑا۔ واقعی اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں اس کمرے میں آ گئے۔

وزنی الماری کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ ہیروئن کا تھیلا بھی

زیورات والے تھیلے کے ساتھ ڈال کر اس خلا میں پیچھے دھکیل دیا گیا اور الماری کو دھکیل کر دیوار کے بالکل ساتھ ملا دیا۔ تاکہ اس کے پیچھے جھانکنے کی گنجائش ہی نہ رہے۔ اب اس الماری کو ہٹانے کے بعد ہی وہ خلا نظروں میں آ سکتا تھا۔

میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ اڑھائی بجنے والے تھے۔ میں نے دروازوں اور کھڑکیوں کو اچھی طرح چیک کیا اور پھر میری نظریں ہال کے داخلی دروازے سے ذرا بائیں طرف گول زینے کی طرف اٹھ گئیں۔ چھت پر جانے کیلئے باہر سے سیڑھیاں نہیں تھیں۔ اندر سے یہ گول زینہ تھا۔ برآمدے کے اوپر بھی ایک کمرہ تھا اور یہ گول زینہ اس کمرے تک ہی جاتا تھا۔ اس کمرے کے آگے کھلی چھت تھی جس کے ایک کونے میں کنکریٹ کا تقریباً چھ فٹ اونچا پانی کا ٹینک بنا ہوا تھا۔ ایک فٹ اونچے کنکریٹ کے پلرز تھے اور ان کے اوپر یہ ٹینک بنایا گیا تھا۔

نیچے والے دروازے اور کھڑکیاں چیک کرنے کے بعد میں گول زینے سے اوپر آ گیا۔ کمرے کا بیرونی دروازہ کھول کر چھت پر ادھر ادھر دیکھا اور دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا اور نیچے آ گیا۔

تمام بتیاں بجھا کر میں بیڈ روم میں آ گیا جہاں نرگس شب خوابی کا لباس پہن چکی تھی۔ نرگس کچھ زیادہ ہی ماڈرن ہوگئی تھی۔ وہ گاؤں میں تھی تو ایک ہی جوڑا کئی کئی روز تک پہنے رہتی تھی۔ میرے ساتھ قصور سے لاہور شہر آئی تو رضیہ کے ساتھ اس کی کوٹھی میں رہتے ہوئے اسے بھی شہر کی ہوا لگنے لگی تھی۔ وہ کئی روز تک رضیہ ہی کے کپڑے پہنتی رہی تھی۔ پھر رضیہ ہی نے اس کیلئے کچھ ماڈرن تراش کے ملبوسات خریدے تھے۔ اسے ساڑھی پہننا بھی رضیہ ہی نے سکھایا تھا۔ وہ لاہور میں بھی ساڑھی استعمال کرتی تھی اور کراچی آنے کے بعد تو وہ اکثر ساڑھی ہی پہنا کرتی تھی۔ چند روز پہلے ہی اس نے صدر سے دو تین ساڑھیاں خریدی تھیں اور بہت مہین کپڑے کا شب خوابی کا یہ لباس اس نے زینب مارکیٹ سے خریدا تھا۔

پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اسے تکیے کے نیچے رکھا اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگیا۔ نرگس نے ٹیوب لائٹ بند کر کے نائٹ بلب جلا دیا اور میرے پہلو میں لیٹ گئی۔

نرگس کچھ ہی دیر بعد سوگئی لیکن میں جاگتا رہا۔ میرے دماغ میں خیالات کا ہجوم سا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

میری زندگی کے کئی سال مار دھاڑ میں گزرے تھے۔ میں ایک سیدھا سادا سا ہینڈسم نوجوان تھا۔ جو تعلیم حاصل کرنے کیلئے گاؤں سے قصور شہر آیا تھا۔ جہاں رضیہ کے ہتھے چڑھ گیا۔ شوہر ہونے کے باوجود رضیہ جنم جنم کی پیاسی تھی۔ وہ مجھ سے اپنی پیاس بجھاتی رہی اور میں نادانی میں پستیوں میں گرتا چلا گیا اور جب ہوش آیا تو میں نہ صرف بہت کچھ کھو چکا تھا بلکہ میرے ہاتھ بھی خون میں رنگے جا چکے تھے۔

میری زندگی مختلف کٹھن مراحل سے گزرتی رہی اور آخرکار میں بھاگ کر عمرکوٹ آ گیا۔ خیال تھا کہ سندھ کے اس چھوٹے سے قصبے میں گمنامی کی زندگی گزار دوں گا لیکن تقدیر تو میرے لئے کوئی اور ہی فیصلہ کر چکی تھی۔ میں ایک فریب کا شکار ہو کر دہشت گردوں کے ہتھے چڑھ گیا اور مجھے ہندوستان پہنچا دیا گیا۔ وہاں ایک معرکہ سر کرنے کے بعد واپس آیا تو میرے اپنے ہی میری جان کے دشمن ہوگئے۔ میں انہیں غچہ دے کر کراچی بھاگ آیا۔ کراچی انسانوں کا جنگل ہے۔ خیال تھا کہ یہاں کوئی بزنس شروع کر کے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

خاموشی کی زندگی گزار دوں گا مگر لگتا تھا کہ میں جس کمبل کو چھوڑنا چاہتا ہوں وہ مجھے چھوڑنے کو تیار نہیں۔ اس رات کلفٹن میں رضیہ اور جمی سے تصادم کراچی میں بھی ہمارے بیچ ایک طویل مہابھارت کا باعث بن گیا تھا۔

میں کراچی میں اکیلا تھا۔ میں ہمیشہ اکیلا ہی کام کرنے کا عادی تھا۔ وقتی طور پر ضرورت کے تحت کسی کو ساتھ ملا لیا کرتا تھا۔ انڈیا میں بھی میں نے یہی حکمت عملی اپنائی تھی اور یہ اتفاق تھا کہ رنگا بھی اس شخص کا ڈسا ہوا تھا جو میرا حریف تھا۔ رنگا بھی اسی سے انتقام لینے کیلئے طویل عرصہ سے موقع کی تلاش میں تھا۔

ایک بات میں نے خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ میں جس کمبل کو چھوڑنا چاہتا ہوں وہ مجھے چھوڑنے کو تیار نہیں۔ اس رات کلفٹن میں رضیہ اور جمی سے تصادم کراچی میں بھی ہمارے بیچ ایک طویل مہابھارت کا باعث بن گیا تھا۔

میں کراچی میں اکیلا تھا۔ میں ہمیشہ اکیلا ہی کام کرنے کا عادی تھا۔ وقتی طور پر ضرورت کے تحت کسی کو ساتھ ملا لیا کرتا تھا۔ انڈیا میں بھی میں نے یہی حکمت عملی اپنائی تھی اور یہ اتفاق تھا کہ رنگا بھی اس شخص کا ڈسا ہوا تھا جو میرا حریف تھا۔ رنگا بھی اسی سے انتقام لینے کیلئے طویل عرصہ سے موقع کی تلاش میں تھا۔

ایک بات میں نے خاص طور سے نوٹ کی تھی کے میں جتنا اس چکر سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا میرے گرد یہ جال اتنا ہی زیادہ مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔

رنگا کے بارے میں سوچتے ہوئے حریری کا تصور ذہن میں ابھر آیا۔ اس کا خیال آتے ہی میں نے گردن گھما کر پہلو میں سوئی ہوئی نرگس کی طرف دیکھا۔ نرگس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن حریری کے سامنے تو اب یہ ہیچ نظر آنے لگی تھی۔ میری زندگی میں لاتعداد عورتیں آئی تھیں۔ ان میں کئی تو ایسی تھیں جنہیں ملکہ حسن قرار دیا جا سکتا تھا لیکن حریری ان سب سے مختلف تھی۔ وہ قدرت کا ایک ایسا شاہکار تھی جس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اسے جب میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو میرا دل بھی شاید کچھ دیر کیلئے دھڑکنا بھول گیا تھا اور اس وقت بھی اس کا خیال آتے ہی میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہری دوڑ گئی تھی۔

میری اس مجرمانہ زندگی میں جو بھی عورت آئی تھی میں نے اسے حاصل کیا تھا لیکن حریری کی بات مختلف تھی اس کے بارے میں میں سوچ تو سکتا تھا مگر اسے حاصل نہیں کر سکتا تھا وہ میرے لئے ناقابل حصول تھی بلکہ کچھ اور ممنوعات تھیں۔ وہ رنگا کی ملکیت تھی اور رنگا نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے یہ بات بھی واضح کر دی تھی کہ وہ دوستوں پر اندھا اعتماد کرتا ہے۔ دھوکا دینے والے کو وہ معاف نہیں کرے گا۔ لیکن نجانے کیا بات تھی کہ میں حریری کا خیال ذہن سے نہیں نکال سکا۔ میں جیسے جیسے اس کے بارے میں سوچتا رہا میرا ذہن الجھتا گیا۔

باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر میرے خیالات کا سلسلہ منتشر ہو گیا۔ میری نظریں غیر ارادی طور پر سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ کمرے میں نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی تھی مگر گھڑی کی چمکتی سوئیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اس وقت چار بجنے میں دس منٹ تھے۔ گلی میں اس وقت کسی گاڑی کا آنا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی لیکن میرے دماغ میں اچانک ہی ایک دھماکہ سا ہوا اور میں بڑی تیزی سے بستر سے اتر کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔

کھڑکی کے سامنے دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے پردے کا کونا ذرا سا سرکا کر باہر جھانکا اور اس کے ساتھ ہی مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

باہر اگرچہ تاریکی تھی لیکن میں نے ایک ہیولے کو باہر کی طرف سے دیوار پر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا ابھی پوری طرح سامنے نہیں آیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ دیوار پر تھے اور وہ آہستہ آہستہ اپنے آپ کو اوپر اٹھا رہا تھا۔

نرگس کے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ تحریمی نے میری کال ٹریس کر لی تھی۔ ٹیلی فون

نمبر معلوم ہو جانے کے بعد ایڈریس کا پتہ چلا لینا مشکل نہیں ہوتا۔ انہیں اگرچہ معلومات حاصل کرنے میں کچھ وقت لگا تھا لیکن شاید وہ آج کا کام کل پر چھوڑنے کے قائل نہیں تھے۔ انہوں نے رات ختم ہونے سے پہلے ہی کارروائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ آدمی ابھی پوری طرح دیوار پر نہیں چڑھا تھا کہ اس کے قریب ہی دیوار پر دو ہاتھ اور دکھائی دیئے اور پھر ایک سر بھی ابھر آیا۔ تاریکی کی وجہ سے میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن ایک بات طے تھی کہ ان کی تعداد میری توقع سے زیادہ تھی۔ دو تو سامنے آ ہی گئے تھے ممکن ہے دو یا تین آدمی اور بھی ہوں۔ اس قسم کے لوگ کوئی رسک لینا پسند نہیں کرتے اور پھر معاملہ بھی کروڑوں کا تھا۔

میں پردے کا کونا چھوڑ کر تیزی سے بیڈ کے قریب آ گیا اور نرگس کو جھنجھوڑنے لگا۔ نرگس ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ میں نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تاکہ وہ کوئی آواز نہ نکال سکے۔ وہ وحشت بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس طرح جگائے جانے پر وہ یقیناً بدحواس ہو گئی تھی۔

"اپنے حواس قابو میں رکھو۔ وہ لوگ پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی اور منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"کک۔۔۔ کون۔" نرگس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"تحریمی کے آدمی۔" میں نے ایک بار پھر سرگوشی کی۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اٹھو جلدی کرو۔ وہ لوگ کسی بھی وقت دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو سکتے ہیں۔"

میں نے تکیے کے نیچے سے پستول نکال لیا اس پستول میں دو چار ہی گولیاں بچی ہوں گی اور میں جانتا تھا کہ ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک تو ان کی تعداد زیادہ تھی اور پھر ان کے پاس بھی پستول وغیرہ ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کوئی رائفل وغیرہ بھی ہو۔ مقابلہ کرنے کی کوشش میں چوہوں کی طرح پکڑے جانے کا احتمال زیادہ تھا اس لئے میں نے ان سے بچنے کا ایک اور راستہ تلاش کر لیا تھا۔

انہیں دروازہ کھول کر یا توڑ کر اندر پہنچنے میں تین چار منٹ ضرور لگیں گے اور یہ وقت ہمارے لئے بہت قیمتی تھا اور کمرہ کا ایک دروازہ پچھلی طرف کے لان میں کھلتا تھا۔ میں دبے پاؤں چلتا ہوا اس دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ بڑی احتیاط سے اس کی لاک ناب ہٹا دی اور اوپر کی چٹخنی بھی کھول دی لیکن میرا اس دروازے سے باہر نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس بنگلے کی عقبی دیوار سے ساتھ والے بنگلے میں کودنا میرے لئے تو مشکل نہیں تھا لیکن نرگس یقیناً ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ چھ فٹ اونچی دیوار پر چڑھنا اس کیلئے آسان نہ ہوتا اور اس دوران ہم ان کی نظروں میں آ سکتے تھے۔ فرار کی کوشش کرتے دیکھ کر وہ ہمیں گولیوں سے بھون دیتے۔

میں نے نرگس کا ہاتھ پکڑا، نائٹ بلب بجھا دیا اور کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف چلنے لگا۔ نرگس میرے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔

میں اندھیرے میں لاؤنج میں رکھے ہوئے فرنیچر سے بچتا ہوا آہستہ آہستہ بڑھتا رہا۔ مرکزی دروازے کے قریب سے گزرتے ہوئے باہر سے دھب دھب کی آوازیں سنائی دیں۔ میں ٹٹولتا ہوا گول زینے کے قریب پہنچ گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"آہستہ آہستہ اوپر چڑھتی رہو۔ کوئی آواز نہ پیدا ہونے پائے۔" میں نے نرگس کے کان سے منہ لگا کر سرگوشی کی۔

گول سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بھی میں نرگس کو سہارا دیے ہوئے تھا۔ اوپر والے کمرے میں آ کر میں نے بڑی احتیاط اور آہستگی سے چھت کی طرف والا دروازہ کھولا اور باہر نکلنے سے پہلے میں نے کمرے کے سامنے کے رخ والی کھڑکی کے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔

ہماری کوٹھی کے گیٹ کے عین سامنے سیاہ رنگ کی ہائی روف کھڑی تھی۔ اس کے قریب ایک آدمی بھی کھڑا تھا۔ گلی میں کسی بنگلے کے گیٹ پر جلنے والے بلب کی بہت مدھم سی روشنی اگرچہ وہاں تک پہنچ رہی تھی مگر اس شخص کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک آدمی گیٹ کے اندر بھی دیوار سے لگا کھڑا تھا اور اس کے ہاتھوں میں کلاشنکوف یا اس سے ملتی جلتی کوئی رائفل بھی تھی۔

میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ دو چار آدمی تھے۔ دو اندر آ گئے تھے۔ ایک گیٹ کے قریب اور دوسرا باہر گاڑی کے قریب کھڑا تھا۔ وہ لوگ مکمل تیاری کر کے آئے تھے۔

کمرے کا دروازہ میں نے کھلا ہی چھوڑ دیا اور ہم جھک کر چھت پر چلتے ہوئے عقبی سرے پر پانی کی ٹنکی کے قریب آ گئے۔ بستر پر لیٹنے سے پہلے جب میں دروازے وغیرہ چیک کرنے کیلئے اوپر آیا تھا تو اس وقت یہ ٹنکی بھی دیکھی تھی اور جب میں نے ان لوگوں کو دیوار پر چڑھتے دیکھا تو اسی ٹنکی ہی کا خیال ذہن میں آیا تھا۔ یہ ٹنکی اس وقت ہمارے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ انہیں بھی اس ٹنکی پر کوئی شبہ نہ ہو جائے۔

ٹنکی کے قریب پہنچ کر میں بڑی احتیاط سے اٹھا تھا۔ یہ چھت کا پچھلا حصہ تھا۔ میں چھت کی منڈیر پر کھڑے ہو کر ٹنکی پر چڑھ گیا۔

ٹنکی کے ایک کونے پر ڈھائی فٹ بائے ڈھائی فٹ کا لوہے کا ڈھکنا رکھا ہوا تھا۔ میں نے بڑی احتیاط سے وہ ڈھکنا ہٹا دیا۔ اس دوران نرگس بھی منڈیر پر چڑھ چکی تھی۔ میں نے اسے ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچ لیا اور صرف ایک سیکنڈ بعد اسے ٹنکی میں اتار دیا۔

نیچے وہ لوگ اندر داخل ہو چکے اور اب ان کی چیختی ہوئی آوازیں اوپر تک سنائی دے رہی تھیں۔

"تلاش کرو انہیں۔ وہ لوگ کسی کمرے میں چھپے ہوں گے۔"

ایک چیختی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اور پھر ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکی جا رہی ہوں۔

"یہ پچھلا دروازہ کھلا ہوا ہے۔" ایک اور چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"پیچھے دیکھو۔ پودوں میں چھپے ہوں گے۔ اور بلے تم اوپر جاؤ چھت پر۔" یہ وہی پہلے والی آواز تھی۔

بلے کا نام سن کر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ ٹیڈی نے اس روز ٹھیک ہی کہا تھا یہ غنڈے اور بدمعاش بظاہر ایک دوسرے سے الگ الگ تھے لیکن درحقیقت ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔

میں بڑی آہستگی سے ٹنکی میں اتر گیا اور کنکریٹ کا ڈھکنا احتیاط سے کھینچ لیا۔ لیکن میں نے ڈھکنا پوری طرح بند نہیں کیا تھا۔ ہوا کی آمدورفت کیلئے آدھا انچ کے قریب خلا چھوڑ دیا تھا۔

پانی ہماری کمر کے برابر تھا۔ نرگس مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ میں اسے ساتھ لیتا ہوا آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا گیا۔ تاکہ اگر اوپر سے ڈھکنا کھول کر دیکھنے کی کوشش کی جائے تو ہم نظر نہ آ سکیں۔

یہ میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ ٹنکی میں لاتعداد کاکروچ بھرے ہوئے تھے۔ جب میں نے ڈھکنا اٹھایا تھا تو کئی کاکروچ میرے ہاتھوں پر چڑھ گئے تھے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ نرگس کسی کاکروچ کو اپنے بدن پر رینگتے پا کر چیخ اٹھے گی۔ کاکروچ اور چھپکلی یہ وہ بے ضرر مخلوق ہیں جو گھروں میں عام طور پر پائی جاتی ہیں اور عورتیں انہیں دیکھ کر بے اختیار چیخ اٹھتی ہیں لیکن یہ اتفاق تھا کہ نرگس ابھی تک کسی کاکروچ کی زد سے بچی ہوئی تھی۔

میں پچھلی دیوار سے بھی چند انچ دور ہی رہا تھا تاکہ وہاں سے کوئی کاکروچ نرگس پر نہ چڑھ جائے۔

چھت پر اب بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹنکی کے قریب آ گیا اور اس وقت وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ پانی میں تیرتا ہوا ایک کاکروچ نرگس کے کندھے پر پہنچ گیا تھا۔ نرگس کے منہ سے عجیب سی آواز خارج ہونے لگی۔ میں نے فوراً ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مجھ سے لپٹ کر تھر تھر کانپنے لگی۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبائے رکھا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر پر لپیٹ کر اسے سختی سے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ہم دونوں میں سے کسی کی حرکت سے پانی بھی حرکت کرتا اور یہ معمولی سی آواز بھی ان لوگوں کو متوجہ کر سکتی تھی۔

قدموں کی وہ آواز ٹنکی کے آس پاس سنائی دیتی رہی اور پھر اس شخص نے شاید منڈیر پر جھک کر کسی سے کہا تھا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تم لوگ نیچے آ جاؤ۔" عقبی لان سے جواب ملا۔ "وہ شاید عقبی دیوار سے پچھلے بنگلے میں کود گیا ہے۔"

چھت پر موجود دونوں آدمی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے واپس چلے گئے۔ قدموں کی آواز معدوم ہونے کے بعد ہی میں نے نرگس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا تھا۔ اس کے منہ سے سانس اس طرح خارج ہوا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔

"مم..... میرے جسم پر کچھ چل رہا ہے۔ سس..... سانپ۔" اس کی تھرتھراتی ہوئی خوفزدہ سی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"کوئی سانپ وانپ نہیں ہے۔" میں نے سرگوشی کی۔ "کاکروچ ہیں۔ تمہیں کھا نہیں جائیں گے۔"

"کک کاکروچ۔"

اس سے پہلے کہ نرگس کے منہ سے چیخ نکل جاتی میں نے ایک بار پھر اس کا منہ دبا دیا۔ وہ تھر تھر

www.pdfbooksfree.pk

کانپنے لگی۔ کاکروچ شاید اس کیلئے سانپ سے زیادہ خطرناک تھا۔

''کاکروچ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے لیکن ان لوگوں کو اگر یہاں ہماری موجودگی کا پتہ چل گیا تو پانی کی یہ ٹنکی ہمارا مقبرہ بن جائے گی۔ خاموشی سے کھڑی رہو۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

اسی لمحے دھب دھب کی آوازیں سن کر میں چونک گیا اور پھر دوسرے بنگلے سے عورتوں اور بچوں کی چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

وہ لوگ ہماری تلاش میں دوسرے بنگلے میں کود گئے تھے لیکن چند منٹ بعد ہی چیخنے کی آوازیں خاموشی میں ڈوب گئیں۔ دو آدمی اس بنگلے میں کودے تھے وہ آ گئے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کوئی انہوں نے اس کوٹھی کے مکینوں کو کس طرح خاموش یا مطمئن کیا ہوگا۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ نیچے سے آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ ٹنکی کا پانی ٹھنڈا تھا اور نرگس اب سردی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے دانت بجنے لگے تھے اور پھر ایک آواز سن کر میں چونک گیا۔

''بلے تم یہیں رکو گے۔'' وہ شخص کہہ رہا تھا۔ ''وہ حرامی یہاں سے بھاگ گیا ہے۔'' اس کے واپس آنے کی امید نہیں ہے لیکن احتیاطاً تم صبح تک یہیں رہو گے۔ ''ہو سکتا ہے وہ کسی وقت پلٹ بھی آئے۔''

''اگر وہ آ گیا تو زندہ نہیں بچے گا باس۔'' یہ بلے کی آواز تھی۔

''وہ مجھے زندہ چاہئے۔'' پہلی آواز نے غراتے ہوئے کہا۔ اگر وہ تمہارے ہاتھوں مر گیا تو تجریبی تمہاری کھال بھی ادھیڑ دے گا۔''

''سمجھ گیا باس۔'' بلے کی آواز سنائی دی۔ اسے میں اس قابل رکھوں گا کہ تجریبی کے سوالوں کا جواب دے سکے۔''

اس کے کچھ ہی دیر بعد گاڑی کا انجن سٹارٹ ہوتے اور گاڑی کے روانہ ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر برآمدے والا دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

دو تین منٹ مزید انتظار کرنے کے بعد میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر بڑی آہستگی سے ٹنکی کا ڈھکنا اٹھا دیا اور اچک کر ٹنکی سے باہر آ گیا اور نرگس کو بھی باہر نکال لیا۔

ہم دونوں ٹنکی کے قریب کھڑے تھے۔ ہمارے کپڑوں سے پانی دھاروں کی صورت میں بہہ رہا تھا اور نرگس سردی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''مم..... مجھے..... سس..... سردی لگ رہی ہے۔''

اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آواز بھی بمشکل نکل رہی تھی۔

''یہاں سردی سے بچنے کیلئے تو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' میں نے کہا۔ ''اس طرف آ جاؤ۔ دیوار کی آڑ میں وہاں زیادہ ہوا نہیں ہوگی۔''

میں اسے بازو سے پکڑ کر بوجھل قدموں چلتا ہوا کمرے کی دیوار کے قریب لے آیا۔ کھلی چھت پر ہوا براہ راست جسم سے ٹکرا رہی تھی لیکن یہاں اگرچہ ہوا سے بچاؤ ہو گیا تھا مگر سردی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ہم دونوں تقریباً آدھے گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں کھڑے رہے تھے۔ میرے جسم پر تو پورا لباس تھا

لیکن نرگس نے باریک جالی دار کپڑے کی میکسی پہن رکھی تھی۔ اس کے نیچے کوئی لباس نہیں تھا۔ ''شاید اس کمرے میں کوئی چادر وغیرہ مل جائے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر دیوار کے ساتھ رینگتا ہوا دروازے کی طرف آ گیا۔

دروازہ بند نہیں تھا۔ میں بڑی آہستگی سے اندر آ گیا۔ زینے کی طرف کھلنے والے دروازے میں تقریباً ایک انچ کا خلا تھا۔ نچلے ہال میں بتی جل رہی تھی۔ اس کی بہت مدھم سی روشنی دروازے کے خلا سے اندر بھی آ رہی تھی۔

کمرے میں کچھ فرنیچر تو تھا لیکن کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے چادر کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس دروازے کے ساتھ ہی ایک کھڑکی تھی جس سے نچلے ہال میں جھانکا جا سکتا تھا۔ میں اس کھڑکی کے شیشے سے نیچے دیکھنے لگا اور پھر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

بلا ہال میں صوفے پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے سامنے میز پر پستول پڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک پیر دوسری ٹانگ پر رکھا ہوا تھا۔ کمر صوفے کی پشت سے ٹکی ہوئی تھی اور ایک بازو بھی صوفے کی پشت پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے باپ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ہو۔

مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بلا کوٹھی میں اکیلا ہی تھا۔ اس کے باس نے صرف اس کا نام لے کر یہاں رہنے کو کہا تھا۔ بلے پر قابو پانا بہت ضروری تھا۔

میں دبے قدموں کمرے سے باہر آ گیا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی تھی۔ اس پر عمل کرنے کیلئے نرگس کا تعاون ضروری تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ نرگس انکار نہیں کرے گی۔ میں نے سرگوشی میں نرگس کو اپنی سکیم سے آگاہ کیا تو وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

''مم..... میں..... سس..... سردی سے مر رہی ہوں اور تم۔''

''یہی ایک طریقہ ہے بچنے کا ورنہ یہاں کھڑے کھڑے تم واقعی سردی سے ٹھٹھر کر مر جاؤ گی۔'' اور وہ میری سکیم پر عمل کرنے کو تیار ہو گئی۔

ہم دونوں کمرے میں آ گئے۔ میں اندرونی دروازے میں دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا اور نرگس کو اشارہ کر دیا۔

نرگس نے سیڑھیوں والا دروازہ پوری طرح کھول دیا۔

''ہب بچاؤ کوئی ہے مجھے اس درندے سے بچاؤ۔'' اس کی آواز زیادہ بلند نہیں تھی لیکن کپکپاہٹ نمایاں تھی۔

میں نے بڑی احتیاط سے کھڑکی کے شیشے سے جھانکا بلا ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ سلگتا ہوا سگریٹ اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ میں پستول پکڑ لیا تھا۔ اس کے چہرے پر پہلے تو الجھن کے تاثرات نمودار ہوئے پھر آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ اوپر دیکھ رہا تھا جہاں نرگس دروازے سے نکل کر گول سیڑھیوں پر پہنچ چکی تھی۔

نرگس کا باریک بھیگا ہوا لباس اس کے جسم سے چپکا ہوا تھا اور اس لباس میں بھی برہنہ نظر آ رہی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"کون ہو تم؟....." بلے کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "نیچے آ جاؤ اور کوئی گڑبڑ مت کرنا۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سیڑھیوں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کی نظریں اوپر تھیں اور اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ بھی اوپر کی طرف ہی تھا۔ نرگس کانپتی اور کراہتی ہوئی ریلنگ کا سہارا لئے ہوئے آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اتر رہی تھی۔

پستول میرے پاس بھی تھا۔ پانی کی ٹنکی میں اترنے کے بعد بھی میں نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ پستول پانی میں بھیگنے نہ پائے اور جب میں نے کمر تک گہرے پانی میں نرگس کو سہارا دے رکھا تھا تو میرا پستول والا ہاتھ اس وقت بھی اوپر ہی تھا اور اب بھی پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں اگر چاہتا تو اس وقت بڑی آسانی سے اسے گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن میں عجیب فطرت کا مالک تھا۔ خطرات میں گھرے ہونے کے باوجود ایڈونچر پسند کرتا تھا۔ میں اس موقع پر بھی بلے سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا تاکہ اسے یہ پتہ چل سکے کہ میں بزدل نہیں ہوں اور یہاں سے بھاگا نہیں تھا۔

نرگس بدستور کراہتی اور کپکپاتی ہوئی نیچے اتر رہی تھی۔ بلا بہت محتاط انداز میں کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نرگس نے جیسے ہی آخری سیڑھی سے نیچے قدم رکھا بلے نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے اپنے بازو کی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے بظاہر سہارا دینے کیلئے ایسا کیا تھا لیکن اس کی نیت کا اندازہ اس کے چہرے کے تاثرات اور آنکھوں کی چمک سے لگایا جا سکتا تھا۔

نرگس نے اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ بلا اسے کھینچتا ہوا آگے لے گیا اور اسے صوفے پر ڈال دیا۔ باریک چپکے ہوئے لباس میں نرگس بالکل عریاں نظر آ رہی تھی۔ میں نے بلے کی آنکھوں میں وہی چمک دیکھی جو اس رات ہیروئن کی طلب گار عورت کو بے لباس دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ابھری تھی۔

"کون ہو تم؟" بلے کو شاید اپنی ڈیوٹی کا خیال آ گیا۔ "اوپر تو کوئی نہیں تھا۔ میں تو خود دیکھ کر آیا تھا۔ تم.....اور تمہارا لباس....."

"وہ.....وہ وحشی اوپر لے گیا تھا۔" نرگس نے بدستور کپکپاتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ.....وہ رات کو مجھے لے کر آیا تھا۔ پھر جب باہر گاڑی رکی تو وہ مجھے پستول دکھا کر کھینچتا ہوا اوپر لے گیا۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے دشمن آ گئے ہیں۔ وہ مجھے بھی مار ڈالیں گے۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "وہ مجھے ساتھ لے کر پانی کی ٹنکی میں گھس گیا تھا۔ جب تم لوگ اوپر آئے تھے تو ہم بھی اوپر ہی تھے۔ پانی کی ٹنکی میں۔ میں نے چھت پر قدموں کی آواز سنی تھی۔ میں چیخنا چاہتی تھی لیکن اس نے میرا منہ بند رکھا تھا۔"

"وہ.....وہ کہاں ہے؟" بلا ایک دم سیدھا ہو کر اوپر دیکھنے لگا۔

"وہ.....وہ اوپر ہے۔" نرگس نے اشارے سے بتایا۔ "ہم پانی کی ٹنکی سے باہر نکلے تو میں نے چھت پر پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر زور سے مار دیا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ اب بھی ٹنکی کے قریب بیہوش پڑا ہوا ہے۔"

"اوہ۔" بلے کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ لیکن اس مرتبہ یہ چمک مختلف نوعیت کی تھی۔ "تم یہیں رکو میں اسے دیکھتا ہوں۔ وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ تمہاری قسمت اچھی تھی جو بچ گئیں ورنہ وہ تمہیں

مار ڈالتا۔"

"م.....مجھے سردی لگ رہی ہے۔" نرگس پھر کراہنے لگی۔

بلے نے ادھر ادھر دیکھا پھر کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اس کمرے میں چلی جاؤ۔ میں نے وہاں کچھ کپڑے دیکھے تھے۔ میں اس بھیڑیے کو دیکھتا ہوں۔ وہ ایک مرتبہ پہلے میرے ہاتھ سے بچ گیا تھا مگر آج نہیں بچ سکے گا۔ تم اس کمرے سے باہر مت نکلنا۔"

نرگس بڑی مشکل سے اٹھ کر کھڑی ہو سکی تھی اور پھر بلا اسے سہارا دے کر کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اور اس نے جس طرح نرگس کو اپنے ساتھ لپٹا رکھا تھا۔ میرا خون کھول گیا وہ بار بار پیچھے مڑ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نرگس کو کمرے کے دروازے میں چھوڑ کر بھی وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر مڑ کر تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بہت محتاط ہو گیا تھا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر تین چار فٹ کھلی جگہ تھی اور اس سے آگے کمرے کا دروازہ۔

دروازہ نیم وا تھا۔ میں دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔ بلے نے بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا۔ اس نے پستول والا ہاتھ آگے کو نکال رکھا تھا اور اس کا رخ دوسرے دروازے کی طرف تھا جس سے چھت پر پہنچا جا سکتا تھا۔

وہ جیسے ہی دو قدم آگے بڑھا میں بھی بڑی تیزی سے آگے نکل آیا اور پستول کی نال اس کی پشت سے لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی میرے حلق سے غراہٹ نکلی تھی۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو بلے۔ اگر تم نے بہادری دکھانے کی کوشش کی تو تمہارے جسم میں سوراخ ہو جائے گا۔"

بلا اس طرح رک گیا جیسے زمین نے اس کے پیر پکڑ لئے ہوں۔ ایک لمحہ کو تو وہ بالکل ہی ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔

"پستول پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" میں ایک بار پھر غرایا اور اس کے ساتھ ہی اس کی پشت پر پستول کا دباؤ بڑھا دیا۔

بلے نے پستول پھینک دیا۔ میں نے اسے پیچھے مڑنے کا حکم دیا۔ وہ جیسے ہی میری طرف گھوما میں نے اس کے جبڑے پر زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ بلا کراہتے ہوئے لڑکھڑا گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تو میں نے ایک اور گھونسہ جڑ دیا۔

بلے کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔

"پستول ہاتھ میں ہو تو ہیجڑہ بھی مرد بننے کی کوشش کرتا ہے۔" وہ کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گا۔ چلو اس طرف۔" میں نے سیڑھیوں والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ میں اس سے پہلے دروازے سے باہر آ گیا تھا لیکن اسے میں نے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پستول کی زد پر لئے رکھا تھا۔ میرے کپڑوں سے اب بھی پانی نچڑ رہا تھا اور پیر بھی بھیگے ہوئے تھے۔ میں زینے اور دروازے کے درمیان کھلی جگہ پر کھڑا تھا۔ یہاں موزائیک کا فرش تھا جو خاصا چکنا تھا۔ بلا دروازے سے باہر نکلا تو میں اسے راستہ دینے کیلئے ایک طرف ہٹ گیا اور ایسا کرتے ہوئے میرا بھیگا ہوا پیر موزائیک کے چکنے فرش پر پھسل گیا۔

اس سے پہلے کہ میں سنبھلنے کی کوشش کرتا بلے نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے جبڑے پر زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے الٹ گیا۔

پستول میرے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں اڑتا ہوا نیچے جا گرا تھا۔ میں الٹ کر زینے کے باہر کی طرف گرا تھا۔ اگر اتفاق سے زینے کی ریلنگ میرے ہاتھ میں نہ آ جاتی تو میں بھی نیچے گرتا۔

میں زینے کی ریلنگ کے ساتھ لٹک گیا تھا۔ بلے نے حماقت یہ کی کہ مجھے نیچے گرانے کیلئے میرے ہاتھوں پر پیر سے ٹھوکریں مارنے لگا۔ اس کے پیروں میں جوگرز تھے۔ ہر ٹھوکر مجھے کراہنے پر مجبور کر دیتی۔ میں گول ریلنگ کے ساتھ آہستہ آہستہ نیچے آ رہا تھا اور بلا بھی سیڑھیوں پر میرے ساتھ ساتھ اتر رہا تھا۔ اگر وہ عقلمندی کا ثبوت دیتا تو میرے ہاتھوں پر ٹھوکریں مارنے کے بجائے کمرے میں گرا ہوا اپنا پستول اٹھاتا اور مجھے زد پر لے کر نیچے اترنے پر مجبور کر دیتا۔ اس طرح میں اس کے سامنے بے بس ہو سکتا تھا۔

چند سیڑھیاں باقی تھیں کہ میں نے ریلنگ چھوڑ دی۔ اور بلے نے بھی اوپر سے چھلانگ لگا دی۔ اس نے چھلانگ تو میرے اوپر لگائی تھی لیکن میں بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ بلا مجھ سے تقریباً دو فٹ کے فاصلے پر گرا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر وہ دیوث مجھ سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے اٹھ کر میرے جسم پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

اور پھر میرا داؤ بھی چل گیا۔ اب بلا میری ٹھوکروں کی زد پر تھا۔ وہ اگرچہ مجھ سے زیادہ قد آور اور طاقتور تھا لیکن میں لڑائی کے ساتھ دماغ بھی استعمال کر رہا تھا۔ میری آخری ٹھوکر اس کی کھوپڑی پر لگی اور وہ خوفناک انداز میں کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

میں دوڑ کر کمرے سے رسی لے آیا اور اس کے ہاتھ پیر پشت پر باندھ دیئے اور سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا کپڑے کا کوڑا اٹھا کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ میں دوڑتا ہوا کمرے میں گھس گیا۔ نرگس کی بھیگی ہوئی میکسی فرش پر پڑی تھی اور وہ خود کمبل لپیٹے بیڈ پر بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔

کمرے کی حالت خاصی ابتر تھی۔ ہر چیز الٹ پلٹ ہو رہی تھی۔ الماری کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے اور ہر چیز فرش پر بکھری ہوئی تھی۔ ایک خالی سوٹ کیس الماری کے اوپر رکھا رہتا تھا۔ اس وقت وہ بھی کھلا ہوا فرش پر پڑا تھا۔

میں نے الماری کے سامنے کپڑوں کے ڈھیر میں سے نرگس کے کپڑوں کا ایک جوڑا اٹھا کر اس کی طرف پھینک دیا۔

''جلدی سے یہ کپڑے پہن لو۔'' میں نے کہا۔

''ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

''مم..... مجھے سردی لگ رہی ہے۔'' وہ رک رک کر بولی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ دہشت اور آنکھوں میں انجانا سا خوف تھا۔ ہم آدھے گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں کھڑے رہے تھے اور نرگس کی حالت دیکھ کر مجھے اندیشہ تھا کہ وہ کہیں نمونیہ کا شکار نہ ہو جائے۔

''ہمت سے کام لو نرگس۔'' میں نے کہا۔ ''کپڑے پہن لو اور پھر کمبل اوڑھ لینا۔ جلدی کرو ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہے۔''

نرگس نے کمبل میں سے ہاتھ نکال کر اپنے کپڑے اٹھا لئے اور پھر کمبل ہٹا کر قمیص پہننے لگی۔

میری اپنی حالت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ میں نے بھی ڈھیر میں سے اپنے کپڑے اٹھائے اور وہیں کھڑے کھڑے بھیگے ہوئے کپڑے اتارنے لگا۔

کپڑے بدل کر میں الماری کو اس کی جگہ سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ لکڑی کی الماری بہت وزنی تھی۔ اسے مزید وزنی بنانے کیلئے ہم نے اس میں بہت سی فالتو چیزیں بھی ٹھونس رکھی تھیں لیکن انہوں نے تلاشی لینے کیلئے ساری چیزیں نکال کر باہر پھینک دی تھیں۔ خالی الماری بھی اچھا خاصا وزن رکھتی تھی۔ میں بڑی مشکل سے الماری کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ دونوں تھیلے محفوظ تھے۔

☆.....☆.....☆

نظیر محمد ناجی کی ایڈونچرس سے بھرپور یہ آپ بیتی ابھی جاری ہے' بقیہ واقعات کیلئے حصہ آخری ملاحظہ فرمائیں

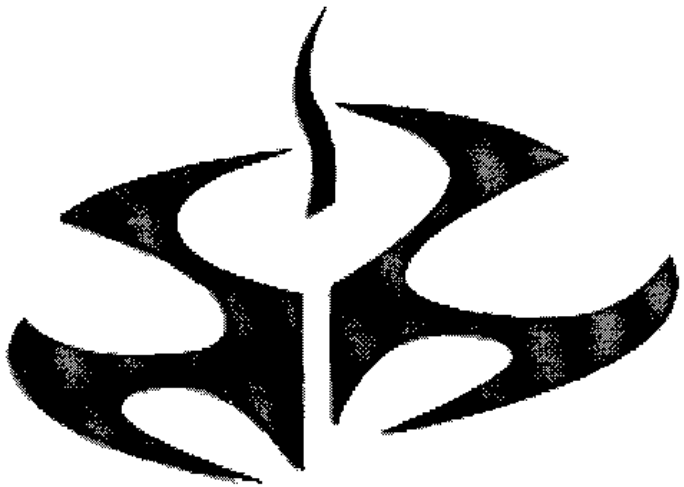

Azam & Ali

www.pdfbooksfree.pk